پوتے کی میراث

حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی مدظلہم

مفتی جامعہ اشرفیہ ـــــــ لاہور

ناشر

ایم۔ ثناء اللہ خان - ۲۶۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

بار دوم ۱۰۰۰

قیمت ۳ روپے

جنوری ۱۹۵۶ء

ناشر ایم ثناء اللہ خاں
۲۶- ریلوے روڈ- لاہور

طابع انشاء پریس
اردو بازار- لاہور

اِرثُ الحَفِید

یعنی

پوتے کی میراث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ

امابعد

۳ دسمبر ۱۹۵۲ء کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ایک صاحب چودھری محمد اقبال چیمہ کی طرف سے یہ بل پیش ہوا کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کو اور بھائی کے ہوتے بھتیجے کو برابر کی میراث ملے۔ بعض اہلِ علم ممبروں کے خلاف کرنے اور ان کی محرومی کو ائمہ اربعہ کے یہاں متفق علیہ و اجماعی ہونے کے بیان کے باوجود بل پیش ہوگیا بلکہ غلط نماط کا غلغلہ بھی بلند ہوا۔

چونکہ یہ بل قرآن و حدیث، اجماعِ امت اور عقلِ سلیم کے بالکل خلاف اور

تقریباً دنیا کے پچاس کروڑ بلکہ پونے چودہ سو سال کے تمام مسلمانوں کے مذہب
میں مداخلت ہے، اس لیے اس کے متعلق اول چند دلائل اور ان کے بعد ان
یورپ زدہ عقلوں کی تحریفات پیش کی جاتی ہیں جنہوں نے اس بل کو سراہا اور
اس کو قرآنی حکم قرار دیا ہے اور پھر مسلمانوں کی دلیلوں کے جوابات کی حقیقت خود
ان کی دلیلوں اور عقلیات کا پول، اور الزامات کی تحقیق، طلوع اسلام اور اس کے
پورے پمفلٹ کا جواب، ممبران اسمبلی کی غلطیاں اور چیئرمین بل کی خرابیاں دکھلا کر
ان شاء اللہ مضمون ختم کر دیا جائے گا۔ اللّٰھم اھدنی و سددنی۔

جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ اگر زید مرتا ہے، اس کا ایک بیٹا عمر ہے
ایک بکر اور بکر کا رشید، تو اگر زید کی زندگی میں بکر مر گیا اور اس کا بیٹا رشید
زندہ ہے تو ساری امت کے نزدیک تو اسلامی قانون یہ ہے کہ صرف عمر زندہ
بیٹا وارث ہوگا۔ بکر مردہ یا اس کا بیٹا رشید نہ ہوگا، ہاں اگر عمر بھی باپ کے سامنے
مر چکا ہوتا تو پوتا ہی کل کا اور تنہا وارث ہوتا

زید

عمر زندہ بیٹا — بکر مردہ بیٹا

وارث — رشید پوتا (محروم)

اور بل کا منشاء یہ ہے کہ رشید پوتے کو عمر بیٹے کے برابر میراث ملے۔
ساری امت کے نزدیک جو اسلامی قانون ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) سورۂ نسار کی آیاتِ میراث میں ہے ۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ — اللہ تعالیٰ تم کو تاکیدی حکم کرتے ہیں اولاد

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۝ — کے بارہ میں کہ مذکر کے لیے دو مؤنث کے حصّہ کے برابر ہے ۔

اُردو میں چاہے کسی معنی میں ہو۔ مگر عربی میں اولاد کون کون ہیں اس کی تحقیق اِس طرح ہے کہ " اولاد" ولد کی جمع ہے اور وَلَدْ ولادت سے ہے جس کے معنے جننے کے ہیں۔ جس سے لَمْ يَلِدْ (نہ اس نے کسی کو جنا) وَلَمْ يُولَدْ (نہ وہ کسی سے جنا گیا) بھی ہے ، " ولد " فلق بمعنے مفلوق کی طرح صیغہ صفت مفعولی مولود (جنے ہوئے) کے معنی میں ہے ، مذکر (لڑکا) مونث (لڑکی) دونوں اس کے معنی ہیں کیونکہ دونوں جنے ہوتے ہیں ، لیکن پھر اس کے معنی دو قسم کے معنی ہیں ، ایک حقیقی جو بلاواسطہ جنا ہوا ہو یعنی بیٹا بیٹی ، دوسرے مجازی جو کسی واسطہ سے جنا ہوا ہو ، یعنی پوتا ، پوتی پڑپوتا ، پڑپوتی ، وغیرہ جو بیٹوں کی اولاد ہے بیٹیوں کی اولاد نواسے نواسی اس کے مفہوم میں داخل نہیں کیونکہ نسب باپ سے چلتا ہے ، بیٹوں کی اولاد اپنی اولاد ہے اور بیٹیوں کی اولاد اپنے باپ دادا کی ہے ، وہ صرف عزیز ہیں ذوی الارحام ہیں ، یہ عرف و رواج ہی نہیں قرآن مجید سے ثابت ہے وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ (اور جس کے لیے بچہ جنا گیا ہے اس پر ماؤں کا نفقہ ہے) معلوم ہوا بچہ باپ کے لیے ہے باپ کا ہے اور اسی پر نفقہ بھی ہے ، النسب باپ سے چلتا ہے ، صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصیت ہے کہ اس سے مستثنیٰ ہیں جس کے خاص دلائل ہیں مثلاً

آیت مباہلہ میں ارشاد ہے قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا (کہہ دیجیے آؤ ہم تم اپنے بیٹوں کو بلائیں) اور حضورؐ نے حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ کو بلایا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اَبْنَآءَ فرمایا ہے تو وہ حضورؐ کے بیٹے ہوئے اور ان کی اولاد سید ہے۔

لهٰذا حقیقی اولاد بیٹا بیٹی ہیں اور مجازی پوتا۔ پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی وغیرہ اور دنیا بھر کی ہر زبان کا ہر لفظ حقیقی و مجازی دونوں معنی پر بولا جایا کرتا ہے یہ لفظ بھی دونوں معنی پر بولا جاتا ہے،

مثلاً "شیر" ایک لفظ ہے دو معنی پر بولا جاتا ہے، درندۂ خاص، اور بہادر انسان، جنگل یا چڑیا گھر میں شیر دیکھا تو حقیقی معنی ہیں یعنی درندۂ خاص اور مقررین جلسہ میں شیر دیکھا تو بہادر معنی ہونگے۔ اور خود لفظ "بیٹا" بھی اردو میں ایک حقیقی معنی بیٹے پر ایک مجازی معنی پوتا، نواسا، بھانجا، بھتیجا، متبنّٰی بلکہ مشابہت یا شفقت کے لحاظ سے غیر کے بچہ پر بھی بولا جاتا ہے،

بلاغت عربی نے حقیقی و مجازی معنی کی شناخت کے لیے ایک ضابطہ مقرر کیا ہے جو دوسرے قاعدوں کی طرح ساری دنیا کی سب زبانوں میں بھی جاری ہوتا ہے کہ "جن معنی سے لفظ کو نفی نہ کیا جاسکے وہ حقیقی ہیں اور جن معنی سے اس لفظ کو نفی کرکے دوسرا لفظ بولا جاسکے وہ مجازی ہیں"

اس درندہ خاص کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ شیر نہیں ہے تو یہ درندہ لفظ شیر کے حقیقی معنی ہیں اور بہادر کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیر نہیں انسان ہے تو یہ معنی مجازی معنی ہیں، اسی طرح بیٹے کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیٹا نہیں اور پوتے نواسے، بھانجے اور بھتیجے وغیرہ کو کہہ سکتے ہیں کہ بیٹا نہیں پوتا نواسا وغیرہ ہے۔ یہی قاعدہ یہاں

جاری ہوتا ہے بیٹا بیٹی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا ولد (جنا ہوا) نہیں ہے، اور پوتا پوتی وغیرہ کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ولد (جنا ہوا) نہیں، ولد الولد (جنے ہوئے کا جنا ہوا) یا حفید (پوتا) ہے۔ اس لیے بیٹا بیٹی حقیقی اولاد اور پوتا پوتی مجازی اولاد ہیں۔

بلاغت اور اصول کا ایک اور قاعدہ ہے۔ یہ بھی دنیا بھر کی سب زبانوں میں معمول بہ ہے کہ ایک لفظ سے ایک حالت میں دونوں معنی حقیقی و مجازی مراد نہیں ہو سکتے، جب کوئی کہے گا میں نے شیر دیکھا تو درندہ خاص مراد ہوگا یا بہادر انسان مگر ایک ہی مراد ہوگا۔

اب ایسے لفظ سے کب حقیقی مراد ہوں اور کب مجازی اس کے لیے بھی ایسا ہی ہر زبان کے لیے عام قاعدہ ہے کہ حقیقی معنی کا وجود ہی نہ ہو یا اس کے مراد لینے سے کوئی دشوار گذار مرحلہ پیش آتا ہو یا عبارت میں یا ماحول وغیرہ میں کوئی ایسا قرینہ ہو جس کی وجہ سے حقیقی معنی مراد نہ ہو سکیں تو اس وقت مجازی معنی مراد ہوں گے۔ کیونکہ اصل معنی حقیقی معنی . . . .

. . . . ہی ہیں جن کے لیے زبان میں اس لفظ کو وضع اور مقرر کیا گیا ہے، دوسرے معنے کسی علاقہ و مناسبت سے اور غیر اصلی معنے ہو کر مراد ہوتے ہیں، لہذا جب تک حقیقی معنے معدوم یا ممنوع یا دشوار تر نہ ہو جائیں گے مجازی معنے مراد نہ ہوں گے " میں نے آج شیر دیکھا ہے " سے درندہ خاص ہی کے معنے مراد ہوں گے لیکن اگر ایسے مقام پر کہا جاتے جہاں درندہ نہ ہو یا ایسا کام بتایا جاتے جو درندہ نہ کر سکتا ہو مثلاً جلسہ میں شیر کو تقریر کرتے دیکھا تو وہاں مجازی

معنے مراد ہونے ضروری ہیں۔

اب ان سب قاعدوں سے لفظ اولاد کے معنے کے لیے تین باتیں ثابت ہوگئیں۔ (۱) اولاد کے حقیقی معنے بیٹا بیٹی ہیں اور مجازی معنے پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی وغیرہ (۲) حقیقی اور مجازی معنے دونوں ایک حالت میں مراد نہیں ہوسکتے یعنی بیٹا بیٹی بھی مراد ہوں اور پوتا پوتی بھی تو لفظ اولاد سے بیک وقت ایک حالت میں دونوں قسمیں مراد نہیں ہوسکتیں، یہی وجہ ہے کہ بیٹے کی زندگی میں خود اس کے بیٹے بیٹی یعنے پوتے پوتی کو اس کے باپ کا ترکہ نہیں دیا جاتا، کیونکہ لفظ ولد میں حقیقی و مجازی دونوں معنے یا حقیقی معنی کے موجود ہوتے مجازی مراد ہوں یہ نہیں ہو سکتا۔ (۳) جب تک حقیقی معنے بیٹا بیٹی کا وجود ہوگا مجازی معنے مراد لینا جائز نہ ہوگا، پوتا پوتی وغیرہ مراد نہ ہوسکیں گے اور ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا گویا وہ اس لفظ کے تحت میں ہی نہیں آتے۔

لہذا آیت شریفہ میں صاف حکم یہ ہوگا کہ بیٹا ہوتے ہوئے پوتا پوتی کا کوئی حق نہ ہوگا، چاہے وہ پوتا پوتی زندہ بیٹے سے ہوں یا مرتے ہوئے بیٹے سے اب بیٹے کے ہوتے پوتے کو حصہ دینا حکم الٰہی کے خلاف ہوگا۔ اور یہ دونوں قسم کے معنے کو لفظ ولد میں ایک دم مراد لینا قواعد سے تو غلط ہے ہی قرآن شریف سے بھی اس کا غلط ہونا ثابت ہے، یہودی لوگ حضرت عزیرؑ کو، عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے قول کو نقل فرمایا ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ (کفار کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بیٹی بنا لیا ہے اللہ تو بہت پاک ہے) مگر ولد کے

معنے بیٹا بیٹی پوتا پوتی وغیرہ ایک دم ہوں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کا قول ایسے نقل فرما رہے ہیں کہ کافر کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی وغیرہ بنالیا اور کفار کا قول یہ نہیں تھا تو خدا تعالےٰ کا کلام خلافِ واقع ہو جائے گا۔ اور جھوٹ لازم آئے گا کتنی سخت گستاخی ہو گی، اس لیے حقیقی معنے ہی مراد ہوں گے یہ نہ ہو سکے تو مجاز مراد ہوتا۔

آج کل کے عقل پرستوں کی طرح آیت کا یہ مفہوم میں تنہا یا احناف ہی نہیں کہتے بلکہ تمام علمائے اُمت کا یہی قول ہے، احکام القرآن للجصاص ج ۲ صـ ۹٦ پر ہے۔

ولم یختلف اهل العلم فی ان المراد بقوله تعالیٰ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ اولاد الصلب وان ولد الولد غیر داخل مع ولد الصلب وانه اذا لم یکن ولد الصلب فالمراد اولاد البنین دون اولاد البنات فقد انتظم اللفظ اولاد الصلب و اولاد الابن اذا لم یکن ولد الصلب۔	امت کے اہلِ علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حق تعالیٰ کے ارشاد یوصیکم اللہ فی اولادکم میں صلبی اولاد مراد ہے اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ پوتا صلبی بیٹے کے ساتھ اس میں داخل نہیں اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ صلبی ولد نہ ہو تو مراد بیٹوں کی اولاد ہے بیٹیوں کی نہیں لہذا یہ لفظ صلبی اولاد کو اور جب صلبی نہ ہو تو بیٹے کی اولاد کو شامل ہے۔

اس لیے ساری امت کے اہلِ علم کے نزدیک آیت شریفہ کا یہی مفہوم ہے کہ اولاد سے فقط بیٹا بیٹی مراد ہیں۔ بیٹا نہ ہو تو صرف پوتا پوتی مراد ہوں گے۔

بیٹے کی موجودگی میں پوتا اس لفظ میں داخل نہیں ہو سکتا، نہ اس لفظ کے حکم سے اُس کو کوئی حصہ مل سکتا ہے، اور یہی مفہوم قرآنی آیات اور عربی زبان کے قواعد کے موافق ہے، اگر اس کے خلاف کوئی شخص کوئی مفہوم گھڑتا ہے تو نہ وہ لغت کے موافق نہ زبان کے نہ حدیث کے نہ اہل زبان و اہل علم کے قواعد کے، وہ محض معنوی تحریف ہے اور بالکل غلط۔

(۳) اوپر کی آیت میں بیٹا بیٹی اور اُن کے نہ ہونے کی صورت میں پوتا پوتی کا حصہ بیان تھا مگر اسی وقت کا بیان تھا جب مذکر مؤنث دونوں قسمیں موجود ہوں بیٹے بھی ہوں اور بیٹیاں بھی ہوں یہ نہ ہوں تو پوتے بھی ہوں اور پوتیاں بھی، للذکر مثل حظ الانثیین (مذکر کو دو مؤنث کے حصہ کے برابر) اسی وقت پایا جا سکتا ہے جب مذکر و مونث یعنی مرد و عورت دونوں قسم کے وارث ہوں۔ اگر صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں بیٹیاں ہی بیٹیاں یا ایک بیٹی ہی ہو تو اسی آیت کے اُن لفظوں کے بعد یہ ارشاد ہے:۔

فَاِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ فَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۖ	اگر اولاد مونث ہی مونث ہو دو یا زیادہ تو اُن کے لیے ترکہ کا دو تہائی $\frac{2}{3}$ ہے، اور ایک ہو تو اُس کے لیے نصف $\frac{1}{2}$ ۔

مؤنث اولاد کے لیے حصہ معین و مقررہ فرما دیا گیا ہے، کہ ایک ہو تو نصف $\frac{1}{2}$ اور کئی ہوں تو دو تہائی $\frac{2}{3}$ ، یہ حصہ مقررہ ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اب اگر یہ مونث اولاد حقیقی یعنی بیٹیاں ہوں تو یہ وارث ہیں یہ حقیقی معنی موجود

نہ ہوں اور مجازی یعنے پوتیاں ہوں تو ان کو ایک کو نصف اور کئی ہوں تو دو تہائی ملے گا
یہاں یہ بھول نہ جائیے کہ نواسیاں مجازی معنے میں بھی نہیں، کیونکہ نسب بیٹے سے
ہوتا ہے صرف بیٹے کی اولاد اولاد ہے۔ لیکن اگر ایک بیٹی اور ایک یا کئی پوتیاں
ہوں تو حقیقی معنے اولی ہوں گے لہذا بیٹی کو اس کا مقررہ حصہ نصف ملے گا اور نہ
مجازی معنے مراد نہ ہونے چاہئیں مگر چونکہ ایک سے زائد مونث اولاد موجود ہے
اور ایک سے زائد کا حصہ دو تہائی ہے جس کا کچھ حصہ باقی ہے تو وہ باقی اس
مجازی کا ہوگا۔ ایک حالت نصف کی حقدار ہوتی ہے اس میں حقیقی معنے ہوں گے
½ بیٹی کا ہوگا۔ دوسری حالت دو تہائی یعنی اس کی تکمیل کا حصہ ہے نصف سے
دو تہائی تک کا درمیانی حصہ باقی ہے اس کے لیے حقیقی معنے کا وجود نہ رہا تو یہ
مجازی معنے پوتی لی جائے گی ایک ہو یا کئی تو نصف کے بعد دو تہائی کی تکمیل جس
قدر سے ہوگی وہ پوتی یا پوتیوں کا ہوگا۔ اگر چھ روپیہ ترکہ ہے تو نصف تین روپے
بیٹی کے اور وہ جو دو مونث اولاد کا حصہ ⅔ تھا چھ کا ⅔ چار ہے تو ایک باقی
رہ گیا ہے اس کی مستحق حقیقی مؤنث اولاد کی جگہ مجازی مؤنث اولاد یعنی پوتی ہوگی
ایک ہو یا کئی ہوں۔ اور اگر ایک سے زائد حقیقی مؤنث اولاد یعنی بیٹیاں ہونگی
تو ان کا مکمل حصہ ⅔ ان کو اس لیے ملتا ہے کہ حقیقی مجازی سے مقدم ہے اور
مجازی کے لیے کچھ باقی نہیں رہا وہ محروم ہے، لہذا دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں گی
تو پوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ کئی مؤنث اولاد کا مقررہ حصہ ⅔ جس میں
کمی بیشی نہیں ہوسکتی پورا حقیقی معنے کو مل چکا اب مجازی محروم ہے۔

اور اگر اولاد مذکر ہی مذکر ہو، بیٹے ہی بیٹے یا ایک ہی بیٹا ہو تو اگر اور کوئی

وارث نہیں تو چونکہ بیٹی کا نصف تھا اور بیٹے کا بیٹی سے دوگنا تو نصف کا دوگنا کل بیٹے یا بیٹوں کا ہوا اور اگر اور وارث بھی ہیں تو اس کا حکم اسی آیت کے ان لفظوں سے بعد کے اِن لفظوں میں ہے :-

وَلِاَبَوَیۡهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ	اور میت کے ماں باپ دونوں
مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ	میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ کا چھٹا حصّہ
اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ	ہے اگر میت کے ولد ہو۔

ماں باپ اور والدین کے بیان میں ماں باپ دو کا چھٹا چھٹا حصّہ بیان فرمانا اس کی دلیل ہے کہ باقی کل ولد کا ہے ، ولد مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے لہذا گذشتہ قاعدہ سے اس بقیہ کل کی تقسیم ہوگی کہ صرف مذکر مذکر ہیں تو کل ان کا بحصّہ مساوی اور اگر مذکر و مونث دونوں ہیں تو ہر مذکر کو مونث سے دوگنا ، اور مؤنث ہی مونث ہیں تو ایک کو $\frac{1}{2}$ زائد کو $\frac{2}{3}$ باقی اگر بچے گا تو اقربین کے لیے ہوگا ورنہ نہیں ، اولاد میں سے صرف مونث ہی کا حِصّہ مقرر ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور صرف مذکر یا مذکر و مؤنث دونوں ہوں تو بقیہ کل کے مالک ہیں چاہے جتنا ہو ، اس وقت ان کو عصبہ کہتے ہیں اور مقررہ حصّے والے کو ذوی الفروض -

اور ہر جگہ حقیقی مجازی سے مقدم ہوگا اس لیے چھ روپیہ ترکہ میں سے $\frac{1}{6}$ ماں کا ایک روپیہ باپ کا ایک روپیہ صرف مذکر اولاد ہو تو باقی کل یعنی چار روپیہ بیٹوں یا بیٹے کے ، اور بیٹا نہ ہو تو کل باقی یعنی چار روپیہ پوتوں یا پوتے کے ہوں گے اور اگر ایک بیٹا اور ایک پوتا دوسرے بیٹے کا ہو گا تو حقیقی معنے ہوتے

ہو سے مجازی نہ ہوں گے پوتے کو نہیں مل سکتا نہ دونوں مراد ہو کر مل سکتا ہے نہ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز لیا جا سکتا ہے۔ الغرض بیٹے نہ ہوں تو پوتے اگر اور کوئی وارث مقررہ حصے والا نہیں ہے تو کل کے مالک ہیں اگر اور وارث مقررہ حصے والے ہیں تو اُن کا حصہ دے کر جو باقی رہے گا اس کے کل کے مالک ہیں۔ کل یا باقی کے مالک کو عرب عصبہ کہتے ہیں اسی طرح حقیقی ماں مجازی ماں نانی پڑنانی دادی وغیرہ سے اور حقیقی باپ مجازی باپ دادا پڑدادا سے مقدم ہے۔

لیکن پوتے اور پوتی میں فرق ہوگا بیٹے کے ساتھ پوتے کو کچھ نہ ملے گا۔ اور بیٹی کے ساتھ پوتی کو دو تہائی پورا کرنے والا حصہ ملے گا گو دونوں صورتوں میں حقیقی اولاد کے ساتھ مجازی جمع ہے اور مجازی ایسے وقت بالکل محروم ہونی چاہیے مگر وجہ یہ ہے کہ مؤنث اولاد کا حصہ مقررہ ہے ایک کا نصف اور دو یا زائد کا دو تہائی ایک بیٹی کے ہوتے ہوئے $\frac{1}{2}$ کے حصے میں مونث اولاد حقیقی فقط ہے حصہ لینے کے بعد گویا وہ کالعدم ہو چکی مجازی معنی آسکتے ہیں لہذا اس سے زائد دو تہائی کی تکمیل میں پوتی مؤنث اولاد مجازی ہے اور دونوں معنے ایک حالت میں نہیں ہیں اس لیے دونوں معنے دو حالتوں کے اعتبار سے جمع ہوتے ہیں اصول کا خلاف لازم نہیں آتا۔ اور مذکر اولاد کے لیے باقی کل یا کل ہے۔ اس لیے اگر حقیقی معنے بیٹے کے ہوتے ہوئے مجازی معنے پوتا بھی لیے جائیں گے تو اسی کل میں شرکت اور ایک ہی حالت میں حقیقت و مجاز جمع کرنا لازم آئے گا جو اصول عربیت بلکہ کسی زبان کے اصول سے درست نہیں ہے اور لازم آئے گا کہ جس کو خدا نے کل کا مالک بنایا تھا کل کا مالک نہ رہے شرکت کی وجہ سے کچھ

ا! ...

کا رہ جائے۔ اِس لیے بیٹے کے ہوتے پوتے کو وارث بنانا اصولِ زبان اور آیت کے حکم کے خلاف ہے۔

(۳۳) اِسی سورت میں آیاتِ مذکورہ کے کچھ بعد ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ	اور تمہارے لیے نصف ہے تمہاری
أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ	بیویوں کے ترکہ سے اگر اُن کے ولد نہ ہو
وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ	اور اگر اُن کے ولد ہو تو تمہارے لیے
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ	چوتھائی ہے ان کے ترکہ سے بعد ادائے
يُّوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ	وصیت جو وہ کر جائیں اور ادائے دین (قرض) کے
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ	اور بیویوں کے لیے تمہارے ترکہ سے
لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ	چوتھائی ہے اگر تمہارے ولد نہ ہو اور
فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ	اگر تمہارے ولد ہو تو اُن کے لیے آٹھواں
بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ	حصّہ ہے تمہارے ترکہ کا بعد ادائے
دَيْنٍ ۝	وصیت کے جو تم کر جاؤ یا دین کے۔

اگر ولد ہو تو خاوند اور ولد دو میں سے خاوند کا چوتھائی حصّہ اور بیوی اور ولد میں سے بیوی کا آٹھواں حصّہ ہونا دلیل ہے کہ باقی ولد کا ہے۔ لیکن ولد مذکر یا مؤنث یا دونوں یا حقیقی و مجازی پسری اولاد جمع ہو تو وہی تفصیل ہے جو ۲ کے آخر میں عرض کی گئی ہے لہٰذا یہاں بھی بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو وارث قرار دینا اصولِ زبان اور آیت کے حکم کے خلاف ہے۔

(۳۴) سورۂ نساء ع ۵ ب۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۔ اور ہر ایک کے لیے ہم نے موالی بنائے ہیں اس ترکہ کے جس کو والدین اور قریب تر اعزہ چھوڑ جائیں۔

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ موالی عصبات ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے (جلالین وکمالین)

احکام القرآن جصاص ج ۲ صـ۲۲۳ پر ہے کہ حضرت ابن عباس رض حضرت مجاہد رح اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ موالی سے یہاں عصبات مراد ہیں۔

اور صـ۲۲۴ پر عصبات مراد ہونے پر دلیل میں یہ حدیث درج کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

مَنْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَمَالُهُ لِلْمَوَالِي الْعَصَبَةِ الحديث ۔ جو شخص مر جائے اور کچھ مال چھوڑ جائے تو اس کا مال موالی یعنی عصبہ کے لیے ہے

اور اقربون اقرب کی جمع ہے اسم تفضیل ہے قرب سے بنا ہوا ہے اس کے معنے ہوئے زیادہ قریب۔ جیسے کبیر بڑا اور اکبر زیادہ بڑا، طویل لمبا اور اطول زیادہ لمبا تو قریب نزدیک اور اقرب زیادہ نزدیک اور قرب اور نزدیکی ایسی صفت ہے کہ دونوں جانب سے تعلق رکھتی ہے زید عمر کے قریب ہے تو عمر زید کے قریب ہے زیادہ قریب ہے تو وہ بھی زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا جیسے عصبات والدین کے وارث ہوں اور ان عزیزوں کے وارث ہونگے جو ان سے زیادہ قریب ہیں تو یہ وارث ہونے والے عصبات [illegible] جو ان عزیزوں سے زیادہ قریب ہونے کا تعلق رکھتے ہیں لیکن [illegible] قریب [illegible]

[illegible]

میں قریب ہونا ہے زمان مکان میں قریب ہونا نہیں کیونکہ گفتگو میراث میں ہے جو قرابت کی وجہ سے ہے اب قرابت کی نزدیکی تین طرح ہے (۱) کوئی واسطہ درمیان میں نہ ہو جیسے بیٹا اور باپ یا دوسروں کی نسبت سے کم واسطے ہوں، جیسے پوتا بہ نسبت پڑپوتے کے (۲) اگر ایک درجہ میں ہوں تو ایک کی قرابت دوسرے سے زائد ہو جیسے حقیقی بھائی سوتیلے بھائی سے اقرب ہے، حقیقی میں ماں باپ دو کا علاقہ ہے سوتیلے میں باپ کا ایک علاقہ (۳) ایک ہی درجہ ہو مگر ایک کی قرابت قوی ہو جیسے بیٹا اور باپ کہ دونوں میت کے بلا واسطہ قریب ہیں مگر بیٹا جزو ہے باپ نہیں تو بیٹا اقرب ہے، آیت ۲ میں جو مؤنث اولاد کا حصہ معلوم ہوا تھا کہ ایک کے لیے نصف ½ اور زائد کے لیے تہائی ⅔ ہے تو باقی کیا ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس عصبہ کو ملے گا جو سب سے نزدیک کا رشتہ دار ہوگا اور اس کے بعد کا محروم رہے گا اس سے کل عصبات کا حکم معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مدار وارث ہونے کا اقرب یعنی سب موجودہ سے زیادہ نزدیک ہونا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ والدین کے ترکہ میں بیٹے جن کا حصہ معین نہ تھا عصبہ ہیں یا بیٹے بیٹیاں جمع ہوں تو ان کا معین حصہ نہیں کل یا باقی ہے جس قدر بھی باقی ہو تو وہ بھی عصبہ ہیں، کیونکہ عصبات ترکہ والدین سے بھی لیتے ہیں لہذا اگر کوئی مقررہ حصے والا نہ ہوگا تو عصبات کل لے گے، اور ہوگا تو بقیہ کے وارث ہوں گے چونکہ بیٹوں پوتوں کا یہ حال ثابت ہو چکا تھا اب جو لوگ ان کے ساتھ عصبہ ہیں تو یہی حال ہر عصبہ کا ہے اب ان میں سے جو اقرب ہوں گے وہی وارث ہوں گے بیٹا بیٹی اقرب ہیں دونوں ہوں گے تو مرد کو دوگنا عورت کو

یک کو نہ ملے گا صرف بیٹے ہوں گے تو برابر کے شریک ایک ہوگا تو کل کا یا باقی وارث ہوگا اور پوتا دوسرے بیٹے مرحوم کا بیٹا ہوگا تو وہ بیٹے کی بہ نسبت اقرب نہیں، بیٹا وارث ہوگا پوتا وارث نہ ہوگا ایسے ہی پرپوتا کسی پوتے کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا، اسی طرح بھائی اقرب ہے بھتیجا اس سے زیادہ نزدیک تو کیا برابر کا بھی نہیں ہے بھائی کے ہوتے وہ وارث نہ ہوگا، بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو وارث قرار دینا آیت شریفہ کے حکم کے خلاف نہیں تو کیا ہے،

(۵) اسی سورت میں ان ہی آیتوں کے درمیان حصوں کی کمی بیشی اور محرومی کا راز بیان فرماکر عقل کے گھوڑوں کو روک دینے کا حکم ہے۔

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا	تمہارے باپ دادا اور تمہارے
تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ	بیٹے پوتے تم نہیں جان سکتے ان میں کا کون
فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	تم سے نفع میں زیادہ قریب ہے یہ اللہ کی
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○	کی طرف سے فرض کیے ہوئے حکم ہیں بیشک
	اللہ بہت علم والا ہے اور بہت حکمت والا۔

اس آیت میں کئی اصول ہیں (۱) میراث کا معیار تمہارے اپنے لگائے جوڑے عارضی تعلقات نہیں ہیں جو کبھی ہیں اور کبھی نہیں، کبھی کم ہیں کبھی زائد نہ یہ عارضی اور کم بیش ہونے والا تعلق دائمی احکام کا معیار بننے کے قابل ہوسکتا ہے، میراث کے ان دائمی احکام کا معیار وہ فطری تعلق ہے جس کو فطرت کا بنانے والا اللہ ہی جانتا ہے تم جان بھی نہیں سکتے لا تدرون سے میراث کا معیار

فطری تعلق ہے تم اس کو جان نہیں سکتے وہ عقلِ انسانی سے بالا ہے، تمہاری عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکتی لاتدرون اس لیے تم اس میں عقل کے گھوڑے نہ دوڑاؤ اسی وجہ سے میراث کے احکام ساری امت میں قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہوتے ہیں عقل کو تو کیا دخل ہوتا قیاس شرعی کو بھی دخل نہیں جس کو عقلی دوڑ سے زمین و آسمان کا فرق ہے، اسی لیے اس فن میں اختلافات شاذونادر ہیں وہ بھی اجماع سے ختم ہوگئے۔ ۳ میراث کا معیار فطری تعلق ہے جیسے اس تعلق میں انسان کے اختیار کو دخل نہیں اس کے حصول کے ہونے نہ ہونے اور کم زیادہ ہونے میں بھی انسان کو دخل نہیں فریضۃ من اللہ اللہ کے فرض کیے ہوئے احکام ہیں اسی لیے عاق کرنے سے بھی حصہ نہ جائے گا اور نہ لینے سے بھی ساقط نہ ہوگا جب تک ہبہ نہ کردے۔ ۴ اس مدار میں اقرب النفع قابل ذکر ہے مگر تم اس کو سمجھ نہیں سکتے کہ دین و آخرت اور دنیا دونوں کے لحاظ سے کون نفع میں اقرب ہے جس کو ہم نے اقرب قرار دیا ہے وہی اقرب النفع ہے چاہے تمہیں دور کا معلوم ہو جس کو ہم نے اقرب نہیں قرار دیا وہ اقرب النفع نہیں چاہے تم کو کتنا ہی اقرب النفع معلوم ہوتا ہو۔ ۵ تمہارا علم کچھ نہیں اللہ بہت علم والا ہے اس نے علم عظیم کے ساتھ سب احکام نازل کیے ہیں اگر تمہاری عقل میں نہ آئیں تو تم کو علم ہی کیا ہے۔ ۶ یہ سب احکام بڑی زبردست حکمت سے صادر ہوتے ہیں اللہ بڑی حکمت والا ہے چاہے تمہاری سمجھ میں حکمت آئے یا نہ آئے یہ سمجھ کا قصور ہے، لہٰذا اگر اللہ نے بیٹے کو پوتے سے اور بھائی کو بھتیجے سے اقرب بنایا ہے اور بیٹے کا فطری تعلق پوتے سے

زیادہ اور بھائی کا فطری تعلق بھتیجے سے زیادہ بنایا ہے تو اسی کو ماننا اور اسی پر سر جھکانا ضروری ہے عقل انسانی کی رسائی حقیقت تک نہیں ہو سکتی چاہے پوتا اور بھتیجا یتیم بے یار و مددگار یا خدمت گذار مطیع و فرمانبردار معلوم ہو اور وہ اس وجہ سے اقرب معلوم ہوتا ہو مگر علم و حکمت والے نے جو احکام علم و حکمت سے عطا فرمائے ہیں اس کے خلاف چلنے والی عقل اور سمجھ خود قصور وار ہے۔ اب پوتے کو بیٹے کے، بھتیجے کو بھائی کے برابر فطری تعلق اقرب و نفع مند ہونے اور علم و حکمت والی بات ہونے میں جو لوگ قرار دینا چاہیں گے غور کیجیے وہ کہاں تک خدائی منشار اور قرآنی حکم کے موافق ہے۔

(۶) بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور طحاوی کی حدیث ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی لاولی رجل ذکر۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قرآنی مقرر حصے ان کے حقداروں کو دو پھر جو بچے وہ میت کے سب سے قریبی مرد مذکر کے لیے ہے۔

جس مرد کا رشتہ میت سے خود یا بواسطہ مرد کے ہے وہ عصبہ ہے اس کا حصہ قرآن مجید میں مقرر و معین نہیں۔ بیٹا پوتا، بھائی، چچا وغیرہ اور ان کی مرد کے واسطے سے مرد اولاد عصبات ہیں اور باپ کا حصہ گو مقرر بھی ہے مگر وہ بھی اقرب مرد ہے یہ الگ دوسری حیثیت ہے اس حالت کا اور دادا پردادا وغیرہ اور ان کی مردوں کے واسطے سے مرد اولاد سب عصبہ ہیں جن کا حصہ مقرر نہیں ہے لہٰذا

ان میں جو میت سے قریب ترین ہو گا وارث ہو گا بعد کا وارث نہیں ہو گا. بیٹا پوتے سے اور بھائی بھتیجے سے قریب تر ہے فقط وہی وارث ہو گا. قرآن مجید اور حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے اپنی ناقص فریب خوردہ اور یورپ زدہ عقل کے پیچھے چلنا خدا پرستی کی جگہ عقل پرستی کرنا یہ شرک کی صورت نہیں تو کیا ہے ۔

(۷) بخاری میں ہے :-

قال زید .... ولا یرث ولد الابن مع الابن ۔	حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہ ہو گا ۔

(الف) علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری کہتے ہیں (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص۹)

وھذا الذی قالہ زید اجماع یہ حضرت زید نے جو کچھ کہا ہے اجماع ہے

(ب) شارح بخاری شیخ ابن حجر شافعی کہتے ہیں (فتح الباری ج ۱۲ ص۱)

اجمعوا علی ان الذی یبقی بعد الفروض للعصبۃ یقدم الاقرب فالاقرب فلا یرث عاصب بعید مع عاصب قریب و العصبۃ کل ذکر یدلی بنفسہ بالقرابۃ لیس بینہ و بین المیت انثی فمتی انفرد اخذ جمیع المال ۔	امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مقررہ حصے والوں کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ عصبہ کا ہے جو سب سے قریب کا ہے وہ مقدم کیا جائے گا پھر وہ جو اس کے بعد سب سے قریب کا ہے تو کوئی دور کا عصبہ قریبی عصبہ کے ساتھ وارث نہ ہو گا اور عصبہ وہ مذکر ہے جو خود قرابت کا ایسا تعلق رکھتا ہو کہ اس کے اور میت کے درمیان مؤنث نہ ہو جب یہ تنہا ہو گا کل مال لے لے گا ۔

۶۳۴۴

(ج) امام نووی شارح مسلم کہتے ہیں (مسلم ج ۲ ۔ ص۳۴)

قد اجمع المسلمون علی	تمام مسلمانوں نے اس پر اجماع
ان ما بقی بعد الفروض فھو	کیا ہے کہ مقررہ حصوں کے بعد جو کچھ بچے
للعصبات یقدم الاقرب	وہ عصبات کا ہے جو سب سے قریب
فالاقرب فلا یرث عاصب	کا ہے وہ مقدم کیا جائے گا پھر جو سب سے
بعید مع وجود قریب ۔	قریب کا ہوگا تو دور کا عصبہ قریبی کی
	موجودگی میں وارث نہ ہوگا ۔

تمام امت کا اور پونے چودہ سو سال سے تمام مسلمانوں کا اجماع چلا آ رہا ہے کہ قریبی عصبہ وارث ہوگا بعد کا وارث نہ ہوگا بیٹا پوتے سے اور بھائی بھتیجے سے قریب کا عصبہ ہے لہذا اجماع ہے کہ بیٹا وارث ہوگا پوتا نہ ہوگا۔ بھائی وارث ہوگا بھتیجا نہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اجماع کا انکار اسلام سے خارج کرتا ہے ۔

غلط فہمی

جو لوگ شرعی علوم سے واقف نہیں وہ اجماع کا مطلب اتفاق رائے سمجھ لیتے ہیں اور اس سے ان کو طرح طرح کے شبہات پیدا ہو جاتے ہیں ۔ جیسے بعض لوگ قیاس شرعی کو ایک عقلی دلیل سمجھ کر اس میں اشکالات کیا کرتے ہیں اس لیے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اجماع اور چیز ہے اتفاق رائے اور چیز ۔ جیسے کہ قیاس شرعی اور چیز ہے اور عقلی ڈھکوسلہ اور چیز ، قرآن شریف کی کسی آیت یا آیت کے کسی جز میں یا حدیث شریف کے متن یا اس کے کسی جز میں

جب ظاہر و باطن، وضوح وخفا، عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص، مشترک موؤل، ظاہر نص، مفسر، محکم، مطلق، مقید، عام وخاص، عام مخصوص البعض، غیر مخصوص البعض، معلولیت وعدم معلولیت، علت و مدار حکم علت، دلائل مداریت علت، مختلف طرق استنباط قوت وضعف اور مختلف احتمالات وقرائن وغیرہ وغیرہ کا ہجوم ہو جائے کوئی ایک شئ معین نہ ہو پائے تو اس وقت کے علمائے دین علم وعمل کے آفتاب تقوٰی وطہارت کے امام، اجتہاد فی الاصول یا فی الفروع کے مدار الہام تمام علوم مقدمات وضروریات واصول وفروع کے ماہرین متفق ہو کر کسی ایک شئ کو راجح ومتعین کریں اجماع وہ ہے۔ اسی لیے جس مسئلہ میں کوئی صریح آیت یا صحیح حدیث موجود ہو گی امور بالا کی متعدد صورتیں نہ ہوں گی اس میں اجماع کی ضرورت نہیں گو اس کے خلاف ایسا عالم تو کیا کوئی مسلمان بھی نہیں کرے گا اجماع خود بخود وہاں بھی حاصل ہے، اور کسی ایسے حکم کے خلاف نہ اجماع جائز ہے نہ معتبر نہ کبھی ہوا ہے نہ کبھی ہو سکتا ہے، اگر کسی کو ایسا خیال آئے تو وہ مردود ہے اس لیے اجماع، اتفاق آراء نہیں قرآن و حدیث کے مفہومات میں سے ایک کی تعیین ہے اسی لیے اس کا درجہ اتفاق رائے کا نہیں وہ دین کی ایک دلیل ہے اور اس کا انکار کرنے والا مسلمان نہیں رہتا بہت آیات واحادیث سے اس پر عمل کرنے کا فرض ہونا ثابت ہے جو اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان ہیں صرف ایک آیت لکھتا ہوں

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ — جو رسول اللہ کے خلاف کرے گا ہدایت
مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ — واضح ہو چکنے کے بعد اور مسلمانوں کے طریقہ

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ؕ	کے غیر کا اتباع کرے گا ہم اس کو اسی کا مختار بنا دیں گے جس کو اس نے اختیار کیا ہے اور اُسے جہنم میں ڈال دیں گے اور جہنم بُرا ٹھکانا ہے ۔

یہ تمام مسلمانوں کا طریقہ ہی اجماع ہے جس کے خلاف پر جہنم میں ڈالنے کو فرمایا جا رہا ہے ۔

(۸) شریعتِ مطہرہ کے مسائل کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید، حدیث اجماعِ اُمت اور قیاس شرعی ان چار دلیلوں میں سے کسی ایک کی ضرورت ہوتی ہے قرآن شریف ہی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ چار دلیلیں حکم کو ثابت کرتی ہیں اصولِ فقہ کی کتابوں میں ان چاروں کا دلیلِ شرعی ہونا ثابت کیا گیا ہے لیکن ہر ایک مسئلہ کے لیے چاروں کا ہونا ضروری نہیں ثبوت کے لیے ایک بھی دلیل کافی ہوتی ہے یہ حسن اتفاق سمجھیے کہ اس مسئلہ پر قرآن مجید، حدیث شریف اور اجماعِ امت کی دلیلیں موجود ہیں جو اس وقت تک آپ کے سامنے پیش ہو چکی ہیں مگر قیاس شرعی - یا عقلی دلیل کی اول تو ضرورت باقی نہیں رہتی، دوسرے میراث کے مسائل جیسے کہ حصے میں آیات شریفہ کے لاتدرون (تم نہیں جان سکتے) لفظ سے اشارہ ہے کہ انسانی عقل و قیاس سے یہ سب مسائل بالا ہیں علماء امت نے اس فن کے مسئلوں میں قیاس وعقل کو دخیل نہیں قرار دیا اسی لیے اس میں اختلافات نہیں جو تھے وہ اجماع سے ختم ہو گئے یا مرجوح قرار پائے ۔

بالکل کھلی بات ہے کہ حقوق العباد کی تقسیم کہ جن کو شریعت میں بہت ہی اہمیت حاصل ہے جن کی فروگزاشت قیامت میں بھی بغیر صاحبِ حق کے معاف کیے معاف نہیں ہوتی، جن کی خلاف ورزی اور جن کے تلف کرنے پر سخت گناہ کی اور عذابات کی اطلاعیں دی گئی ہیں ان کی یہ تقسیم انسانی منصب سے اعلیٰ بات ہے اور پھر ان کی مقداریں مقرر کر کے تقسیم کرنا انسانی دسترس سے اونچی چیز ہے اس لیے قیاس و عقل کو یہاں راہ نہیں دی گئی۔

شیخ ابنِ حجر شافعی شارح بخاری کا قول ہے (فتح الباری ج ۱۲ - ص۴)

الاحکامُ تتلقی من المنصوصِ ومن القیاس و الفرائض لا تتلقی الا من النصوص۔	شرعی احکام نصوص اور قیاس سے حاصل کیے جاتے ہیں مگر علم فرائض کے احکام صرف نصوص ہی سے لیے جاتے ہیں۔

فقہ حنفی کی ممتاز کتاب درمختار میں ہے۔

لثبوتہ بالنص لا غیر	(کیونکہ یہ فن صرف نص ہی سے ثابت ہے اور کسی قیاس و عقل سے نہیں۔)

علامہ شامی کہتے ہیں۔ (ج ۵ - ص۲۱)

اراد بالنص ما یشمل الاجماع واحترز بہ عن القیاس فانہ لا یجری فی المواریث لانہ لا مجال	صاحب درمختار نے نص سے وہ مفہوم مراد لیا ہے جو اجماع کو بھی شامل ہے اور اس سے قیاس نکل گیا کیونکہ قیاس میراثوں میں نہیں چلتا وجہ یہ کہ مقدار وں

لہ فی المقدارات لخفاء وجہ الحکمۃ فی التخصیص بمقدار دون آخر۔

کی تعیین میں قیاس کو دخل نہیں اور یہ اس لیے کہ کہیں کوئی مقدار ہے کہیں کوئی ان کی حکمتیں دقیق ہیں۔

شرعی قیاس جو عقلی دلیلوں سے زمین آسمان کا تفاوت رکھتا ہے ان مسئلوں میں اس کا بھی دخل نہیں حالانکہ قیاس شرعی یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے صریح حکم میں اس حکم کی وہ علت معلوم کی جائے جس پر حکم کا مدار ہے اور وہ یا کسی آیت یا حدیث سے ہی معلوم ہو جائے یا مجتہد اپنے اجتہاد سے اس کو معلوم کرے لیکن اجتہادی علت جب معتبر ہو گی جب اس کا علت اور مدار حکم ہونا اس مسئلہ کے علاوہ کہیں اور بھی ثابت ہو چکے اب یہ علت جہاں ایسی جگہ پائی جائے گی جس کا حکم صراحت سے قرآن و حدیث میں نہیں آیا ہو وہاں علت کی وجہ سے وہی حکم ثابت کیا جائے گا جو نص کا حکم تھا۔ یہ ہے قیاس شرعی جو خود نص قرآنی کی ہی تعبیر اور اس کی تعمیم ہوتی ہے لیکن میراث کے مسائل میں فقہائے امت نے اس کو بھی دخل نہیں دیا۔ کیونکہ حقوق العباد کی یہ مقداریں اس قدر اہم ہیں کہ ان کے لیے یہ شرعی قیاس کی دلیل بھی کافی نہیں شمار کی گئی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سعد بن ربیع کی میراث کو پوچھا گیا تو اپنی رائے اور اجتہاد سے جواب نہیں دیا وحی کا انتظار فرمایا۔ جب للرجال نصیب آیت نازل ہوئی تو مال رکوا دیا جب یوصیکم اللہ آئی تو تقسیم فرمایا۔ ایسے ہی خلفاء اور صحابہ نے ہمیشہ کیا اگر حدیث معلوم نہ ہوئی تو دوسروں سے پوچھی عقل سے حکم نہیں دیا۔

لیکن ہماری قسمت دیکھیے کہ اس چودھویں صدی میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں کہ وہ اپنی فریب خوردہ، یورپ زدہ، علوم شرعیہ سے ناواقف تقوٰی و طہارت سے دور خواہشات نفس میں محصور برائے نام عقل کو دخل دیتے ہیں اور دخل بھی اتنا کہ قرآنِ مجید کے حکم کے خلاف حدیث شریف کے خلاف اجماع امت کے خلاف لیکن ان کا جواب خود قرآنِ مجید نے دیا ہے أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ (کیا جب بھی لاتے ہیں رسول تمہارے پاس ایسا حکم کہ تمہارے نفس اس کو نہیں چاہتے تو تم اس سے تکبر کرتے ہو پھر ایک گروہ کو جھوٹا بتاتے ہو اور ایک کو قتل کرتے ہو) اس آیت شریف کو بار بار پڑھیے اور خدا پرستی کو چھوڑ کر عقل پرستی کرنے والوں کی شرک جیسی حرکت کو دیکھیے اور اس مسئلہ پر نظر کیجیے۔

اس مسئلے کے لیے نہ عقلی دلیل کی ضرورت نہ اس کا یہاں کوئی درجہ ہے مگر ہمارا مقدر کہ بہت لوگوں نے بجائے خدا پرستی کے عقل پرستی کا ایک شرک سا اختیار کر رکھا ہے اور جب تک عقلی دلیلیں نہ ہوں اُن کا معز در سر خم نہیں ہو سکتا، یورپ کا جادو اس قدر چل رہا ہے کہ اب عقل ہی عقل بہت لوگوں کے یہاں دلیل رہ گئی ہے، لہذا مسئلہ کے اثبات کے لیے نہیں صرف ان لوگوں کی تسکین قلب کے لیے اس مسئلہ پر کچھ عقلی گفتگو بھی کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس کے خلاف کہنا عقل سلیم کے بھی خلاف ہے۔ اور یہ عقل پرست اس لائن میں بھی کورے ہی ثابت ہوتے ہیں۔

میراث کے احکام کا مدار ان کے دائمی ہونے کی وجہ سے دائمی تعلق پر

ہے یعنی فطری تعلق جس کا اشارہ ۵ کی آیت میں گذر چکا ہے اب آپ خود غور کر کے اپنے دل سے معلوم کر لیجیے کہ میت کا فطری تعلق بیٹے سے زیادہ ہے یا پوتے سے اور بھائی کا فطری تعلق بھائی سے زیادہ ہے یا بھتیجے سے اور اس کے بعد یہ نتیجہ نکال لیجیے کہ اس کے خلاف کہنے والا یا تو معیار لا تدرون ایھم اقرب کا منکر ہے یا وہ تعلق فطرت کا منکر ہے۔

(۹) مرنے والا اپنی تمام املاک کا مالک اور ہر قسم کے تصرفات کا مختار تھا بیع، ہبہ، وصیت، رہن وغیرہ کر سکتا تھا کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا اگر وہ پوتے کے آوارہ و اوباش ہونے کی وجہ سے اس سے ناراض اور بیٹے کے سعادتمند ہونے کی وجہ سے خوش تھا بیٹے کو ہی سب کچھ دینا چاہتا تھا اور شریعت سے بھی اس کا حق تھا اس اطمینان پر کوئی نیا انتظام نہیں کیا اور مر گیا تو اب زبردستی مالک کی منشا کے خلاف شریعت کے حکم کے خلاف اس کے کل مال سے آدھا اور بیٹی ہو تو دو تہائی چھین چھین کر خود مرحوم کے ستانے والے کو دیدیا جائے۔ اس جبر و ظلم کا اختیار کس کو ہو سکتا ہے

(۱۰) زید اپنے پوتے کو اگر دینا چاہتا تو ہبہ کر کے بھی دے سکتا تھا اور حدیث شریف لا وصیۃ لوارث (وارث کے لیے وصیت نہیں) کی بنا پر چونکہ یہ شرعاً وارث نہ تھا اس کے لئے، وصیت جائز ہے ایک تہائی تک ترکہ کی وصیت تو بہرصورت کر سکتا تھا اور کل کی وصیت بھی کی جا سکتی تھی اگر دوسرے وارث بالغ ہوتے ہیں اور زید کے مرنے پر اس کو جائز رکھتے ہیں تو کل بھی مل سکتا تھا جب زید نے اس کو اس طرح دینا نہیں چاہا تو اب اس کے بیٹے کے حق سے نکال کر اس کو دینا کس کا منصب ہے لوگوں کے مال میں ان کی

مرضی و منشا کے خلاف اور حکم الٰہی کے خلاف تصرف اور کاٹ تراش کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ یہ تو اچھا خاصا ڈاکہ ڈالنا ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کو وارث قرار دینا حدیث شریف کے حکم کی بنا پر اس کو وصیت سے محروم کر دینا ہے۔ اگر زید کے دس بیٹے تھے اور گیارھواں پوتا اور گیارہ ہزار کا مال ہے تو وصیت میں تو اس کو کل بشرط منظوری ورثہ اور ساڑھے تین ہزار سے زائد نامنظوری پر بھی مل سکتا ہے اور وارث بن جانے پر صرف ایک ہزار مل سکتا ہے، دادا وصیت کر کے دینا چاہے تو بھی زیادہ نہیں دے سکتا اگر ان لوگوں کی بات کو مانا جائے تو یہ ایسی یتیم پروری ہو گی کہ کل یا $\frac{1}{3}$ کے بجائے صرف $\frac{1}{11}$ دلوایا جائے گا اور خلاف حکم الٰہی کر کے عذاب مول لیا جائے گا جس میں دینے والے بھی لینے والے بھی مبتلا ہوں گے۔

(۱۱) ہو سکتا ہے کہ زید کی پہلی بیوی بڑی مالدار ہو، زبردست جائداد کی مالک ہو اور کل کی کل بیٹے کو دے گئی بیٹے نے خود بھی بڑا کاروبار کیا خوب پھلا پھولا اور مر گیا تو زید نے حصہ نہ لیا اور سب کا سب پوتے کو مل گیا تھا اب غریب زید کی دوسری غریب بیوی کا بیٹا ہے کہ زید مرتا ہے معمولی سا ترکہ چھوڑتا ہے تو اس غریب سے پھر آدھا چھین کر اس رئیس پوتے کے حوالہ کر دیں۔ اور غریب بیٹا اپنے باپ کے تھوڑے سے ترکہ میں سے بھی آدھے سے محروم کر دیا گیا اور زر زمی کشنہ پوتے کے لیے ثابت ہو گیا۔ یہ بڑی عقل کی بات ہو گی اور بڑی یتیم پروری ہو گی بڑا انصاف ہو گا کہ باپ بھی گیا اور خود اپنے ہی باپ کا آدھا مال بھی گیا اللہ رسول نے باپ کا پورا ترکہ دلوایا تھا اچھا

پاکستان ہوگا کہ غریب کے حلق سے نکال کر امیر کی تجوری بھر دی اللہ کا حکم توڑ دیا" مرے کو مارے شاہ مدار"۔

(۱۲) اگر زید نے بڑے بیٹے کی تعلیم، تربیت، بیاہ شادی اور کاروبار کی مدوں میں ہزاروں کا خرچ کیا تھا اس کے مرنے پر اس کے دیدینے سے اس کا کل ترکہ اس کے پوتے کا ہوگیا زید کا دوسرا بیٹا کم سن ہے اس کے لیے اندوختہ کیا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا اب اس اندوختہ میں سے اس بیٹے کے بیٹے کو جس پر ہزاروں روپیہ خرچ کر چکا تھا اور اس کے ترکہ کا اپنا حصہ بھی اسی کو دے چکا تھا اور وہ خود رئیس اور رئیس زادہ ہے زید کے مرنے پر آدھا حصہ لے کر پوتے کو دیا جائے اور اس کم سن یتیم بے کس بے بس بچہ کو بے تعلیم و تربیت چھوڑ دیا جائے تو کیا اچھا انصاف ہوگا کیسی یتیم پروری ہوگی اللہ رسولؐ کے حکم کے خلاف خود اسی کے باپ کا مال یتیم کے حلق سے نکال نکال کر ایک امیرزادہ کو آدھا دیا جائے گا، کیا یہی پاکستانی انصاف ہوگا۔

(۱۳) اگر زید کے سب بڑے بیٹے مستقل کاروبار والے تھے خرید کردہ بڑی بڑی جائدادوں کے مالک تھے سب مر چکے زید نے اپنا حصہ پوتوں کے حق میں چھوڑ دیا اب تقریباً بیس عدد پوتے پڑپوتے باقی ہیں جو اپنے باپوں کی ریاستوں پر قابض ہیں لاکھوں کی املاک کے مالک ہیں اور زید کا آخری عمر کا ایک چھوٹا سا لڑکا ہے کہ زید انتقال کر جاتا ہے اب یہ یتیم بے یار و مددگار بچہ ہے جس کو اپنے باپ کا کچھ ترکہ مل جاتا ہے۔ اس ترکہ میں سے بیس حصے مال اس کے حلق میں انگلیاں ڈال ڈال کر چھین لیا جائے۔ اور اس

کے اپنے باپ کے مال سے صرف ۱/۲ مل سکے۔ کیا عمدہ قانون ہوگا، ایک یتیم پر کیسا رحم ہوگا اور جن کو حرام کھلایا جائے گا اُن کی کیسی ہمدردی ہوگی۔

(۱۴) کیبنٹ، اسمبلی اور کونسل کی صرف اکثریت کا پاس کیا ہوا قانون سب کے لیے واجب العمل ہو اس کے خلاف کہنے اور کرنے والا مجرم اور سزا دار کا مستحق ہو مگر اللہ، رسول کے ارشادات اور پونے چودہ سو سال سے تمام مسلمانوں کا اجماع اور آج بھی تقریباً پچاس کروڑ مسلمانوں کا مذہبی اصول اسمبلی ہال میں ناقابلِ قبول ہو صرف ان تحریف قرآن کرنے والے دیوانوں کی بڑ سے اسمبلی کے ممبر اور بہت سے مسلمان شک میں پڑ جائیں حیرت در حیرت ہے اگر بین الاقوامی اصول پر ہی ایمان ہے اور اکثریت پر ہی مدار ہوتا ہے تو اول سے اس وقت تک کے سارے مسلمان جن کے شمار کے لیے کوئی عدد بھی کسی زمانے میں نہیں مل سکتا ان کی اکثریت بھی نہیں بالکل اتفاق آخر معدودے چند کے مقابل کیوں اس قانون کو اٹل نہیں بناتا یہ کیا ماجرا ہے کہ یہاں یہ یورپی آسمان کا اصول بھی بالائے طاق ہے یہ تو اسی یورپ کا اصول ہے جس کی پرستش میں خدا اور رسول کے قوانین کو درخورِ اعتنا نہیں کہا جاتا۔ وہ مایۂ ناز عقل یہاں کہاں چلی جاتی ہے جس کا غرور ہر چیز کو ہیچ قرار دیتا ہے۔

(۱۵) میراث کے باب میں دو لائنیں ہیں، ایک تو وارث ہونے والوں کی ایک میتوں کی، حرص و لالچ کی دنیا کا ہر فرد تو یہ چاہا ہی کرتا ہے کہ اس کو اس کا بھی ترکہ مل جائے اس کا بھی مل جائے "مگر پھر بھی" کا سدِ سکندر حائل ہے۔ ل پڑنے پر حرص اتنی بڑھ رہی ہے اور خصوصاً آج کل کہ لوگ حرام و حلال کی بھی

تمیز نہیں رکھتے اسی کا اثر یہ ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں کے سامنے کوئی شخص ایسی بات کہہ دے گا جس سے ان کے جام حرص میں اور چند قطرے پڑ جائیں گے تو ان کے دل کو وہی بات بھا جائے گی۔ چاہے وہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو جذبات حرص کے موافق ہونے سے پسند وہی آئے گی وہی دل میں جمے گی اور دوسری بات جو ان کے جذبات کو کچلنے والی ہو کسی طرح بھی پسند نہ آئے گی۔ بلکہ طرح طرح کی تاویلیں تحریفیں اور آنے بہانے سوجھتے رہیں گے مگر بعض حرص کے پتلے ایسے بھی ہیں کہ خود ان کو چاہیے نہ ملتا ہو ملنے والے دوستوں کے لیے ہی اپنے جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کرکے دو جہان کی تباہی مول لے لیتے ہیں۔ اب ان کی عقل کا ماتم کون کرے یتیمی و غریبی کو بہانہ بنایا جائے گا مگر یہ کوئی میراث ملنے کا سبب نہیں ہو سکتا یہ تو ایک عارضی بات ہے بالغ ہوتے ہی یتیمی ختم پیسہ ملتے ہی غریبی ختم پھر دائمی تقسیم میراث کا معیار نہیں بن سکتے اسی لیے شریعت میں ان پر مدار نہیں رکھا گیا ورنہ پھر تو ہر یتیم یا غریب کسی کی زمین کا وارث قرار دیا جاتا یا بالغ اور امیر ہوتے ہی اس سے سب چھن جاتا۔ ہر امیر کی اولاد ہمیشہ کو محروم ہو جاتی ہر بالغ ہمیشہ کو محروم رہتا۔

دوسری لائن ہے مرنے والے لوگ جو لوگ ان میں خود غرض ہیں وہ تو یہی چاہا کرتے ہیں کہ جو ان کی خدمت کرے فرمانبرداری کرے کما کما کر کھلائے سب مال ترکہ و میراث کا اس کو مل جائے چاہے وہ دور کا عزیز ہو یا پاس کا یا غیر مگر اس خود غرضی پر میراث کا مدار نہیں ہو سکتا کیونکہ میراث کوئی مزدوری تنخواہ یا کارکردگی کا معاوضہ نہیں ہے اور پھر عارضی کا معاوضہ دائمی ہو بھی نہیں سکتا اور جو

لوگ تعلق اور محبت والے ہیں وہ اس محبت کا صلہ دینا چاہتے ہیں اور جس سے محبت کسی وجہ سے نہ ہی اس کو محروم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر کسی کو دوست متبنّٰی یا منہ بولا عزیز قرار دے لیا تو اس کو دینا چاہتے ہیں لیکن اگر حقیقت پسند نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات بھی ایک عارضی بات ہے آج ہے کل نہیں، دائمی اور خلقی بات نہیں اس لیے یہ بھی اس قابل نہیں کہ اس کے واسطے کوئی قانون بن سکے اور میراث اور ترکہ کی دائمی و مستقل قانونی حیثیت کا اس کو مدار دے دیا جائے۔ اس کی مکافات تو اسی سے ہونی چاہیے کہ خود کوئی امداد کر دے یا کچھ تھوڑے سے مال کی وصیت کر دے۔ اب رہ گئی قرابت تو سارے انسان حضرت آدم و حوّا علیہما السلام کی اولاد سب سے سب قرابت دار ہیں سب کو تقسیم کیا جائے تو ایک ایک پائی بھی کسی کو نہ مل سکے اس لیے قطعاً یہ بھی میراث کا سبب ہونے کے لائق نہیں۔

ہاں میراث کا دار و مدار تو وہ بات ہونی چاہیے جو ایک ابدی طریقہ ہو اور بلا کسی معاوضہ کے ہو اور اس کو اجنبی لوگوں اور دور دراز کے علاقوں سے ممتاز کر دے اور وہ لوگ اس کے لیے دنیا میں بھی اگر سلامتی طبع ہو تو کار آمد ہوں اور آخرت میں بھی کار آمد ہوں، یہ بات سوائے اس کے اور کسی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتی کہ میراث کا مدار خلقی ابدی اور قریبی تعلق پر ہو جو سلامتی طبع کے ساتھ دو جہان میں کار آمد ہو تاکہ کسی کے خون پسینہ کی کمائی مفت بلا معاوضہ ہمیشہ کے لیے کسی کو نہ مل سکے بجز اس کے جو ہمیشہ کے لیے اس کا ہو اور سب سے بڑھ کر اس کا ہو اور یہ بات خلقی طریقہ سے جس طرح بیٹے کو میسر

ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے پوتے کو حاصل نہیں۔ بیٹے کا وجود صرف اس سے ہے اس کی تربیت صرف اس سے ہے اس کا مسلمان اور ایمان والا ہونا صرف اس سے ہے اس کا راحت و آرام صرف اس سے ہے اس کے ہر برے بھلے کا رجوع صرف اس کی طرف ہے اس کی نابالغی کے نیک کاموں کا اجر صرف اس کے لیے ہے اس کی راحت کوشی کا فرض جس قدر اس کے لیے ہے دوسرے کے لیے نہیں۔ باپ پھر باپ ہے اور دادا پھر دادا بیٹا پھر بیٹا ہے اور پوتا پھر پوتا۔ بیٹے کے برابر پوتے کو کر دینا کسی عقل سے خارج ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اپنے دلوں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھ لیا جائے کہ جتنا تعلق باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ سے ہے دادا کو پوتے سے اور پوتے کو دادا سے نہیں ہے۔ ہاں اس کا کوئی بھی اگر بیٹا زندہ نہ ہو تو یہ تعلق جو دادا پوتے کا تھا اب اس وجہ سے کہ پدری شفقتوں کا کوئی مصرف اس نوع کا بالکل ہی نہیں رہا ان میں مل کر یہ تعلق قوی ہو جاتا ہے اب وہی بیٹے کے نہ ہونے کی وجہ سے بیٹا بن جاتا ہے۔ یہی فطری تقاضا ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کو بیٹا نہ قرار دیا جائے ہاں کوئی بیٹا نہ ہو تو پوتا ہی پھر بیٹا بن جائے اسی کو بیٹے کی طرح میراث۔ یہ ہی شرعی حکم ہے اگر نقل صحیح نہ ہو تو یہ صاف اور سیدھی بات ہے۔ بات کوئی دور کی نہیں ہر وقت ہر شخص اس پر غور کر کے نتیجہ نکال سکتا ہے مگر یورپی عینک اتار کر۔

(۱۹) کہا جا سکتا ہے اور کہا جا رہا ہے اور کہا جائے گا کہ آخر فقہائے کرام معصوم تو نہیں ہیں کیا ان سے غلطی ممکن نہیں ہے تو کیا یہ ہو نہیں سکتا کہ ان

کو غلطی لگ گئی ہو۔

بظاہر بات وزن دار معلوم ہوتی ہے اور سیدھے سادے لوگوں کے دلوں پر اس ہتھیار سے فتح حاصل کی جا سکتی ہے لیکن اگر اس کے مقابلہ میں اس پر غور کر لیا جائے کہ یہ صاحب جن میں اصل تو فقط ایک ہی شخص ہے اور باقی سب اسی کی تقلید میں خدائی احکام میں غور کیے بغیر چل رہے ہیں یا سب کے سب مستقل بھی یہی خیال رکھتے ہوں تو پھر بھی گنے چنے دو چار شخص ہیں۔ کیا یہ معصوم ہیں کہ ان کو غلطی نہیں لگ سکتی، کیا ان کی سمجھ لوح محفوظ ہے کہ اس سے کوئی چیز رہ نہیں سکتی بالکل وہی بات اس طرف بھی جاری کر کے دیکھیے، اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو سننے والوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ ساری امت کے خلاف میں بھی ان کی بات کو مانا جاتا ہے تو شاید ان کو آپ نے کوئی ایسا درجہ دے رکھا ہے جس کو ایمان کسی طرح برداشت یا گوارا نہیں کر سکتا۔ اب ذرا غلطی لگنے یا نہ لگنے کے اسباب و قرائن پر بھی غور کر لیجیے کہ کہاں کہاں غلطی گمراہی دھوکہ بازی کم فہمی پراپیگنڈا اور تحریف قرآن کے احتمالات غالب ہیں اور کہاں مغلوب یا معدوم۔

(الف) یہ کیبنٹ، اسمبلی، کونسل اور ہر میٹنگ میں فیصلہ کا مدار اکثریت پر کیوں رکھا جاتا ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ اکثریت غلطی پر ہو اور صرف ایک یا چند خلاف کرنے والے ہی صحیح راہ پر ہوں اور وہ ایک دو اگر یہ کہہ دیں کہ ان اکثر کو غلطی لگ گئی ہے اور باوجود طول طویل بحثوں اور دلائل کے بھی کوئی اتفاق نہیں ہوتا دونوں طرف دلائل بھی ہیں اور ہر پارٹی

اپنی دلیلوں کو دوسری سے قوی سمجھتی ہے اور دوسرے کو غلطی پر یقین کرتی ہے لیکن اقلیت یہ کہدے کہ ان سب کو غلطی لگ گئی ہے تو لوگ اس کو کیوں نہیں مانتے اور یہ کیا ہے کہ ساری کی ساری دنیا ہے کہ اکثریت پر فیصلہ کر رہی ہے۔ کیا محض اس لیے نہیں کہ خود اکثریت ہونا اس کی دلیل ہے کہ غلطی کا احتمال ان میں نہیں ہے یا کم ہے اور اقلیت میں غلطی کا احتمال غالب یا یقینی ہے۔

ساری حکومتوں کے اس اصول پر یہاں عمل کیوں نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر کیونکہ یہاں تو کثریت ایسی اکثریت ہے کہ اقلیت کسی شمار ہی میں نہیں۔ چونکہ چودہ سو سال کے مسلمان سب کے سب اور خود اس وقت کے تقریباً پچاس کروڑ مسلمان اتفاق کے ساتھ ایک طرف اور یہ ایک شخص تنہا یا مع چند کے جو آنکھ بند کر کے اس کے پیچھے ہو لینے والے ہیں ایک طرف۔ وہاں تو اقلیت ہونا بھی غلطی کی دلیل تھی یہاں درجہ صفر میں ہونا بھی غلطی کی دلیل نہیں یہ کیسی معقول بات ہے۔

یہ تو ایسا ہو گیا کہ جیسے آج چار پانچ آدمی مل کر یہ کہدیں کہ دلی سے بمبئی کو کوئی گاڑی نہیں جاتی اب سب آنے جانے والے کہتے رہیں کہ نہیں جاتی ہے ہم خود گئے ہیں ہم نے دیکھا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ تم سب کو غلطی لگ رہی ہے وہ بھوپال کی گاڑی ہے بمبئی کی نہیں کچھ لوگ لے جا کر دکھانے کو بھی تیار ہیں ہزاروں چشمدید بیان بھی کر رہے ہیں مگر وہ یہی ایک رٹ لگائے جاتا ہے اور ان ناواقف لوگوں کے سامنے جو اپنے گاؤں سے کبھی باہر نہیں گئے کبھی انہوں نے کوئی نقشہ یا ٹائم ٹیبل نہیں دیکھا یہ کہے چلا جائے تو کیا کسی کو تردد بھی ہو سکے گا اور کیا

پڑھے لکھے لوگ اس دامِ فریب میں پھنس جائیں گے۔

اور اگر واقعی کچھ لوگ اس جال میں پھنس جائیں گے تو آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ ان لوگوں کو اور ان کے جال میں پھنس جانے والوں کو آپ کیا سمجھیں گے تو پھر کیا اس سمجھ سے آپ یہاں کام نہیں لینا چاہتے۔

(ب) آگرہ کے تاج محل کے متعلق جب سے وہ تعمیر ہوا ہے آج تک تمام بڑے بڑے انجینیر جو اس فن میں کمال رکھتے رہے ہیں اور اپنی عمریں اسی فن کی تحصیل میں اور ہمیشہ سے اسی فن کے نکتوں میں صرف کر چکے ہیں ایک بے مثال عمارت بتاتے چلے آرہے ہیں لیکن ایک یا دو چار وہ لوگ جن کی تمام عمر تو گھاس کھودنے میں صرف ہوئی صرف دو چار دن کسی معمار کے پاس مزدوری کر لی ہے وہ مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ یہ سب بالکل غلطی پر ہیں یہ کوئی بھی سمجھ نہیں رکھتے سب نے اس کو غلط سمجھا ہے یہ عمارت بالکل قاعدہ کے خلاف ہے قاعدہ ایسے ہے اور ایسے ہے۔ تو بتائیے آخر آپ اس کی بات کا کیا درجہ قرار دیں گے اور اس کو کیسا آدمی سمجھیں گے۔ آخر یہاں آپ کیوں سب کو غلطی لگنے کے قائل نہیں ہوتے اور اس دیہقانی کی بات کو سب سے بڑھ کر کیوں قرار نہیں دیتے آخر وہ لوگ بھی تو معصوم نہ تھے۔ جب عقل سلیم ماہرین اور پھر تمام ماہرین کے مقابلہ میں ناواقف دیہقانی کی بات کو غلط اور دیوانہ پن قرار دیتی ہے تو وہی عقل سلیم دین کے بارے میں کیوں بے دست و پا ہو کر رہ جاتی ہے کیوں اسی اصول سے کام لے کر ماہرین کے اتفاق کے سامنے دینی علوم کے دیہقانیوں کی بات کو وہ درجہ نہیں دیتے جو انجینیروں کے مقابلہ میں دیا ہے، معلوم نہیں

عقل پر یہاں کیوں پردہ پڑ جاتا ہے۔

آخر جب تمام صحابہ رض، تابعین، ائمہ مجتہدین، اولیاء، اقطاب، بزرگ علماء، صلحا، دیندار، دینی علوم کے ماہر، تقویٰ، طہارت، امانت، دیانت، ایمانداری میں یکتا و بے مثل آج سے نہیں صدیوں سے اپنی ساری عمریں دین کی ایک ایک بات کی تحقیق تفتیش میں صرف کر دینے والے اسی کام میں لگے رہنے والے ہمیشہ سے کہتے آ رہے ہیں دلائل سے شواہد سے، قرآن سے، حدیث سے ثابت کرتے آ رہے ہیں کہ پوتے کو بیٹے کے ہوتے اور بھتیجے کو بھائی کے ہوتے حصہ کبھی نہیں مل سکتا۔ میراث کا قانون الٰہی یہی ہے عقل سلیم کے بالکل موافق بھی ہے مگر ایک یا دو چار وہ لوگ جن کی ساری عمر یورپ کے بس خوردہ کے ریزے بٹورنے میں صرف ہوئی انگریز کی نقالی کو عمر بھر کی کمائی بنائے رکھا کہیں سے دو چار حرف عربی کے سیکھ لیے تو آج کہنے لگے کہ سب سے پہلے ان کو قرآن کی سمجھ ہی حاصل نہیں ہوئی، تو نوں تو یہ بات وہ سنتے ان کو ایسے کیسے ہم اور آنکھوں بند رکھ لیتے ہیں یہ کہاں کی عقل ہے جو بات ایک جاہل سے جاہل بھی نہیں کر سکتا وہ آج بڑے بڑے ہوشمند کرتے نظر آتے ہیں آخر ماجرا کیا ہے۔

(سوم) دین کا ہر مسئلہ عذاب و ثواب کا مدار ہے، نجات و گمراہی کا مدار ہے امت اور خیر امت کے اہل علم حضرات نے جس قدر جان کاہی سے ایک ایک چیز کی تحقیق و تفتیش کی ہے لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تمہارے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اچھا

طریقہ ہے) حکم الٰہی پر عمل کرنے کے لیے اس قدر تحقیقات کی اس قدر احکام اور حالات ضبط کیے کہ دنیا کی کوئی قوم اپنے کسی بڑے کے یا کوئی مذہب اپنے نبی کے اس قدر حالات کا ذخیرہ نہیں رکھتا ایک ایک حدیث یعنی حضورؐ کے ارشاد کو معلوم کرنے کے لیے سفر کیے، وہ بھی ریل، کار یا ہوائی جہاز کے نہیں پیدل یا اونٹوں پر اور عیش و آرام کے ساز و سامان کے ساتھ نہیں فقر و فاقہ تنگی اور مشقت سے یہاں تک کہ وضو غسل نماز، روزہ حج، زکوٰۃ، نوافل وغیرہ وغیرہ کی باریک سے باریک حالت کی تحقیق کی اور ہم لوگوں تک اس کو پہنچایا، قرآن مجید کے کسی لفظ کے سمجھنے میں ذرا بھی تردد ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب رہنے والوں اور کثرت سے حاضر باش بزرگوں سے تحقیق کی، چاند یا سورج گہن ہوا تو لوگ کھیت باغ چھوڑ کر حضورؐ کا عمل دیکھنے آ گئے ۔ دین کا عشق تھا علم و عمل کا بے پناہ جذبہ تھا جس کے شواہد احادیث و روایات میں برابر مل رہے ہیں وہ ایک ایک بات پر جان جان کی بازی لگاتے تھے ان کا نصب العین دین ہی دین تھا، دنیا کا ہر کام وہی کرتے تھے جس کے لیے دین میں ممانعت نہ ہو، مباحات کو نیک نیت کی طرف لاکر کرتے تھے آج کل کے گرفتاران دام یورپ کی طرح دین کو محض ایک تفریح یا عوام سے اپنا الّو سیدھا کرنے کا ذریعہ بنائے ہوئے نہ تھے، حرص لالچ اور مال و جاہ کی طلب کی ایسی جاں کاہ کوشش میں نہ تھے ان کی ایمانداری، دیانت داری، شوق دین، فکر آخرت، خشیت الٰہی، انتہائی بے مثال تھا، ان کے یہاں اور پھر ایک دو کے یہاں نہیں سب کے یہاں پھر ایک دو دن نہیں، سال دو سال نہیں، صدیوں

تک غلطی در غلطی میں مبتلا رہنا کون سی سبب ہو وہ عقل ہو گی جو جائز رکھ سکے گی اور ان کے مقابل ایسے لوگ جن کو دین سے برائے نام واسطہ ہے جنھوں نے یورپ کی تعلیمات رنگ ڈھنگ اور بود و باش کے ماحول میں تربیت پائی، خدا پرستی کے بجائے یورپ پرستی اور اس سے متاثرہ عقل کی عقل پرستی اختیار کی. علوم دینیہ سے تمام عمر بے بہرہ رہے عمل اور تقویٰ و طہارت سے متنفر، دینی باتوں کو ایک تفریحی مشغلہ یا عوام کی دینداری کو دیکھ کر اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہو یورپی ماحول سے مانوس و ماخوذ کے دلوں کی باتوں کے موافق قرآن میں تحریف کر کے ان کی دلنشین اور دلکش باتوں کی طرف قرآن کو جھکانے کے عادی ہوں، خوفِ الٰہی سے کوئی واسطہ نہ رکھتے ہوں تو ایسے لوگوں میں غلطی کا احتمال غالب ہے یا ان بزرگوں میں ذرا انصاف سے اور غور سے کام لے کر تو دیکھیے۔

(د) اس کے بعد یہ بھی سوچیے کہ کسی مسئلہ کو یہ کہہ دینا کہ دین میں یہ ضروری ہے اس کو خدا تعالیٰ کی طرف اور خدا کے رسول کی طرف نسبت دینا ہے ان کا ارشاد قرار دینا ہے اور جب تک اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام میں معتبر طریقہ سے نہ مل جائے ایسا کہنا اللہ رسول پر تہمت باندھنا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ
إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔
(سورۂ انعام رکوع ۳)

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے
جو اللہ پر جھوٹ تہمت باندھتا ہے یا
اللہ کی آیتوں کو جھوٹا کہتا ہے، ایسے ظالم
کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

اور حدیث شریف میں ہے -

من کذب علیّ متعمدًا	جو مجھ پہ جان بوجھ کر جھوٹ منسوب
فلیتبوء مقعدہ من النار	کرتا ہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ قرار دے

ایسے سخت احکام اور عذابوں کے اطلاع کے بعد وہ خوف و خشیت الٰہی کے مجسمے، تقویٰ و دیانت کے پہاڑ، عشق خدا و رسول میں دیوانہ وار کیا کسی حکم کے بیان میں اور پھر سب کے سب کوئی بے احتیاطی کر سکتے ہیں، یا آج کل کے یورپ مزاج صرف مذہب کا لیبل اپنے اوپر چپکا لینے والے کر سکتے ہیں۔

پھر ان سب سے یہ سوالات ہوتے یہی جوابات دیے اور بتایا کہ مقررہ سہامات کے بعد کل ترکہ عصبات میں سے سب سے قریب تر کے لیے ہے پھر جو سب سے قریب ہو اس کا ہے تو اگر خدائی حکم یہ نہ تھا تو خدائی حکم کا چھپا لینا ان کی طرف منسوب کرنا ہو گا اور ارشاد یہ ہے -

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا	ضرور ہے کہ جو لوگ چھپاتے ہیں اللہ
اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ	کے نازل کیے ہوئے کتاب کے احکام
بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا	اور اس کے بدلہ دنیا کا قلیل مال لیتے ہیں
یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ	وہ اپنے پیٹوں میں سوائے نارِ جہنم کے کچھ
وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا	نہیں بھرتے قیامت کے دن اللہ ان سے
یُزَکِّیْہِمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ	کلام نہ کرے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور
اَلِیْمٌ ۔ (بقرہ)	ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۔

کیا ان تمام صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین اولیاء اقطاب علماء، صلحاء نے

ساری عمر ایسی سخت وعید کے ہوتے اور پھر اپنے خوف خشیت، تقویٰ طہارت، عشق خدا اور رسول ؐ کے ہوتے العیاذ باللہ حکم الٰہی کو چھپایا ہے یا اس چودھویں صدی کے دھوکہ بازوں نے چھپایا اور دھوکہ دہی کی، اس پر آپ ہی خود غور کریں۔

(۵) اگر آپ کو کبھی محدثین و مفسرین اور فقہاء و علماء کی کتابوں کی سیر کا اتفاق ہوا ہو یا کسی جاننے والے سے یہ سنا ہو تو معلوم ہوگا کہ علمائے دین میں شروع سے آج تک صحابہؓ سے اس وقت تک کسی مرید نے پیر کو کسی شاگرد نے استاد کو کسی بعد والے صاحب حق و تحقیق نے پہلے کے بزرگ کو اگر غلطی تو غلطی ذراسی سے بے احتیاطی میں دیکھا یا سمجھا ہے کبھی درگزر سے کام نہیں لیا ادب و تہذیب کے ساتھ ان پر تنقید کر دی ہے اور ان کے بعد دوسرے نے ان کو حق پر پایا تو ان کی تائید کی ان کی بات حق ہوئی تو ان کی تصدیق کی ہے فن حدیث میں موضوعات پر کتابیں کی کتابیں لکھ دی ہیں۔ فن اسماء رجال میں کسی کی شخصیت اور ذات کو کبھی نہیں بخشا، مفسرین اور شراح حدیث میں بعد والوں نے پہلوں کے کلام کی تنقیدیں کیں دودھ کا دودھ پانی کا پانی نکال کر رکھا اور مجتہدین کے شاگردوں نے ان سے اختلاف کیا صرف راجح نہیں آج تک میں اختلاف کو نہیں چھوڑا۔ اصول میں اختلاف کیا، جزئیات مسائل میں اختلاف کیا پھر ان سب کے مجموعی کلام کو سامنے رکھ کر ترجیح و قوت دی گئی فتویٰ اور تقویٰ کے درجے الگ الگ قائم کیے گئے اس وقت فقہ مکمل سامنے آیا اور پھر آج تک تنقیدوں کا مگر پوری تنقید فرعونیت دماغ میں لے کر سب کو غلط اور اپنی ہی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد خواہ مخواہ الگ بنا کر نہیں ادب کے ساتھ سلسلہ جاری ہے جو مسائل خوب

متفق ہو گئے وہ الگ متفق علیہ ہیں جن میں دونوں جانب کی دلیلیں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ملتی ہیں ان میں پھر ترجیح اور افضل ہونے پر بحث چلی جس کو فضلیت کی تمام دلیلیں ایک میں ملیں ا ہی نے اس کو اختیار کر رکھا ہے اور دین ایسی ہی چیز ہے کہ اس میں کسی کی رو رعایت نہیں ہوتی۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حنفی درمیان نماز میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے، بسم اللہ اور آمین آواز سے نہیں کہتے، لیکن کوئی حنفی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر کوئی ہاتھ اُٹھا کر یا بلند آواز سے بسم اللہ یا آمین کہہ کر نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ شوافع ایسا کرتے ہیں مگر کوئی شافعی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر ہاتھ نہ اُٹھائے آواز سے بسم اللہ اور آمین نہ کہی تو اس کی نماز باطل ہو گئی، یہ سب کیوں ہے اس لیے کہ دونوں باتیں دلیلوں سے ثابت ہیں، نہ ان کے دلائل کا انکار ہو سکتا ہے نہ رد ہو سکے، مگر جنہوں نے ترجیح ایک کو دی ہے اس ترجیح کی وجوہات پر دوسروں نے بحثیں کیں انہوں نے تنقیدیں پیش کیں تائیدیں لائے اعتراض کیے جواب پائے مگر جس نے جس ترجیح کو قوی قرار دیا اس پر عمل کیا غلطی تو غلطی صرف ترجیح پر بھی کسی کو نہیں بخشا یہ مسائل کا اختلاف اسی لیے تو ہے اور قدیم عقل پرست گروہ معتزلہ اور دوسرے گروہ جبریہ قدریہ اور بالکل اصول سے نکل جانے والے گروہ مجسمہ فلاسفہ ملحدین کو کسی نے نہیں چھوڑا اب ان دھوکہ بازوں کے پروپیگنڈہ سے یہ کیسے عقل میں آنے لگا ہے کہ پوتے کی میراث میں اگر غلطی نعوذ باللہ صحابہ کے زمانہ میں ہو گئی وہ آج تک غلط در غلط نقل چلی آتی ہے کسی نے اس پر تنقید نہیں کی اور باوجود دینی بات عذاب و ثواب کا دار و مدار اور پھر

حقوق العباد ہونے کے بھی ساری امت میں چودہ سو سال تک کسی نے کبھی آنکھ کھول کر نہیں دیکھا صرف آج ایک تنہا واحد شخص کی آنکھ سے اس کی حقیقت نظر آتی ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی سے یہ غلطی ہوتی تو یہ علما جو مستحبات وسنن کی ترجیحات کو بھی نہیں بخشتے کیسے چھوڑ سکتے تھے، کیسے غلطی کا اتباع کر سکتے تھے آخر غلطی والوں کی غلطیاں کیسے نکال کر رکھ دی ہیں، گمراہ فرقوں، باطل مدعیوں کی قلعی کیسے کھول دی، اگر ایسے ہی سب آنکھیں بند کیے ہوئے تھے تو ان کی غلطیاں کیوں نکالیں مستحبات تک میں کیسے اختلاف کیا، دیکھیے تو سہی یہ عام مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کیسا دھوکہ دیا جا رہا ہے۔

بھینگا شخص کہہ سکتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز دو دو ہیں مگر ساری دنیا اندھی ہے کہ ایک ایک سمجھ رہی ہے، یہ سب کے سب غلطی میں مبتلا ہیں تو آپ اس کو کیا قرار دینگے کیا سب کو اندھا قرار دینگے یا اس کو بھینگا۔ لیکن ادھر یہ ہو رہا ہے کہ "طلوع اسلام" نام ادارہ جو غروب کا کام کر رہا ہے اپنی تحریفی بے اصل نرالی عقلی اپج کے لیے دنیا بھر میں ڈھول پیٹ رہا ہے کہ "یہ ہے قرآن کا قانون" باقی ساری دنیا غلط کہتی ہے اور لوگ ہیں کہ تردد میں پڑنے لگے۔

(۹) میراث کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور پھر ایسا ہے کہ ایک دو شخص کے حق پر اس سے اثر نہیں پڑتا لاکھوں کروڑوں کے حقوق پر اثر پڑتا ہے، پھر دو چار بیسوں یا دو بیوں پر ہی اثر نہیں پڑتا بڑی بڑی جائدادوں پر ریاستوں پر سلطنتوں پر اثر پڑتا ہے اور حقوق العباد کو اللہ رسول نے وہ اہمیت دی ہے کہ آپ سب جانتے ہیں کہ قیامت میں صاحب حق معاف

کرے گا تو معاف ہوں گے خود اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائیں گے، اور ایک بالشت زمین کوئی کسی کی چھین لے گا یا چھین دے گا تو ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈال کر عذاب دیا جائے گا۔ اور جو کسی کی میراث قطع کرے گا جنت میں اس کی میراث قطع فرمائی جائے گی۔ اب آپ کس طرح باور کرسکتے ہیں کہ ایسی وعیدوں کے ہوتے خوف وخشیت تقویٰ و طہارت ایمان و دیانت عشق الٰہی وحب رسولؐ رکھنے والے لوگ کس طرح ایسے زبردست مسئلہ میں غلطی کرکے آنکھیں بند کیے ہوئے چلے آسکتے ہیں اور صرف ایک شخص اسے صحیح سمجھتا ہے یہ خود اس کی صاف دلیل ہے کہ یہ مدعی غلطی پر ہے اور وہ سب حق پر۔

(۳) ہر گورنمنٹ کے قانون کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں، انگریزی میں بھی ہیں اردو میں بھی ہیں، ہر پڑھ سکنے والا ان کو پڑھ سکتا ہے مگر جب ایک عامی آدمی کسی قانون کا مطلب ایک بتائے اور وہ بھی غرضمند، اور سارے وکلاء بیرسٹر ایک مطلب بتائیں تو آپ کسے صحیح سمجھیں گے اور کیا یہ اصول آپ یہاں جاری نہیں کرسکتے۔

(۴) قرآن مجید کے الفاظ کا مطلب ہر ہر صریح واشارہ کا مفہوم اور حکم الٰہی کا منشا پورا اور صحیح سمجھنے والا کون ہوسکتا ہے کیا خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم جن کے لیے حق تعالیٰ کا خود وعدہ ہے ثم ان علینا بیانہ (پھر ہمارے ذمہ ہے قرآن کا بیان) اور حضورؐ کا بیان کیا ہوا مفہوم ۵ میں ایک حدیث شریف سے پیش کردیا ہے ظاہر ہے کہ قرآن کا بیان قرآن کے علاوہ ہے ورنہ اگر دوسری آیت کو اس کا بیان کہا جائے تو وہ بھی تو قرآن ہے اور قرآن کا بیان

اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ کہاں ہے ایسے ہی جس آیت کو کہا جائے گا وہ بھی قرآن ہوگا تو لامحالہ قرآن کے علاوہ کوئی بیان ہونا ضروری ہے جو حضور کو الگ سے حاصل ہوگا۔ وہی آج حدیث کے نام سے لوگوں کے سامنے آرہا ہے۔ (حدیث کے حجت ہونے پر رسالہ انوار العلوم جامعہ اشرفیہ لاہور میں مفصل مضمون شائع ہوچکا ہے جو علیحدہ بھی طبع ہوا ہے) اور پھر وہ حضرات نہ یاد نہ سمجھیں گے جنہوں نے حضورؐ کی زیارت کی فیضِ صحبت حاصل کیا۔ قرآن کے نزول کو دیکھا۔ ماحول کو دیکھا۔ وقتِ نزول کو دیکھا، حالاتِ نزول کو دیکھا پھر وہ لوگ جو ان سے قریب تھے اور وہ لوگ جو قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کی عربی زبان کے اہلِ زبان تھے اور وہ لوگ جنہوں نے قرآن مجید کے لفظ لفظ حرف حرف سے متعلق علوم و فنون ایجاد کیے کہ دنیا کو سہولت ہو اور خود برت کر دکھا گئے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے پوری عمریں رات دن ایک کر کے قرآن مجید کے لفظ لفظ کے حل میں صرف کردیں اور خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم یفشوا الکذب حضورؐ کے ارشاد کے موافق کہ "بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہیں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں پھر جھوٹ پھیل جائے گا" بہترین زمانہ کے تھے اور جھوٹ سے بری کیے گئے تھے، دیندار تھے، امین و صالح تھے۔

یا وہ عجمی شخص جو چودہ سو سال بعد ہوتا ہے۔ مادری زبان عربی نہیں رکھتا ہے وقت کی خیریت سے محروم حضورؐ کی زیارت سے محروم فیض ... مشاہدۂ نزولِ قرآن، ماحولِ نزول، وقتِ نزول، حالاتِ نزول سب سے محروم

علوم و فنون متعلقہ سے برائے نام واقف، عمر عزیز یورپ کی نذر کیے ہوئے اپنی عقلِ ناقص سے ہر حکم کو نثار کرنے والا فرمائیے غلطی اور کم فہمی و غلط فہمی کس میں ہونا غالب ہے۔

(ط) قرآن کے مفہوم کو سمجھنے میں اور پوتے کی میراث کو سمجھنے میں وہ غلطی کریں گے جن کا زہد، جن کی دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا فکر شہرہ آفاق ہے یا وہ جو دن رات حرص و لالچ میں سرپٹ دوڑ رہے ہیں، خواہشات نفسانی کو ہر معاملہ میں امام بنائے ہوئے ہیں اور مال و دولت کے سوا اُن کی نظر میں کوئی نہ تھی نہیں۔

(ی) پوتے کو اگر دادا سے کچھ مل جاتے اور محروم ہونے پر پائی نہ مل سکے تو اس میں بتانے والے کو کیا ملتا ہے یا کیا بچتا ہے آخر آپ تو خیال کیجیے کہ اگر قرآن میں حدیث میں اجماع میں کہیں سے بھی ملنے کی کوئی گنجائش ہوتی تو اس کو محروم کرنے سے وہ جائداد کیا ان لوگوں کی ہو جاتی یا اس کو دلوانے سے ان کی جیب سے کچھ جاتا تھا، آخر کوئی تو وجہ ہوتی جو یہ انکار کر سکتے کیا ان کے زمانے میں کبھی کوئی پوتا یتیم نہ رہا تھا، کبھی کوئی پوتا روپایا نہ تھا، خود اتنی ہی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم الٰہی کی زبردست رکاوٹ تھی، ممانعت تھی جس کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کر سکے جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں، ورنہ کونسی آج نئی بات پیدا ہوئی ہے جو ان کے سامنے نہ تھی۔

(یا) یتیم پوتا یتیم اور اس پر رحم کا سبق تو بار بار دہرایا جاتا ہے مگر یہ تو خیال کیجیے کہ جن جن حضرات نے اول سے آج تک اس کا حصہ قرار نہیں دیا

اور غلط مسئلہ میں بقول مخالف لگے رہے، کیا جس قدر رحم ان لوگوں کے دل میں ہے اُن میں رحم نہ تھا۔ یہ تو اس رحم سے غلطی سے بچ گئے اور وہ سب بے رحم تھے، اس لیے غلطی میں مبتلا ہو گئے حالانکہ ان کے بہت رحم و کرم والا ہونے کی شہادت خود اللہ تعالےٰ دیتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

حضرت محمد رسول اللہ ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں بہت رحم دل ہیں۔

ان کے رحم دل ہونے کی شہادت تو اللہ تعالےٰ دے رہے ہیں، ان کی رحم دلی تو مقبولِ بارگاہ ہے اور ان لوگوں کا دعوےٰ ہی دعوےٰ ہے اور پھر خود رحمۃ للعالمینؐ سراپا رحم ہیں مگر ان کو بڑا رحم آرہا ہے یتیم پوتے پر، یہ تو رحم کھانے والے ہوئے اور سب نعوذ باللہ بے رحم۔ آخر پھر کیا وجہ تھی کہ نہ حضورؐ نے فرمایا نہ آپ کے ساتھ والوں نے فرمایا کہ بیٹے کے ہوتے یتیم پوتے کو برابر کا حصہ دو، معلوم ہوتا ہے کہ منشائے الٰہی، خدائی حکمتیں، قرآنی قانون نہ دینے کے حق میں تھا، غرض اگر رحم اور بے رحمی سبب غلطی کا ہوتی ہے تو دیکھیے کہاں ہو سکتی ہے اور اس پردہ میں کہیں کوئی اور چیز تو نہیں۔

(ب) یہ سب وجوہ اس لیے پیش کی ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے مان لیجیے کہ اسلاف معصوم نہیں۔ ان میں بھی غلطی کا احتمال ہے تو موجودہ لوگ بھی تو معصوم نہیں ان میں بھی غلطی کا احتمال ہے۔ اب حالات اسباب و ذرائع اہلیت و قابلیت اور گردو پیش کو دیکھ کر یہ معلوم کیجیے کہ احتمالات غالب اور زیادہ

کہاں ہیں اور کم کہاں ، ان وجوہ سے آپ نے معلوم کر لیا ہوگا کہ اسلاف میں یہ احتمال بہت بعید اور اخلاف خصوصاً چودہویں میں بہت ہی قریب ہے۔

اب میں بہانگِ دہل کہتا ہوں کہ ہاں یہ فقہائے اسلاف کا مجموعہ معصوم ہے بالکل معصوم اس میں غلطی کا احتمال نہیں اور ان کے ہر مخالف میں غلطی کا احتمال ہی نہیں یقین ہے قرآن حدیث اور عقل سے اس پر دلیل قائم ہے کہ مجموعہ امت کا معصوم ہے مثلاً ایک آیت میں سبیل مومنین کے غیر کے اتباع پر جہنم فرمایا ہے تو سبیل مومنین واجب الاتباع ہوئی اور واجب الاتباع کے لیے غلطی سے پاک ہونا ضروری ہے حدیث شریف لا تجتمع امتی علی الضلالۃ (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) ہر فرد معصوم نہ سہی مجموعہ معصوم ہے ہر دھاگہ کمزور سہی مجموعہ ریشم کی ڈوریے انتہا مضبوط ہے۔

کس قدر حیرت تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ اگر اسی طرح چودھویں صدی کے تحریف کرنے والوں کی باتوں میں آپ آتے رہے کہ وہ ساری امت کی امت کو غلطی پر بتا کر اپنی تحریفات سامنے رکھ دیں اور پروپیگنڈہ اس کثرت سے کر دیا کہ دل و دماغ پر چھا جائے تو آپ ہر تحریف کنندہ کے جال میں پھنس کر شکار ہو جائیں گے اور دین و ایمان کھو بیٹھیں گے جو لوگ خود علوم دین میں مہارت نہیں رکھتے وہ ان تحریفوں کی جعل سازی پوری طرح کیا بالکل ہی نہیں سمجھ سکتے ذہن خالی ہوتا ہے طبیعت اس طرف کھچ جاتی ہے ، بات دل میں جم جاتی ہے تو پھر اس کے خلاف سننا تک ناگوار ہونے لگتا ہے انسان کی فطرت ہی جنس سے بنی ہوتی ہے اس سے مانوس ہو کر پھر ہمیشہ کے لیے اس گمراہی میں

گرفتار ہو جاتا ہے، جو لوگ قادیانیت کے جال میں اول پھنسے وہ ایسے ہی پھنسے اور پھر مانوس ہو ہو کر ایسے ہو گئے کہ اب وہ باتیں ان کے دل کی تہ میں اتر گئیں سمجھانے والوں سے نفرت کرنے لگے اور حق بات کے سننے کو تیار نہیں ہوتے، اس طرح رفتہ رفتہ اُن میں حق بات قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی، یہی حال ہر نئے تحریف کنندہ کے جال کا ہے، جو بھی اسلاف کے خلاف نظر آئے ہر ایسے جال سے دوری اختیار کی جائے، اس کو مردود قرار دیا جائے، دھوکہ اور جعل سازی سمجھیے اپنے دین کو مفت نہ گنوائیے یہ نعمت ایسی ہلکی اور سستی نہیں ہے کہ ایمان کے ڈاکوؤں سے آپ ہشیار نہ رہیں۔ آپ ان باتوں پر غور کرکے اس کو ذہن سے طلاق دیں، اسی وجہ سے اس بحث کو طویل کیا گیا ہے تاکہ آپ کا ایمان محفوظ رہ سکے۔ اور یہ دھوکہ باز ایمان کے ڈاکو آپ کے ایمان پر چھاپہ نہ مار سکیں۔

غور تو کیجیے اگر اس احتمال کو درخورِ اعتنا قرار دیا جائے کہ پہلے کے تمام امت کے علماء صلحاء میں غلطی کا احتمال ہے اور تو خیز تحریف کنندہ بالکل غلطیوں سے محفوظ ہے تو پھر سارے کا سارا دین خطرہ میں پڑ جائے گا آج ایک بات کو اس طرح آپ کے ذہن میں غلط قرار دیا گیا کل کو دوسری پرسوں کو تیسری اور تمام دین ختم، اور بالکل کھلی بات ہے کہ حق تعالے کے شیدا کم ہیں اس کی اشاعت کے اسباب کم ہیں، بدی جلدی پھیلتی ہے اور اس کے اسباب دنیا میں آسانی سے حاصل ہو جاتے ہیں، تحریفوں کی قلعی کھولنے والے کم کم پھر ان کی تحریر و تقریر کی اشاعت کے اسباب کم پھر لوگوں کا رجحان نیکی کی طرف کم اور اگر ایسی

بات سے ذرا بھی تردد کو پاس آنے دیا تو ایمان و اعمال کا خطرہ ہے اور اس کی ذمہ داری خود آپ پر ہے،

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ آخر جو اُٹھتا ہے وہ مذہب ہی پر کیوں ہاتھ صاف کرتا ہے اور تمام اُمت کو گمراہ اور خطاکار کیوں قرار دیتا ہے، اس کی وجہیں دو سامنے آتی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ دیدہ و دانستہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور شیطان کا فرض ادا کر رہے ہیں، دوسری یہ کہ انہیں اس سے بحث نہیں کہ گمراہی ہو یا ہدایت اپنا اُلّو سیدھا کرنا ہے شہرت، کار و بار کی گنجائش سے ثروت اور دینی شان و شوکت قائم کرنا ہے، اور یہ کام ایسی باتوں ہی سے مکمل ہو سکتا ہے جو عوام کی اور خصوصاً نو تعلیم یافتہ طبقہ کی نفسانی خواہشات اور یورپ سے آئے ہوئے ماحول کے تاثرات میں ڈوبی ہوئی ہو کیونکہ آدمی اپنی دل لگتی ہوئی بات ہی جلد قبول کرتا ہے اور یورپ سے متاثر دل اسی بات کو جلد قبول کرے گا جو اسی قسم کی ہو یا اس سے ملتی جلتی ہو اسی لیے آپ ایسے لوگوں کی تاریخ معلوم کریں گے تو اکثر یہی ملے گا کہ انہوں نے بہت سے کام کیے جب کوئی نہ چلا تو آخر کار دنیا کو بے وقوف بنا بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا شروع کر دیا مگر یہ سلسلے روز کیوں پیدا ہوتے ہیں اور کیوں سرسبز ہوتے ہیں اس لیے کہ آپ نے اپنا فرض محسوس نہیں کیا۔ آپ نے سارے اسلاف سے بدگمانی رکھی اور ان کو بے دین قرار دیا۔

ان تحریفات غلط بیانیوں اور دھوکہ بازیوں کی قلعی کون کھول سکتا ہے، کوئی عالم دین، اس لیے پیش بندی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو "ملّا" اور اس کے

بتائے ہوئے احکام الٰہی کو مُلّا کا مذہب کہا جائے تاکہ لوگ اس طرف سے نفرت کرنے لگیں اور ان کے ایمان اور جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے میں جو رکاوٹ تھی صاف ہو جائے، ہر ایسے شخص کو آپ دیکھیں گے کہ وہ سب سے پہلے اسی ہتھیار کو استعمال کرے گا اور آخر تک کرتا رہے گا۔ یورپ نے اسلام سے مٹانے کا یہ حربہ استعمال کیا ہے کہ اس کی تعلیم طرز طریق دل میں جم جائے رد کرنے والے کی بات کوئی نہ سن سکے اور اسلام آہستہ آہستہ ختم ہو جائے افسوس مسلمان اس کو نہیں سمجھے۔

مرکز تحریفات کی دلیلیں

کراچی جو حکومت کا مرکز ہے وہاں ہر چیز کے مرکز کی ضرورت تھی وہیں تحریف القرآن کا بھی ایک مرکز قائم ہے جس کا نام ہے "ادارہ طلوع اسلام" ممکن ہے آپ میرے ان لفظوں کو وحشت سے دیکھیں مگر اس وحشت کو اس سے دور کر لیجیے کہ یہ نام میں نے تجویز نہیں کیا ہے میں نے صرف ترجمہ کر دیا ہے لفظ "طلوع اسلام" کا ترجمہ ہی تحریف قرآن ہے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ اس کے لفظ "اسلام" سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام تو مراد ہو نہیں سکتا وہ تو اس وقت طلوع ہونا شروع ہوا تھا جب حضور غار حرا سے آ رہے تھے جبرئیل امین نے آواز دی تھی پھر مکمل طلوع ہوا اونچا ہوا اور آفتاب پورے شباب پر آیا اور ہمیشہ کے لیے نہ غروب ہونے والا مکمل

ور بن کر آیا، طلوع کے بعد رفتہ رفتہ اس کے انوار مکمل ہونے اور ہمیشہ مکمل رہنے کو حق تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ — آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی یہ نعمت تم پر پوری کر دی۔

اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس شباب و کمال کے رہنے کو فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ — بیشک ہمیں نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اب لا محالہ یہ کوئی نیا اسلام ہے اور نئے اسلام کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) نئی وحی کے ساتھ تو اس کا تو تجربہ ہو چکا ہے کہ خاتم النبیین کے جان نثار اس سے پہلے کے نمودار ہونے والے نئے اسلام سے کنارہ کش رہے اب بھی رہیں گے اور اس کو اسی کی صف میں کھڑا کر دیں گے اور اقلیت بنانا چاہیں گے۔

(۲) قدیم اسلام میں تغیر کیا جائے۔ اب اگر تغیر لفظوں میں کیا جائے تو اول حق تعالیٰ نے خود حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے دوسرے لاکھوں کروڑوں حافظ ہیں اس کو ہر جاہل سے جاہل محسوس کرے گا تو جال میں کون پھنسے گا اس لیے اس میں کام چل نکلنے کی توقع نہ رہی۔

(۳) معنی میں تغیر و تبدل کر لیا جائے اور اس کو سب کے سر چیپ دیا جائے اس کے لیے نو تعلیم یافتہ طبقہ ایک وسیع میدان نظر آتا ہے۔ اس کی

خواہشات کے موافق باتوں کو عین اسلام ثابت کر دینا اس کو گرہ دیدہ کر سکتا ہے۔ اس لیے یہ کام چلتا بازار ہے۔ لہٰذا طلوعِ اسلام تحریف معنوی ہوئی اور "ادارۂ طلوعِ اسلام" کا ترجمہ ہوا مرکزِ تحریفات القرآن، اب آپ اس کا نمونہ دیکھیے۔ ایک غلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور کی تحریفات کو دنیا دیکھ چکی ہے اب غلام احمد ثانی پرویز ساکن بٹالہ ضلع گورداسپور کی تحریفات کا نمونہ دیکھ لیجیے اور قادیان و بٹالہ کی شرکت ملاحظہ کیجیے۔

پروپیگنڈہ، دھوکہ بازی، غلط بیانی، افترا پردازی وغیرہ وغیرہ باتوں سے قطع نظر کر کے صرف دلیل کی عبارت پیش کی جاتی ہے۔

"طلوعِ اسلام" جنوری ۱۹۵۲ء صث

"قرآنی احکامِ وراثت میں ہے کہ (۱) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ...... نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔

(۲) يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۴۔

یعنی اولاد اپنے والدین کے ترکہ سے حصہ پاتی ہے، ہمارے ہاں اولاد کے معنی وسیع ہیں ولد میں بیٹا اور بیٹے کی اولاد در اولاد (پوتا پرپوتا وغیرہ) سب شامل ہوتے ہیں، اسی طرح والدین باپ اور باپ کے والد در والد (دادا پردادا وغیرہ) سب شامل ہوتے ہیں۔ اولاد کے یہ معنی لغت کے علاوہ ائمہ تفسیر حدیث اور فقہ سب کے ہاں مسلم ہیں، چنانچہ تفسیر قارن میں ہے کہ ولد کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے بولا جاتا ہے اور اس میں اولاد اور بیٹے کی اولاد اور بیٹی کی اولاد بھی

کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح فتح الباری شرح بخاری (ج ۱۲ ص ۸) میں ہے ولد کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں سے عام ہے اور صلبی اولاد اور نیچے تک اولاد کی اولاد تک بولا جاتا ہے۔ فقہ وراثت کی مستند کتاب سراجی کی شرح شریفیہ میں لکھا ہے کہ اولاد میں بیٹے کی اولاد بھی شامل ہے کیونکہ ہم کو حق تعالیٰ نے بنی آدم کہا ہے۔ اسی طرح علامہ ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے کہ چونکہ ولد کا لفظ ولادت سے مشتق ہے اس لیے اولاد کی اولاد بھی حقیقۃً اولاد ہے جس طرح جزو کا جزو بھی یقیناً جزو ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ والد کے معنی صرف باپ نہیں بلکہ باپ کے والد در والد اوپر تک سب اس میں شامل ہیں اور اسی طرح ولد کے معنی صرف بیٹا نہیں بلکہ بیٹے کی اولاد در اولاد نیچے تک سب اس میں شامل ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زید کا ایک بیٹا ہو اور ایک پوتا تو زید کی وفات پر اس کی جائداد صرف بیٹے کو ملے گی یا بیٹے اور پوتے دونوں کو (کیونکہ ولد میں بیٹا اور پوتا دونوں شامل ہیں) اس سوال کے حل کے لیے دوسرا اصول سامنے آتا ہے قرآن نے (اقربون) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اقرب کے معنے ہیں وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو۔ زید کی وفات کے وقت اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان کوئی اور موجود نہیں اس لیے وہ اس کا اقرب ہے اس لیے وہ اس کی جائداد کا حصہ پائے گا۔ لیکن چونکہ پوتے اور دادا

کے درمیان لڑکے کا باپ موجود ہے اس لیے دادا اس پوتے کا اقرب نہیں ہو سکتا. لہذا بیٹے کی موجودگی میں تو وارث نہ ہو گا لیکن اگر دادا کی زندگی میں اس کا بیٹا فوت ہو جائے تو دادا اور پوتے کے درمیان کوئی واسطہ نہیں رہتا اس لیے متوفی دادا اس پوتے کا اقرب ہو جاتا ہے اس بنا پر یتیم پوتا اپنے دادا کے ترکہ سے حصہ پائے گا"
اس کے بعد ایک نقشہ دے کر اس مثال کو واضح کر کے لکھا ہے :-

"یہ ہے قرآن کا قانون لیکن ہمارا مروجہ قانون یہ کہتا ہے کہ نہیں اس صورت میں ساری جائداد بکر (بیٹا) کو ملے گی اور محمود (یعنی یتیم پوتا) اپنے دادا کے ترکہ سے ایک پائی بھی نہیں پا سکے گا"

اس مضمون کے آخر میں ایک پمفلٹ کا حوالہ دیا ہے۔ میں نے اس کو بھی بڑی کوشش سے حاصل کیا لیکن پورے ۱۴ صفحے پڑھنے پر اس میں بھی یہی ایک دلیل ملی گو اس میں بھی پروپیگنڈہ اور غلط در غلط باتیں بہت ہیں مگر دلیل اس کے سوا کوئی اور نہ مل سکی ہ البتہ ذرا اور تفصیل بھی ملی جس کو ان شاءاللہ پیش کر دیا جائے گا، اس کے علاوہ جو عقلی باتیں پیش کی گئی ہیں ان کی حقیقت بھی آئندہ ان شاءاللہ پیش ہو گی۔

اس دلیل کے دو جز ہیں (۱) ولد کا لفظ بیٹے پوتے پر پوتے وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے، لہذا پوتا اولاد میں داخل ہو کر حصہ پائے گا۔ (۲) اقرب کے معنے ہیں وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو یعنی زندہ بیٹا درمیان میں ہے اس کے بیٹے کو میراث نہیں ملے گی مردہ درمیان

سے نکل گیا تو یہ اقرب قرار پاگیا میراث ملے گی۔ اب ان دونوں چیزوں کو عرض کرنا ہے کہ اس میں کس قدر دھوکہ ہے اور کیسی کھلی تحریف ہے کہ جس سے عربی جاننے والا ذرا سا بچہ بھی ناواقف نہیں رہ سکتا۔

ولد مسئلہ کے دلائل میں سے (۱) پھر ملاحظہ کر لیجیے تاکہ اس لفظ کے معنے معین کرنے میں سہولت ہو۔

لفظ ولد بے شک بیٹا بیٹی پر اور پوتا پوتی پڑپوتا پڑپوتی وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے لیکن ایک لفظ کے کئی معنے میں بولے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ معنے اس کے اصلی معنے ہوں اگر اصول زبان سے واقفیت ہوگی تو یہ بالکل ایک کھلی اور یقینی بات معلوم ہوگی پھر یہ بات ایک عربی زبان ہی میں نہیں ہر زبان میں ہے مگر انگریزی زبان بے اصول زبان ہے اور دوسری زبانوں کو بھی لوگ بے اصولی بنا کر سیکھنے لگے اس لیے اس طرف ذہن کم جاتا ہے عربی زبان کی ہر بات اصول میں ہے اور ایسے عام اصول میں کہ ان میں سے بہت اصول دوسری تمام زبانوں میں بھی برابر جاری ہوتے ہیں اور یہ ایسی معمولی بات ہے کہ عربی کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے۔

جب لفظ کے کئی معنے ہوتے ہیں اگر وہ ہر ایک معنے کے لیے الگ الگ وضع اور معین کیا ہوا ہوتا ہے اس وقت تو وہ دونوں معنے حقیقی اصلی اور لفظ مشترک کہلاتا ہے اور اگر ایک معنے کے لیے تو وضع کیا ہوا ہو اور دوسرے معنے میں کسی مناسبت سے استعمال ہوتا ہے تو وہ اول معنے حقیقی معنے ہیں اور دوسرے مجازی، فن بلاغت نے وہ مناسبت ایک تو تشبیہ بتائی ہے اور جیسی

مناسبتیں اور بتائی ہیں ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ولد کے معنے بیٹا بیٹی اور پوتا پوتی پڑ پوتا پڑپوتی سکڑ پوتا سکڑ پوتی اور قیامت تک کے سلسلہ والے جن کا اردو میں کوئی الگ نام بھی نہیں ایسے معنی ہیں کہ ہر ہر معنی کے لیے یہ لفظ الگ الگ وضع اور معین ہوا ہے یا ایک معنے کے لیے وضع اور دوسرے معنے ہیں تشبیہ یا پچیس مناسبتوں میں سے کسی ایک مناسبت کی وجہ سے استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے لیے دو معیار ہیں ایک وہ جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جن معنے سے لفظ کو نفی کیا جا سکے وہ مجازی ہیں جن سے نفی نہ کیا جا سکے وہ حقیقی ہیں اس لیے مشترک لفظ اپنے دونوں معنوں سے نفی نہیں ہو سکتا ۔ لفظ عین پانی کے چشمہ اور آنکھ دونوں کے لیے وضع ہے تو نہ چشمہ کو کہہ سکتے ہیں یہ عین نہیں نہ آنکھ کو ۔ مگر پھول سبزہ کا پھول اس کے حقیقی معنے اور کاغذ پر جو پھول ہے اس کو پھول مجازی معنے کہتے ہیں ۔ سبزہ کے پھول کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ پھول نہیں اور کاغذ پر جو پھول بنا ہوا ہے اسے کہہ سکتے ہیں کہ پھول نہیں پھول کی تصویر ہے ۔ اسی طرح ولد (جنا ہوا) ہے بیٹے کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ میرا ولد (جنا ہوا) نہیں اور پوتے کو کہہ سکتے ہیں کہ میرا ولد (جنا ہوا) نہیں ولد کا ولد (جنے ہوئے کا جنا ہوا) ہے ۔

دوسرا معیار یہ ہے کہ لفظ کے جو معنے ایسے ہیں جس میں مادہ کے معنی باقی ہیں وہ اصلی جس میں مادہ کے معنی نہیں کسی مناسبت خارجی کی وجہ سے اس پر یہ لفظ بولا جاتا ہے وہ معنی مجازی ہیں بند اور مختصر ہونے کے بعد کھل پھول کر ظاہر ہوتا ہے وہ سبزہ کا پھول حقیقی معنے ہیں کاغذ پر اول سے ہی پھولا کھلا

بنایا جاتا ہے اس کو ہم شکل ہونے کی مناسبت سے پھول کہا جاتا ہے تو وہ مجازی معنے ہیں آدمی انسان پر بھی بولا جاتا ہے اور اس کی تصویر پر بھی مگر جو آدم کی اولاد ہے وہ حقیقی معنے ہیں جو پتھر یا کاغذ وغیرہ کا ہے وہ مجازی ایسے ہی اپنے بیٹے کو اپنا ولد جنا ہوا ولادت کیا ہوا کہا جا سکتا ہے وہ حقیقی معنے ہیں اپنے پوتے کو اپنا جنا ہوا نہیں کہا جا سکتا اپنے جنے کا جنا کہا جا سکتا ہے وہ مجازی معنے ہیں جن عبارتوں کو نقل کیا گیا ہے ان میں سے جن میں یہ ہے کہ یہ لفظ مذکر مؤنث اور بیٹے اور بیٹے کی اولاد پر بولا جاتا ہے ان سے تو اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ یہ سب حقیقی معنے ہیں صرف دو عبارتیں ایسی ہیں جن سے اس کا شبہ ہو سکتا ہے، ایک تفسیر خازن کی دوسری احکام القرآن کی مگر آپ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی جب آپ دیکھیں گے کہ ان دونوں کتابوں میں ایسا نہیں ہے" مسلمانوں کے دلائل کے جوابات کی حقیقت" عنوان کے تحت انشاء اللہ عرض کیا جائے گا کہ دونوں حوالے بالکل غلط ہیں ان کتابوں کی عبارت میں یہ بات نہیں ہے معلوم نہیں یہ بے پر کی کیسے اڑائی جاتی ہے۔ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ ولد سے سب مراد لینا قرآن شریف کے خلاف ہے۔

(۱) وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا "کافر لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ نے بیٹا اختیار کیا ہے" اگر ولد میں سب مراد ہوں تو خدا تعالیٰ پر جھوٹ کا الزام آئے گا کیونکہ کافروں نے صرف بیٹا، بیٹی کا بہتان کیا تھا اور قرآنی نقل سے لازم آئے گا کہ بیٹا، پوتا پڑپوتا وغیرہ کا بہتان کیا ہے جو جھوٹ ہو گا حق تعالیٰ کی شان میں سخت گستاخی ہو گی جب کوئی مسلمان یہ گستاخی گوارا نہیں کر سکتا

توسب معنی کو گوارا نہیں کرسکتا۔

(۲) حضرت مریم نے بشارت پر عرض کیا ہے قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِی وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ (عرض کیا اے رب کیسے ہوگا میرے بچہ حالانکہ کسی آدمی نے مجھے نہیں چھوا) اگر ولد سب کو عام ہوگا تو یہ معنی ہونگے کہ کیسے ہوگا میرے بیٹا پوتا پڑپوتا تو وجہ تعجب کہ مجھے کسی آدمی نے نہیں چھوا وجہ نہ رہے گی کیونکہ پوتے پڑپوتے کے لیے خود کو چھونا نہیں ہوتا۔

(۳) یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر اپنی بیگم کے حوالہ کر کے جو ہدایت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَکْرِمِیْ مَثْوَاهُ عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (ان کا اچھا انتظام کرو شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائیں یا ہم ان کو اپنا بیٹا بنالیں) اگر ولد سب ہوں تو یہ معنی ہوں گے کہ ان کو بیٹا پوتا پڑپوتا بنالیں، ایک آدمی کا سب کچھ ہونا لازم آجائے گا۔

(۴) ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرعون نے اپنی بیوی سے کہا تھا۔ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وہاں بھی ایک ذات کو بیٹا، پوتا، پڑپوتا بنانا لازم آئیگا۔

اور بھی کچھ آیات ہیں کہ اگر ولد کے معنے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ سب ایک دم لیے جائیں گے تو ان کا مفہوم غلط یا گناہ یا کفر تک ...... پہنچ جائے گا اس لیے ضرور ہے کہ ولد اول حقیقی مراد ہو اور وہ نہ ہو یا مراد نہ ہوسکے تو مجازی یہ بات قرآن مجید کے موافق اور اصول کے مطابق ہے۔

اور اگر سب معنی کو حقیقی معنے کہا جائے اور لفظ وَلَدًا کو مشترک لفظ کہا جائے تو

ماننا پڑے گا کہ لفظ ولد ایک دفعہ بیٹے بیٹی کے لیے وضع کیا گیا ہے، ایک دفعہ پوتے پوتی کے لیے، ایک دفعہ پڑپوتے، پڑپوتی کے لیے اور پھر قیامت تک جتنے درجے نکلیں ہر درجے کے لیے الگ وضع کیا گیا ہے جو کوئی عقل روا نہیں رکھ سکتی۔

ادھر سب معنی کو حقیقی معنے قرار دینے سے یہاں ایک زبردست خرابی یہ پیدا ہو جائے گی کہ اگر زید کے ایک ہی بیٹا ہے اور ایک پوتا ایک پڑپوتا ایک سکڑپوتا تو ضرور ہو گا کہ زید کا ترکہ چار حصہ کر کے بیٹے، پوتے، پڑپوتے، سکڑپوتے کو ایک دم دیا جائے۔ اس اشکال سے بچنے کے لیے اقربون لفظ کی پناہ حاصل کی گئی ہے۔ لیکن بات چلتی ہوئی اور دھوکہ کی بات ہے کیونکہ (۱) اقربون کا لفظ اس آیت يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ میں ہے ہی نہیں دوسری آیت میں ہے تو اب اس آیت کا مطلب تو یہی ہوا کہ بیٹے، پوتے، پڑپوتے، سکڑپوتے سب کو ایک دم میراث ملے اور دوسری آیت میں اقربون کا لفظ ہے اگر اس کے معنے ان کے کیے ہوئے معنے قرار دیے جائیں تو اس سے یہ ثابت ہو سکے گا کہ بیٹے کی زندگی میں پوتے کو پڑپوتے کو نہ دی جائے تو ان دونوں میں مخالفت ہو گئی تو حق تعالیٰ کے کلام میں مخالفت پیدا کر دی گئی اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلی آیت کے اولاد لفظ میں دونوں صورتیں داخل تھیں کہ بیٹے کی زندگی میں پوتے کو دیا جائے اور بعد موت کے بھی لیکن اقربون والی آیت نے اس کی پہلی صورت کو منسوخ کر دیا ہے تو طلوعِ اسلام کا سارے مسلمانوں کے خلاف والا مذہب ہی اُڑ جاتا ہے کہ آیت منسوخ نہیں ہوتی اور مذہب اڑ جائے مگر پوتے کو دلوانے کیلئے منسوخ ہونے کے قائل ہو جائیں تو کیا ان کی گستاخ زبان ہیں

کوئی کہہ سکتا ہے کہ، اگر یہی مراد تھا تو کیا خدا کو یہ کہنا نہیں آتا تھا کہ یتیم پوتے کو ضرور دو باپ والے کو نہ دو۔ کیا وہ بھی ادھر ادھر سے مرادیں نکالنے کا محتاج ہے" العیاذ باللہ مگر پھر بھی منسوخ کہنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ وَلِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ آیت میں صرف حصّہ ہونا فرمایا ہے اور یوصیکم اللہ میں دوگنا اور ایک گنا ہے ایک قسم کی تعیین سی ہے غیر معین تعیین والے کو نسخ کیسے کر سکتا ہے۔ اور اس سے بھی صرفِ نظر کیجیے تو الرجال آیت پہلی ہے، پہلے نازل ہوئی ہے وہ ناسخ نہیں ہو سکتی اِس لیے والد کے معنے سب کے سب مراد لینے سے قرآنی آیات کو ایک دوسری کا مخالف بنانا لازم آئے گا کہ اولادکم میں سب کو ملے اور ما ترک میں سب کو نہ ملے جو حق تعالیٰ کے کلام کو عیب لگانا ہوا جسے کوئی گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ تحریف قرآن شریف کی توہین کرنے والی ہوگی۔

ممکن ہے کہہ دیا جائے کہ ہم ان احادیث ہی کو نہیں مانتے جس سے وللرجال آیت کا پہلے نازل ہونا معلوم ہوتا ہو بلکہ پوتے کو زبردستی دلوانے کے لیے ہم اس کو زبردستی بعد کی نازل ہوئی مانیں گے حدیث کا خلاف ہو تو ہو پوتا محروم نہ ہو، تو میں عرض کروں گا کہ خود پمفلٹ ص۱۲ پر لکھ دیا ہے کہ یہ آیت میراث کے قانون کی تمہید ہے۔ اور پھر خود قرآن سے معلوم ہو رہا ہے کہ وللرجال آیت پہلی ہے کیونکہ وہاں لفظ نصیب (حصّہ) ہے۔ جو مجمل لفظ ہے، وہاں نفس میراث کو ثابت فرمایا ہے ابھی اس کی تعیین نہیں فرمائی کہ کتنا کتنا حصّہ ہے صرف یہ فرمایا ہے کہ مردوں کا بھی حصّہ ہے عورتوں کا بھی اور فی اولادکم آیت میں مذکر و مؤنث کا حصّہ ایک طرح سے معین فرمایا ہے کہ مرد کا دوگنا عورت کا ایک ہے اور صرف مؤنث ہو تو آنا صرف

مذکر ہوں تو اتنا ہے ثبوت مسئلہ (۲) کو پھر ملاحظہ کیجیے۔ اس لیے یہ آیت بعد کی ہے وہ پہلی ہے۔ اس لیے اگر ولد کے معنی سب ہو گئے تو بیک وقت بیٹے پوتے پڑپوتے، سکڑپوتے کو میراث دینا برابر لازم آئے گا اور یہ خلل ثابت ہوگا۔

(۳) لفظ اقربون سے یہ خرابی کسی طرح دور نہیں ہو سکتی کیونکہ جس آیت میں لفظ اقربون بتایا گیا ہے اس میں مما ترك الوالدان والاقربون (وہ ترکہ جس کو والدین اور اقربون چھوڑیں) والدین اور اقربون کے درمیان واؤ عطف ہے اور معطوف و معطوف علیہ ایک دوسرے کا غیر ہونے ضروری ہیں عطف تفسیری کی تاویل بھی نہیں چل سکتی کیونکہ والدین تثنیہ (دو) ہے اور اقربون جمع، دو کی تفسیر جمع نہیں ہو سکتی اس لیے اقربون والدین کے علاوہ ہوں گے۔ اور والدین میں آپ باپ، دادا، پردادا، سکر دادا، سب کو داخل کر چکے تو اقربون ان کے علاوہ عزیز ہونگے اس لیے دادا پوتے سے اس لفظ کا کوئی تعلق ہی نہیں جب کوئی کہے گا کہ میرے باپ دادا اور اعزہ ایسے تھے تو لامحالہ اعزہ دوسرے ہی مراد ہونگے۔

اگر یہ تاویل کر لی جائے کہ نہیں والد وغیرہ بھی اقرب میں داخل ہیں ہی۔ گو والدین میں بھی داخل ہیں تو لفظ والدین فضول ہو جاتے گا اور کلام میں تکرار پیدا ہوگا جس کی کوئی خاص وجہ نہ ہوگی۔ اس لیے یہ کلام الٰہی میں عیب لگانا ہوگا۔ اگر ولد کے معنے سب لیے تو وہ اشکال بے جواب باقی ہے اقربون سے ولد اور والد مراد ہی نہیں ہو سکتے اب یا تو ایک دم بیٹے، پوتے، پرپوتے سکڑپوتے سب کو وارث کہا جائے یا ان معنے سے رجوع کیا جائے۔

ایک بات اور عجیب سُن لیجیے کہ آیت یوصیکم اللہ میں تو صرف ان بیٹوں پوتوں کا بیان ہے جن کے ساتھ مؤنث بھی ہوں وہ تنہا مرد مرد نہ ہوں کیونکہ للذکر مثل حظ الانثیین نر ذکر کو دو مؤنث کے مثل یہ تو اسی وقت ہوگا جب دونوں قسمیں مذکر مؤنث موجود ہوں اور صرف مذکر یا مؤنث ہوں تو اس سے آگے کے لفظوں میں ان کا بیان ہے ثبوت مسئلہ کا (۲) پھر دیکھا جائے۔

لہذا مرد مرد کی جو صورت طلوع اسلام کے ان لفظوں میں اور پھر نقشہ میں دی ہے اور وہی صورت پمفلٹ میں دی ہے اس کو اس آیت سے کوئی تعلق ہی نہیں، ذرا آپ خیال تو کریں یہ ساری امت اور سارے مسلمانوں کے مخالف چودھویں صدی کے مجتہد کدھر جا رہے ہیں کیا یہ قرآن کو سمجھ رہے ہیں اور ایسا سمجھ رہے ہیں کہ ساری دنیا کو اس سمجھ کے صدقے میں منکر قرآن کہہ رہے ہیں کہ پمفلٹ کے ص ۶۳ ... پر "منکرین قرآن کی طرف سے جواب" ایک عنوان قائم کیا ہے۔

نمبر ۲ لفظ اقرب کے معنی۔ پہلے اس کے متعلق سابق ثبوت نمبر ۱۴) پھر ملاحظہ کر لیا جائے تو اس کے سمجھنے میں بھی سہولت ہو۔

طلوع اسلام اور پمفلٹ میں اقرب کے معنی یہ لکھے ہیں۔

"اقرب کے معنی ہیں وہ جس کے اور وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو"

اقرب کوئی نیا یا انوکھا لفظ نہیں ہے کہ اسے کوئی جانتا نہ ہو عربی فارسی اردو ہر زبان میں استعمال ہوتا ہے بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ اسم تفضیل ہے جس کے معنی ہیں دوسروں سے زیادہ قریب، جیسے افضل دوسروں سے زیادہ فاضل

اعلیٰ دوسروں سے زائد عالی، تو اقرب وہ ہے جو دوسروں سے زیادہ قریب ہو۔
یہ معنی جو ان صاحبوں نے تصنیف کیے ہیں قرآن شریف، حدیث صحیح
یا ضعیف، تفسیر، شرح حدیث، فقہ، لغت، اصولِ عربیت کہیں سے بھی تو اس
کی کوئی تائید صراحت ہیں یا اشارہ کنایہ بیں نہیں مل سکتی۔ از خود ایک فرضی و
خیالی معنی تجویز کر لیے اس سے ایک مسئلہ بنا لیا اور اس کو بہانگ دہل کس قدر
جرأت و بے باکی سے کہہ دیا کہ یہ ہے قرآن کا قانون،

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ ستم کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا اور بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ

قرآنِ شریف عربی زبان میں ہے عربی ایک اصولی زبان ہے اس کا ہر ہر لفظ
اصول کے تحت ہے اس کے لغات کے لیے سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں، اس
کے اصول کے لیے پورے کے پورے فن اور ان میں صدہا تصانیف ہوئی ہیں کہیں
سے تو ان معنی کا ثبوت دے دیا جائے۔ (ہیں)

مجھے یہ عرض کرنے کی رکاوٹ نہیں کہ یہ معنی تحریفِ محض ہیں اور خود قرآن شریف
کے خلاف ہیں۔ اگر یہ معنی اقرب کے لیے جائیں گے تو قرآن کے بہت احکام
بگڑ جائیں گے۔

(۲) آبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا — تمہارے باپ دادا اور بیٹے پوتے تم نہیں جان سکتے کہ کون تمہارے نفع میں زیادہ قریب ہے۔

اوران معنی سے مطلب یہ ہو جائے گا کہ تم نہیں جان سکتے کون تمہارے لیے
[illegible]یں، وہ میت ہے کہ جس کے اور وارث کے درمیان کوئی موجود نہ ہو تو اس
جاننا کیا مشکل ہے۔

(۲) اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ — عدل کرو۔ عدل تقوٰی سے زیادہ
تقوٰی۔ — قریب ہے۔

گر اب مطلب یہ ہو گا عدل کرو عدل وہ میت ہے کہ جس کے اور وارث
درمیان کوئی موجود نہ ہو، تقوٰی کے لیے تقوٰی کے لیے عدل کا جنازہ
[illegible]ادا کرنا پڑے گا۔

(۳) وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ — اور نہیں ہے حال قیامت کا مگر مثل
كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ — پلک جھپکنے کے یا اس سے زیادہ قریب۔

لیکن اب معنے یہ ہوں گے "اور نہیں حال قیامت کا مگر مثل پلک جھپکنے
یا وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی موجود نہ ہو" تو قیامت کا
[illegible]میت بن کر قبر میں سو جائے گا۔

(۴) فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَهُمَا — حضرت خضر نے مقتول لڑکے کے لیے
رَبُّهُمَا خَيۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّ — کہا ہم نے چاہا کہ اس کے ماں باپ کو ان کے
اَقۡرَبَ رُحۡمًا۔ — رب بدلہ دیں اس سے بہتر صلاحیت میں
اور زیادہ قریب رحمت و شفقت میں۔

لیکن اب یہ مطلب ہو گا "ہم نے چاہا کہ ان کے رب بدلہ دیں بہتر صلاحیت
[illegible]اور وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی موجود نہ ہو" کیا اچھا بدلہ بن گیا۔

(۵) یَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّہٗ　　عبادت کرتا ہے اُس کی جس کا
اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِہٖ ۔　　قریب ہے اس کے نفع سے ۔

لیکن اب معنی یہ ہوں گے "عبادت کرتا ہے اُس کی جس کا ضرر وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو اس کے نفع سے"۔

(۶) وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ　　آپ تبلیغ کیجیے اپنے کنبہ قبیلہ کو
الْاَقْرَبِیْنَ ۔　　سب سے زائد قریب ہوں ۔

مگر اب معنی یہ ہوں گے "آپ تبلیغ کیجیے اپنے کنبہ قبیلہ کو جو وہ میت جن کے اور وارث کے درمیان کوئی واسطہ موجود نہ ہو" حضور کا کنبہ قبیلہ کی ہڈیاں بنیں گی ۔

(۷) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ　　اور ہم علمی اعتبار سے اس کی شہ رگ سے
مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ　　بھی زیادہ قریب ہیں ۔

مگر یہ لوگ یہ معنی کریں گے "اور ہم علمی اعتبار سے اُس کی شہ رگ سے بھی میت ہیں جس کے اور وارث کے درمیان کوئی موجود نہ ہو" العیاذ باللہ العیاذ باللہ تعالیٰ کو میت بنائیں گے ۔

(۸) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ　　اور ہم تم سب سے مرنے والے کے
مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۔　　قریب ہیں مگر تم جانتے نہیں ۔

اور یہ لوگ یہ معنی کریں گے "اور ہم تم سب سے مرنے والے کے وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو مگر تم جانتے نہیں" باللہ نعوذ باللہ ۔

(۹) وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ ... دَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ ... إِنَّا نَصَارَىٰ

اور سب کافروں میں سے محبت میں زیادہ قریب مسلمانوں کے لیے تم ان کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔

اور یہ لوگ یہ معنے کریں گے "اور سب کافروں میں محبت میں وہ میت جس کے وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو مسلمانوں کے لیے تم ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں"۔ کیا محبت کے مردے مسلمانوں کے کام آئیں گے۔

(۱۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ... نُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ ... وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ ... أَقْرَبِينَ

اے ایمان والو عدل قائم کرنے والے ہو اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو اگرچہ اپنے خلاف ہو یا والدین یا [illegible] کے۔

اور ان لوگوں کے قول پر یہ معنے ہوں گے "اگرچہ اپنے خلاف ہو یا والدین یا ان میتوں کے جن کے اور وارث کے درمیان کوئی موجود نہ ہو"

(۱۱) لیکن مرزا غلام احمد آنجہانی نے اپنی روش پر چلنے والوں کے لیے خصوصاً احمد ثانی پرویز ایں جہانی کے لیے اپنے موقعوں کے واسطے ایک بڑا چھکا مار دیا کہ کہہ دیا ہے کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں ایسا لفظ آیا ہوا ہو سب جگہوں کو ... ایسی شرطیں تصنیف کر کے کہ جو سوائے اس خاص ایک جگہ کے کہیں نہ پائی جاتی ہوں لکھ دیا جایا کرے کہ یہ سب بے قاعدہ جو قرآن مجید میں معمول رہا اس لیے معنی رہی ہیں جو ہم کہتے ہیں پھر جو چاہے معنی کہہ دو وہ شرطیں کسی

اور قرآنی لفظ میں پائی نہ جائیں گی، اس کے خلاف قرآن مجید میں کوئی لفظ نہ
قرآنی قاعدہ کہنے سے لوگوں پہ اثر پڑ جائے گا اپنا داؤ چل جائے گا تو
کسی وقت یہ ہتھیار بھی استعمال کیا جائے تو میں پیشگی عرض کرتا ہوں کہ اگر
میراث ہی کے بیان میں لفظ اقرب کے یہ معنی بلا کسی ثبوت بلکہ ثبوت کے
ہونے کے کوئی جاری کرنے لگے تو بھی قرآن شریف اس کی تردید کرتا ہے
کیونکہ لفظ اقرب والی آیتوں میں (۱) آیت میراث ہی کی ہے، اور اگر کہا
کہ نہیں حضرت ای آیت میں یہی معنے ہیں اور بلا دلیل ہیں تو میں عرض کرو
کہ قرآن شریف اس کی بھی تردید کرتا ہے۔

دیکھیے بھائی بہن سے جو قرابت ہے وہ ماں باپ کے واسطہ سے
بلا واسطہ نہیں تو اقرب کی اس تحریف پر کہ میت اور وارث کے درمیان
موجود نہ ہو ضروری ہوگا کہ اگر ماں موجود ہو تو بھائی وارث نہ ہو اور ماں
بھائی وارث ہو اور یہ قرآن شریف کے حکم کے خلاف ہے اس لیے یہ
معنے مردود ہیں۔

سورت کے آخر میں ہے کلالہ کے بیان میں کلالہ وہ ہے جس کے
نہ ہو اولاد ہو گو ماں زندہ ہو۔

لوگ آپ سے فتویٰ چاہتے

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ — کہہ دیجیے اللہ تم کو کلالہ (جس کا با
يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا — کے بارہ میں فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر
هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ — مرجائے اور اس کے اولاد
اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ — اس کی ایک بہن ہو تو بہن کو

وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۔

کا نصف ہے اور مرد بہن کا کل کا وارث ہے اگر بہن کے ولد نہ ہو اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا دو تہائی ہے ترکہ کا اور اگر مذکر مونث بہن بھائی ہوں تو مذکر کا دو مونث کے حصہ کے برابر ہے۔

(۱۲) ولد کی تحقیق میں عرض کیا تھا کہ جس آیت میں اقربون کا لفظ ہے والدان کے بعد حرف عطف و کے بعد ہے اس لیے اقرب کے اندر دادا داخل ہوں یعنی والدین بھی داخل ہوں تو عطف کا اقتضاء مغایرت فوت ہو جائے گا اور لفظ والدین زائد ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے کلام کے شایانِ شان نہیں اس لیے اس آیت کے لفظ اقرب کے کسی فائدہ کا تعلق دادا پوتے سے ہو ہی نہیں سکتا۔

ان جعلی معنی کے جواز کے لیے پمفلٹ میں بعض مجبوریاں پیش کی ہیں کہ اگر مشہور (یعنی صحیح) معنی لیں گے تو میراث کے فلاں فلاں فقہی مسئلے غلط ہو جائیں گے اس لیے یہ معنی ضروری ہیں۔ میں "اعتراض کا جواب" کے عنوان میں عرض کروں گا کہ یہ خود ان کی کم فہمی پر مبنی ہے یا غلط بیانی اور دھوکہ دہی ہے اگر وہ بات کچھ وزن بھی رکھتی ہو تو فقہ والے اسے خود دیکھ لیں گے جواب کی فکر کریں گے آپ کے معنی کے لیے توضیحت کی ضرورت ہو گی بلا دلیل تو فقط تحریف ہی رہے گی اور فرض کر لیجیے کہ کسی کے ذہن بلکہ واقع میں بھی اگر فقہی مسئلے ٹوٹتے ہوں تو یہ بات قرآنی لفظ کے ایسے معنی کے لیے سندِ جواز کب ہو سکتی ہے جن کا کوئی ثبوت یا تائید نہ ہو اور دعویٰ یہ کہ ہم قرآن پر عمل کرتے ہیں اور ساری امت منکرِ قرآن، کیا فقہ کے

مسئلہ کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے قرآن کے لفظ یا معنی کو توڑنا جائز ہو سکتا ہے؟

مگر تحریفات کی دلیل کے دونوں جزوں کو آپ نے غور سے دیکھ لیا اور پوری دلیل کی حقیقت سمجھ لی ہوگی۔ اس طرح کے بے سر و پا معنے گھڑ گھڑ کے ان سے ایک مسئلہ بنایا گیا ہے اور اس کو طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ "یہ ہے قرآن کا قانون"۔ اب آپ ہی اپنے دل سے انصاف کی بات پوچھ لیں کہ یہ قرآن کا قانون ہے یا یہ ان کی اپنی گھڑی بات کا قرآن مجید پر تہمت ہے بلکہ ایجادِ ذاتی کو ہی قرآن نام دیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کی تحریف کی ایک صورت جس کو قرآن شریف میں بیان فرمایا گیا ہے۔ غور سے دیکھیے ایمان اور علم کی روشنی میں دیکھیے انصاف سے کام لیجیے اور

ایک طرف اس کو پڑھیے دوسری طرف ان لوگوں کی تحریف دیکھیے:-

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ...... وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

اور یہودیوں میں ایک فریق ہے جو بل دیتا ہے اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تاکہ تم اس کو اللہ کی کتاب کا سمجھو حالانکہ وہ اللہ کی کتاب کا نہیں اور وہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کے یہاں کا حکم ہے حالانکہ وہ اللہ کے یہاں کا حکم نہیں اور اللہ پر جھوٹ تہمت لگاتے ہیں حالانکہ جانتے بوجھتے ہیں۔

(آل عمران ع ۸)

اور اس آیت کو پڑھیے :-

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ	ہلاکت ہو اُن کی جو کچھ لکھا اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے یہاں سے ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑا مال لے لیں
فَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْھِمْ وَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ ۔ (البقرہ رکوع ۹)	تو ہلاکت ہو اُن کی اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ہلاکت ہو اُن کی اس کی وجہ سے جو یہ کماتے ہیں ۔

طلوعِ اسلام اور مرکز تحریفات القرآن کا یہ فعل ان دونوں آیتوں کے مضمون سے کتنا قریب ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے ۔

اگر آپ ان کی اس دلیل کے دونوں جزوں کو ان کے صحیح معنے میں لیں یعنی دونوں کی صحت پر قرآن اور اصولِ زبان کی دلیلیں بھی قائم ہیں تو یہی اُن کی دلیل اس بات پر ایک نہیں دو دلیلیں بن جاتی ہیں کہ بیٹے کے ہوتے پوتا قطعاً وارث نہیں ہوتا ۔

۱۔ حقیقی ولد (بیٹے) کے ہوتے مجازی ولد (پوتا) اولادِ ذکر میں داخل نہیں ہوسکتا اور وارث نہیں ہوسکتا ہمارے (۱) میں یہی ہے ۔ ۲۔ قریب ترین عزیز وارث ہوتا ہے دور کا نہیں تو بیٹا ہی قریب ترین ہے بلا واسطہ ہے اور پوتا قریب تر نہیں کہ واسطے سے ہے ہمارے (۳) عصبات والی آیت میں اس کی ذرا تفصیل مل جائے گی ۔

مسلمانوں کے دلائل کے جواب کی حقیقت

مرکز تحریفات نے اہل اسلام کے ان دلائل پر بھی کچھ گفتگو کی ہے جو وقتاً فوقتاً مسلمان اہل علم بیان کرتے رہتے ہیں ان گفتگوؤں کی حقیقت بھی ناظرین کے سامنے رکھ دی جائے تو بہتر ہو۔

(۱) "طلوع" جنوری ۱۹۵۶ء صـ اجماع کہ جس پر ہمارے ثبوت سلسلہ کے (۷) میں گفتگو ہے مولانا محمد داؤد غزنوی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا ابوالقاسم دلاوری کی طرف سے اس کا پیش کرنا بیان کرکے جواب میں لکھا ہے

> "یہ بعینہٖ وہی دلیل ہے جسے قرآن نے تمام انبیائے کرام کے تذکار جلیلہ[1] کے سلسلہ میں بار بار دہرایا ہے یعنی جب، وہ ان سے کہتے تم خدا کی وحی کا اتباع کرو تو وہ جواب میں کہتے حسبنا ما وجدنا علیہ آباءَنا کہ نہیں ہم خدا کی وحی پر چلنا نہیں چاہتے جس مسلک پر ہمارے اسلاف چلے آرہے ہیں ہمارے لیے وہ مسلک بالکل کافی ہے۔ قرآن نے اس مسلک کی بار بار تردید کی ہے اور کہا ہے کہ کسی بات کے صحیح ہونے کی یہ کوئی دلیل نہیں کہ وہ اسلاف سے چلا آرہا ہے اور قوم اس پر متفق ہے دلیل اور سند خدا کا قانون ہے اگر وہ بات خدا کے قانون کے مطابق ہے تو صحیح اور اگر اس کے خلاف ہے تو غلط ہے۔"

---

[1] یہ لفظ غالباً غلط چھپ گیا ہے تذکرات ہوگا جو تذکرہ کی جمع ہے یا پھر جلیل ہوگا کیونکہ تذکار گو اردو میں استعمال نہ ہو پھر بھی واحد ہے اور مذکر ۱۲ ج

اس کا حاصل یہ ہے ملا گویا اجماع امت کا یہ مفہوم ہے (الف) وہ مسلک جس پر اسلاف چلے آ رہے ہوں (ب) یا وہ اسلاف سے چلا آ رہا ہو (ج) قوم اس پر متفق ہو۔

ملا یہ خدا کی وحی کے خلاف ہے اور اجماع والے اور اجماع کو ماننے والے گویا یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی وحی پر چلنا نہیں چاہتے۔

ملا اجماع کا اتباع کرنا کافروں کے اس کہنے کے مشابہ ہے وجدنا کے مشابہ ہی نہیں ہے بعینہ وہی کہنا ہے۔

درمیان میں ابوالقاسم دلاوری صاحب کے مضمون سے اجماع کے حق اور دلیل شرعی ہونے کی احادیث نقل کر کے جواب میں لکھا ہے۔

"ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر اس سے پہلے اُمت کو یہ حق حاصل تھا کہ اگر وہ کسی مسئلہ کے متعلق غور و فکر کے بعد کسی مسلک کو اختیار کر سے تو وہ مسلک صحیح قرار پا جاتا تھا تو اس اُمت کو آج اس حق سے کیوں محروم کیا جا رہا ہے"

اس کا حاصل یہ ہے (د) گویا اجماع امت یہ ہے کہ امت کسی مسئلہ کے متعلق غور و فکر کے بعد کسی مسلک کو اختیار کر لیتی ہے اور وہ مسلک صحیح قرار پا جاتا ہے یعنی چاہے غلط ہی ہو۔

ملا اگر اجماع کا حق پہلے تھا تو اب کیوں نہیں۔

آگے ہے۔

"اگر آنے والی اُمت نے پہلے فیصلوں پر آنکھ بند کر کے چلا جانا تھا تو

قرآن کو قیامت تک محفوظ رکھنے سے کیا فائدہ تھا ذرا سوچیے کہ اگر آج ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ ہم قرآن کی روشنی میں خود کوئی فیصلہ کرسکیں یا جو فیصلے اس سے پہلے ہو چکے ہیں انہیں قرآن کی کسوٹی پر پرکھ سکیں تو قرآن کی موجودگی سے ہمیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

ع۵ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجماع کو درست مانا جائے تو قرآن کا کوئی فائدہ نہ رہے گا۔

ع۶ اجماع کو قرآن سے پرکھنا ضروری ہے ورنہ قرآن سے کیا فائدہ؟

اس کل عبارت میں اجماع کی تعریفیں چار عدد ہیں اور چھ دلیلیں اجماع کے ناقابل عمل ہونے کی بیان ہوئی ہیں۔

ع۷ پمفلٹ کے ص ۵ پر اسلم صاحب جیراجپوری کے مضمون کا جزء ہے بڑے بڑے فقہاء و علمائے امت کی مخالفت کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے

"علمائے امت نبی تو نہیں کہ معصوم ہوں چنانچہ خود ان میں باہم بے شمار اختلافات ہیں قطعی حجت صرف کلام اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی ہیں اور بس۔ قرآن و حدیث دونوں متبنی بیٹے کی اولاد کو قطعاً محروم نہیں کرتے"

حاصل یہ ہوا کہ اجماع والے معصوم نہیں اس لیے اجماع حجت نہیں، یہ ساتویں دلیل ہوئی، اب نمبر وار ہر ایک کی حقیقت معلوم کیجیے پھر آپ کو اختیار ہے چاہے اس کو غلط فہمی قرار دیں یا دھوکہ بازی۔

(الف تا د) اجماع کی ان چاروں تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غلط فہمی سے یا قصداً کسی پوشیدہ غرض سے یہ لوگ اجماع کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے یا

نہیں پہنچ سکتے۔ مسئلہ کے ثبوت (۷) میں جو عرض کیا گیا ہے اس کو پھر ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اجماع اور چیز ہے اور اتفاقِ رائے اور چیز۔ اجماع کا مفہوم سامنے رکھیے تو معلوم ہوگا کہ وہ شرعی دلیل ہے کوریا میں جنگ بند کرنے اور جاری رکھنے پر اتفاقِ رائے کی طرح نہیں۔

اجماعِ امت اور چیز ہے اور کسی مسئلہ کو ویسے ہی از خود اپنی رایوں سے طے کر لینا اور چیز ہے۔ اگر اجماع محض اتفاق رائے یعنی اپنی اسکیموں اور رایوں سے کوئی مسلک تجویز کر لینا ہوتا تو یہ ساری تقریر اس پر چسپاں ہو سکتی تھی لیکن ثبوت مسئلہ کے (۷) میں عرض کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اطراف متفرق اقوال، گوناگوں احتمالات، طرح طرح کے طرقِ استدلال اور ان کی ترجیحات کے دلائل پر دلائل، قرائن پر قرائن اس طرح ہجوم کر آتے ہیں کہ واضح مفہوم کے تعین میں دشواریاں پیش آتی ہوں تو امت کے وہ اہلِ علم جن کا مقام علوم و فنون متعلقہ میں بڑا زبردست پایہ ہو، دین و امانت، تقویٰ و طہارت، خلوص و للہیت، خوف و خشیت، نسبت مع اللہ میں یکتائے عصر ہوں، وہ سب ایک صورت کے راجح ہونے پر اتفاق کر لیں تو یہ اجماع ہوگا جو قرآن و حدیث ہی کے مفہوم پر ہوگا۔ چنانچہ جب کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث کا صاف و صریح حکم ملے گا یہ احتمالات نہ ہوں گے وہاں اجماع کی ضرورت ہی نہیں اور نہ کسی ایسے مسئلہ کے خلاف اجماع ہو سکتا ہے نہ ہوا ہے نہ معتبر ہے۔ اس شرعی اجماع کو اتفاقِ آراء سے تعبیر کر کے لوگوں کے ذہن میں یہ کو بٹھانا ایک قسم کا دھوکہ معلوم ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی تدریکات سے قطع

ہوتا ہے کہ اجماع ایک قطعی و یقینی دلیل ہے اس کی وجہ سے وہ مفہوم قطعی و یقینی ہو جاتا ہے اب اس سے انکار کرنا ایمان میں خلل ڈالتا ہے۔

ثبوت مسئلہ (۷) میں ایک آیت پیش کر چکا ہوں:۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ الآیۃ جو مسلمانوں کی راہ کے سوا دوسری چیز کی پیروی کرے گا ہم اس کو اسی کا مختار بنا دیں گے جس کو اس نے اختیار کیا ہے اور اس کو جہنم میں ڈال دیں گے اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ تم ہر امت سے بہترین ہو جو لوگوں میں ظاہر کی گئی۔

اگر ساری امت کے ممتاز علماء مل کر بھی خیر کو نہ پہنچ سکے تو امت کی خیریت کیا ہوئی؟ اس لیے جب امت کسی مفہوم کی ایک شق پر جمع ہو گی تو خیر امت کا جمع ہونا خیر ضرور ہو گا۔

ہم سب مسلمان دن رات میں کم سے کم بتیس (۳۲) مرتبہ یہ دعا مانگتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

(ہم کو ہدایت دیجیے سیدھے راستہ کی، ان لوگوں کے راستہ کی جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے) وہ لوگ کون کون ہیں جن پر انعام فرمایا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۝ یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ انبیاء۔ صدیقین، شہداء، صلحاء۔

لہذا ہم لوگ دن رات یہی دعا کرتے ہیں کہ ہم کو انبیاء خصوصاً حضور صلعم اور

صدیقین اور شہداء و صلحاء کے سیدھے راستہ کی ہدایت ہو کہ جو ان کا راستہ ہے وہی سیدھا ہے اور جو کچھ حضورؐ کے ارشادات سے صدیقین اور شہداء و صالحین کے اجماع سے حاصل ہو گیا ہے وہ ہماری دعا کی منظوری ہے اس سے ہٹ جانا سیدھی راہ سے ہٹنا ہے اس کی پیروی کرنا فرض ہے۔

پھر ثُمَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (پھر ہمارے ذمہ ہے قرآن کا بیان) اللہ تعالیٰ نے قرآن کا بیان بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے، اب ان آیتوں کا کھلا بیان ہے حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالۃ "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی" اور حدیث ید اللہ علی الجماعۃ "جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے"۔

اب اجماع کے خلاف کرنے اور اس کا منکر ہونے کا کیا درجہ ہونا چاہیے آپ ہی سوچ لیجیے۔

بے شک جو شخص یہ کہے کہ ہم خدا کی وحی پر چلنا نہیں چاہتے اور جو شخص وحی کے خلاف کسی راستے پر یا اتفاق پر چلے اس کو جو کچھ کہہ دیا جائے کم ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ اجماع کے متعلق کیسے کہا جا رہا ہے؟ اجماع تو وحی کے خلاف جائز ہی نہیں بالکل معتبر ہی نہیں نہ کبھی ایسا ہوا ہے نہ اب ہو سکتا ہے، اجماع کے مفہوم کو ذہن میں لیجیے اور اس کو اتفاق رائے محض سے امتیاز دیجیے اس کے مساوی درجہ پر نہ رکھیے ایسی بے انصافی کی بات ایسی دھوکہ اور پراپیگنڈے کی بات علم والوں کے مناسب نہیں۔ اجماع تو خود وحی کا مفہوم ہے، اجماع کرنے والے اور اس کو ماننے والے تو وحی کا اتباع

صحیح معنی میں کر رہے ہیں دوسرے لوگ نام وحی کے اتباع کا ذکر کر دیتے ہیں اور اتباع کرتے ہیں شیطانی وسوسوں کا نفسانی خواہشوں کا۔ ہاں اجماع کو ماننے والوں کا یہ قصور ضرور ہے کہ وہ ساری امت کے سمجھے اور مانے ہوئے مفہوم کے یعنی وحی کے مخالف تحریف کرنے والوں کے خود ساختہ مفہوم کو مردود ضرور قرار دیتے ہیں جو ہر ایمان والے کو کرنا چاہیے، جو لوگ وحی کے اصلی مفہوم کو چھوڑ کر خود ساختہ مفہوم لے رہے ہیں ایسے تو وہ ہیں کہ غیر وحی کو وحی کی طرح مانتے اور منواتے ہیں ذرا غور تو کیجیے۔

۳۔ کیسی غلط بات ہے کیسا دھوکہ ہے، کیسی بے جا جرأت ہے۔ کہاں ساری امت محمدیہ خیر الامم کا قرآن و حدیث کے لفظوں کی ایک شق پر اجماع کہاں کافروں کا رسوم جاہلیت پر جمود اور نبی و حکم نبی کی تکذیب کیسی بے غیرتی سے اس کو "بعینہٖ" وہی کہا جا رہا ہے، اس دھوکہ کا کیا ٹھکانا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو سبیل مومنین کے خلاف پر جہنم کا عذاب فرما کر اس کا اتباع فرض کریں، مجموعی امت کو خیر فرمائیں، صلحاء کے راستہ کو انعام والوں کا اور سیدھا راستہ فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو گمراہی سے کوسوں دور بتائیں اور آپ اس کو کلمات کفر کا بعینہٖ ہونا کہیں ذرا تو عقل سے کام لیا جائے ذرا تو شرم و حیا کا پاس ہونا چاہیے۔

بلکہ یہ بات تو ان عقل پرستوں پر صادق آرہی ہے جو اپنی ٹیڑھی عقل میں کسی بات کو دور کی بات دیکھتے ہیں تو وحی اور صاحب وحی سب کا انکار کر دیتے ہیں یا اس کو غلط سلط معنے پہنانے لگتے ہیں خصوصاً ان لوگوں پر جو صرف ایک شخص

عبداللہ چکڑالوی یا اسلم جیراجپوری کی ایک بالکل غلط قرآن و حدیث اور عقل کے خلاف بات پہ جمتے ہیں اور ہر دلیل سے آنکھیں بند کر کے وحی سے منہ پھیر کر اسی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ ساری امت اوّل سے آخر تک چلا رہی ہے بتا رہی ہے کہ خدا کی وحی یہ ہے یہ ہے مگر وہ لوگ جو اس غلط روش والے کی غلط پوجا کے عادی ہیں وحی کو نہیں سن رہے ہیں منہ پھیرتے اور ناک چڑھاتے ہیں۔ وحی کے خلاف تو یہ کر رہے ہیں۔

۴ے یہ کس نے کہا ہے کہ امت کو اب حق نہیں رہا لیکن ذرا خیال کرنے کی بات ہے کہ اسمبلی کے ممبروں کیلئے ہی نہیں بلکہ ممبران کو ووٹ تک دینے کے لیے تو کچھ شرطیں ہیں ہر شخص کو ووٹ کا حق حاصل نہیں تو کیا ایسے اہم کام کے لیے جو دین کا جز ہو حقوق عباد سے متعلق ہو۔ ثواب و عذاب نجات و تباہی کا مدار ہو اس کے خلاف کی پیروی پر جہنم رسید ہونا معلوم ہو رہا ہو اور ضلال و ہدایت کا معیار ہو، کیا اس کے لیے کوئی شرط نہ ہو گی۔ سب سے پہلی شرط تو یہی ہے کہ قرآن و حدیث میں وہ حکم صاف نہ موجود ہو دوسرے یہ کہ ان زمانوں میں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے قرب حاصل ہے اور حضورؐ نے خود ان کو خیر القرون فرمایا ہے ان کے کسی ایسے شرعی اجماع کی مخالفت نہ ہو تیسرے تمام علوم متعلقہ کی مہارت اور دیانت و تقویٰ و طہارت میں بے مثال ہو تو آج بھی ساری امت کے علماء و صلحا کو یہ حق حاصل ہے مگر نقل پرستوں اور یورپ زدوں کو نہیں۔ اور حق بھی اتباع کا ہی حاصل ہو گا کہ مجوم احتمالات میں کسی احتمال کو ساری امت متفق ہو کر راجح قرار دے نہ اس کا کہ بے اصل بنے گھڑ گھڑ کے حضورؐ کے صحیح ارشادات کے خلاف خود آیات کے خلاف اور ان کے نہ ہونے کے خلاف جن کی صحت پر نقل و عقل دلائل

موجود ہیں بے سروپا معنے گھڑ کر مخالفین اسلام کے ڈالے ہوئے شبہات کو صحیح تسلیم کرکے احکام الٰہی و ارشادات رسول اللہؐ میں رد و بدل کرنے پر اتفاق کر لیا جائے یہ تو وہ کام ہوا جس کے لئے ارشادِ الٰہی ہے وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ اور کون زیادہ گمراہ ہو سکتا ہے اس سے جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے۔

ف ۵ یہ کیسی بچوں والی بات کہہ ڈالی گئی ہے کہ قرآن مجید کے کسی لفظ یا حکم میں بہت سے احتمالات ہوں اور کل امت نے کسی ایک کے دلائل و قرائن کو مضبوط دیکھ کر اُس کو متعین کر لیا ہو تو اگر اُس کو مان لیا جائے تو قرآن کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہا اور ان کے خلاف نفسانی و شیطانی وسوسوں پر ڈھال ڈھال کر قرآن اور اس کے معنوں کو توڑ موڑ کر یورپ سے سیکھے ہوئے نظریات پر منطبق کرنا یہ قرآن کا فائدہ قرار دیا جا رہا ہے اس کا تو مطلب یہ ہو گیا کہ اگر الفاظ کا صحیح مفہوم یعنی اجماعی مفہوم لیکر مسئلہ کو معلوم کیا جائیگا تو قرآن سے فائدہ حاصل نہ ہوگا اور غلط سلط بالکل بے اصل اصول و لغت سے بھی الگ کا کوئی مفہوم لیا جائے تو فائدہ ہوگا یا اس کو یہ کہہ لیا جائے کہ تحریف معنوی کی جائے تو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں اس کو ناظرین خود دیکھ لیں کہ یہ کیسی وزن دار بات ہے۔

ف ۶ اجماع ہوتا ہی ہے نص کے مفہوم کے لیے لیکن پھر بھی یہ کہنے کو منع کون کر سکتا ہے، ہاں ایک شرط ضرور قابلِ لحاظ ہوگی کہ پرکھ کی صلاحیت بھی ہو اور اس کے لیے جس قدر علوم و دیانت کی ضرورت ہے وہ حاصل ہو یہ نہ ہو کہ

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

ف ۷ یہ بات تو بچوں کے درجے سے بھی گری ہوئی ہے کچھ اور کمزور رہ گئے بہت سے مل مل کر مضبوط رسی بن جائیں، قطرہ قطرہ مل کر دریا ہو جائے مگر علم و دین رائے

مل مل کر ساری امت کا اتحاد و اجماع کیا دھا گر اور قطرہ کا قطرہ ہی رہتے اگر یہ فلسفہ عقل میں نہیں آتا تو آیت و حدیث سے ہی اس پر یقین کر لیا جائے کہ اللہ و رسول نے اسے معتبر اور واجب العمل کہا ہے تو یہ ایمان کی قوت کی علامت ثابت ہو۔ ذرا سا بھی عقل سے کام لیا جائے تو معلوم ہو کہ یہ قول کتنا پوچ ہے۔ دیکھئے آج اتفاق کے ساتھ سب لوگ کہتے ہیں کہ پیرس کوئی شہر دنیا میں موجود ہے یا ایٹم کی طاقت کا وجود ہے تو گو ہر ایک شخص میں جھوٹ کا بھی احتمال ہے مگر سب کی اتفاق رائے یا مشاہدہ کے بیان کو ساری دنیا یقینی صحیح مان لے تو اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں ہو سکتا لیکن خیر الامم جیسی معزز ترین امت قرآن کے مفہوم پر جمع ہو جائے تو آج کل کے دین سے ناواقف یورپ زدہ عقل پرستوں کے دو چار کے مقابلہ میں بھی وہ بات یقینی نہ ہو سکے اب ایسی عقل کا ماتم نہ کیا جائے تو کیا کیا جائے۔ تسلیم کہ ہر فقیہ معصوم نہیں مگر یاد رکھیے کہ امت کا تمام مجموعہ عقل و نقل کی دلیلوں سے معصوم ہی ہے۔

(۴) قرآن مجید کے دو لفظوں پر اس مسئلہ کا دارو مدار زیادہ ہو رہا ہے (الف) ولد کے معنے (ب) اقرب کے معنے مسئلہ کے ثبوت کے ... اور غیرہ میں اور "مرکزی تحریکات کی دلیل" کے ملا و ملا میں آپ نے پڑھ لیا ہوگا ذرا تفصیل سنیئے۔

(الف) لفظ ولد بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی، سکڑ پوتا سکڑ پوتی تا قیامت کے سلسلہ پر بولا جاتا ہے۔ اب مسلمانوں کا کہنا یہ ہے کہ بیٹا بیٹی تو اس لفظ کے حقیقی و اصلی معنی ہیں ولد (جنا ہوا) حقیقی اور بلا واسطہ جن ہیں۔ پوتا

پوتی وغیرہ بواسطہ ولد (جنے ہوئے) ہیں وہ مجازی معنی ہیں اور اصولِ زبان کے معیار
قرآنی مدلول اور تمام امت کے اتفاق سے ثابت کیا گیا ہے کہ حقیقی معنے . . . . .
کے وجود کے وقت مجازی معنی عربی میں کیا دنیا بھر کی زبان میں مراد نہیں لیے جا سکتے
اس لیے بیٹے کی موجودگی میں لفظ ولد سے پوتے کو مراد نہیں لے سکتے لہذا نہ یہ
ولد میں داخل ہے نہ آیت کے حکم کے تحت میں آکر میراث کا حقدار ہو سکتا ہے،
اور ان لوگوں کا قول یہ ہے کہ ولد کے معنی بیٹا بیٹی بھی حقیقی ہیں اور پوتا پوتی بھی
حقیقی لہذا دونوں بیک وقت مراد ہیں۔ لیکن ان کا یہ کہنا دو وجہ سے بالکل غلط ہے
ایک تو اس لیے کہ زبان کے معیاری اصولوں سے ایک معنی کا حقیقی دوسرے معنی کا
مجازی ہونا اور جب تک حقیقی معنی کا وجود ہو مجازی معنی کا مراد نہ ہو سکنا ثابت ہے جس کا
ثبوت مسئلہ (۱) میں اور مرکزی تحریفات کی دلیل کے ع۲ میں دکھایا جا چکا ہے،
ان لوگوں نے جن عبارتوں سے دونوں کو حقیقی معنے ہونا ثابت کرنا چاہا ہے ان
سے یہ ثابت نہیں ہوتا " طلوعِ اسلام" میں فتح الباری اور شریفیہ کی عبارتوں کا
جو ترجمہ نقل کیا ہے جو اس کی عبارت کے اقتباس میں پہلے گذر چکا ہے وہ ترجمہ تو
صحیح ہے مگر اس سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولد کا لفظ بیٹا بیٹی، پوتا پوتی
وغیرہ سب کے لیے بولا جاتا ہے اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حقیقت مجاز ہو کر بولا
جاتا ہے یا دونوں حقیقی معنی ہیں ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں معنی یعنی بلا واسطہ
اور بواسطہ پر بولا جاتا ہے مگر بلا واسطہ اولاد حقیقی ولد ہے اور بواسطہ مجازی جو اصول
زبان کے معیاروں پر پرکھ کر دکھایا جا چکا ہے، اور آیت سے ثابت کر دیا گیا ہے
پھر ان معنی پر تمام علمائے امت کا اتفاق ثبوت کے (۱) میں نقل کر دیا ہے مگر اس

تہمت کا کیا علاج کہ پمفلٹ ص۴۲ پر ہے کہ "آیت توریث میں جہاں جہاں بھی ولد کا لفظ آیا ہے، ہر جگہ بالاتفاق فقہاء نے نیچے تک تمام اولاد نر و مادہ کو اس میں داخل سمجھا ہے" حالانکہ اثبات میں حقیقی مراد ہوتا ہے۔ حقیقی نہیں ہے تو مجازی ولد اور ایک وقت میں سب کہیں مراد نہیں اور نفی میں سب کی نفی ضرور ہے۔ یہ محض بے اصل تہمت ہے فقہاء نے کہیں ایک دم سب کو مراد نہیں لیا۔

ہاں تفسیر خازن اور ابوبکر ابن العربی کے احکام القرآن کی جو عبارتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے اس سے دونوں معنی کے حقیقی ہونے کا شبہ ڈال دیا گیا ہے لیکن افسوس، کہ ان دونوں کتابوں میں یہ بات موجود ہی نہیں ان کے ترجمے ہی غلط کر دیے گئے ہیں، عقل بالکل کام نہیں کرتی کہ پڑھے لکھے آدمی ایسی غیر ذمہ دارانہ بلکہ بددیانتی کی بات کیسے کر گزرتے ہیں۔ تفسیر خازن کی پوری عبارت یہ ہے البتہ جتنا ترجمہ طلوع اسلام میں اور جتنی عبارت و ترجمہ پمفلٹ ص۴۴ پر کیا گیا ہے اس کے اوپر خط کھینچ دیا گیا ہے ج ۱ ص۴۱۱ آیت وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ (اور بیویوں کے لیے چوتھائی ہے ترکے کا اگر تمہارے ولد نہ ہو) کے تحت میں ہے۔

اعلم ان الواحدة من	معلوم کرو کہ بیویوں میں ایک ہو تو
النساء لها الربع او الثمن	اس کے لیے چوتھائی ¼ یا آٹھواں ⅛ حصہ ہے
وكذلك لو كن اربع زوجات	اور ایسے ہی ہے اگر چار بیویاں ہوں تو چار وں
فهن يشتركن فى الربع او	اس چوتھائی یا آٹھویں میں شریک ہوں گی
الثمن واسم الولد يطلق على	اور ولد کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے

الذکر والانثیٰ ولافرق بین	بولا جاتا ہے اور اس میں اولاد اور بیٹے کی اولاد اور بیٹی کی اولاد
الولد وولد الابن وولد البنت	میں کوئی فرق نہیں اور برابر ہے کہ اولاد اس کی
فی ذٰلک وسواء کان الولد للرجل	اسی بیوی سے ہو یا دوسری سے۔
من الزوجۃ او غیرھا۔	

اول تو اس عبارت کے لفظ فی ذٰلک (اس میں یا اس بارہ میں) سے اشارہ اس پر کہ لفظ سب پر یکساں حقیقی معنے سے بولا جاتا ہو سکے ہی نہیں بلکہ اس مسئلہ کی طرف ہے کہ ولد کی موجودگی میں آٹھواں حصہ ہونے میں بیٹا بیٹی، بیٹے کی اولاد اور بیٹی کی اولاد میں کوئی فرق نہیں ان میں سے کوئی بھی موجود ہوگا تو بیوی کا حصہ چوتھائی کی جگہ آٹھواں ہو جائے گا اگلی پچھلی عبارت ملا کر پڑھنے پر آپ خود محسوس کریں گے کہ مفسر کا مقصود حقیقی و مجازی فرق نہ ہونے کو بیان کرنا نہیں نہ حقیقت و مجاز کا کوئی ذکر ہے نہ کسی ایسی بات کا اثبات ہے نہ نفی ہے یہ کہنا کہ برابر ہے کہ ولد اس بیوی سے ہو یا دوسری سے صاف بتلاتا ہے کہ حکم میں فرق نہ ہونا ہی بیان کرنا ہے اور حکم میں برابر ہونا بتاتا ہے۔ فی ذٰلک کا ترجمہ "اس میں" کر دیا گیا ہے تو اگلی پچھلی عبارت کے خلاف بے محل بات کا وہم پیدا کر دیا ہے لیکن خالی وہم پیدا ہو جانا کوئی اس کی دلیل ہو بھی نہیں سکتا کہ مقصود یہ ہے کہ لفظ ان سب معنی پر حقیقی طریقے سے بولا جاتا ہے اور اگر فی ذٰلک کا ترجمہ "اس حکم میں" کیا جائے تو ترجمہ صحیح اگلی پچھلی عبارت اور آیت کے حکم کے لیے برمحل ہوتا ہے۔ خیال تو کیجیے اگر مفسر کا مقصود ہو کہ حقیقت مجاز ہونے کا یہ خیال غلط ہے حقیقتاً لفظ کے بولے جانے میں اولاد بیٹے کی اولاد وغیرہ میں فرق نہیں سب برابر ہیں تو ایک بیوی یا دو بیوی سے

اولاد ہونے کو اس میں کیا دخل ہے ؟ گول لفظ سے ترجمہ کرکے آگے پیچھے کی عبارت کے خلاف اور بے جوڑ بات بنا لینا کوئی اچھی بات نہیں معلوم ہوتی، اگر خازن کے مصنف کو لفظ ولد کے معنی کا بیان کرنا مقصود ہوتا تو سب سے پہلے جہاں قرآن مجید میں میراث کے لیے لفظ ولد آیا ہے وہاں اس کو بیان کیا جاتا یہاں کلالہ کے مسئلہ میں قریب یا اخیر میں کیوں بیان کیا جاتا۔ رہا خود یہ مسئلہ جو خازن کے ان لفظوں سے نکل آتا ہے کہ بیٹی کی اولاد اگر ہو یعنی نواسا نواسی ہو تو بہن کو ۱/۲ حصہ نہ ملے گا تو یہ مسئلہ صحیح نہیں، دوسری تفسیروں نے خازن کی عبارت کو صحیح قرار نہیں دیا، مصنف شافعی ہیں جن کے اسلاف کے قواعد میں ذوی الارحام بالکل وارث ہی نہیں اور متاخرین کے اور حنفیہ کے نزدیک ذوی الفروض اور عصبات کی موجودگی میں وہ وارث نہیں خود خازن نے ج ۱ ص ۴۰۲ پر کل عمر مرد اور ساتوں عورتیں ذوی الفروض وارث گنائے ہیں اور ان میں نواسا نواسی نہیں اور ص ۴۰۹ پر ماں باپ کے حصوں کے تحت میں ولد کا مصداق یہ بیان کیا ہے الولد و ولد الابن یعنی بیٹا بیٹی اور پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی، بیٹی کی اولاد کو اس میں داخل نہیں کیا ہے تفسیر صاوی نے خازن کے اس بیان کو غلط قرار دیا ہے (لم یقل کالخازن ولد الولد لانہ یشمل اولاد البنت وھو غیر صحیح جلالین نے خازن کی طرح ولد الولد نہیں کہا کیونکہ وہ بیٹی کی اولاد کو بھی شامل ہو جاتا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے) صاوی ج ۱ ص ۱۹۵۔ تفسیر خازن کی غلطی کو مفسروں نے بتا بھی دیا اور پھر خود ان کے دوسرے کلام اور ان کے خود کے مذہب کے خلاف ہونے سے بھی اس کا سہو ہونا معلوم ہو رہا ہے ثبوت

مسئلہ کے (۱) میں تمام علمائے امت کا اتفاق پیش کیا جاچکا ہے کہ ولد میں بیٹی کی اولاد داخل نہیں اِس لیے خازن کے نسخوں میں کوئی غلطی ہوئی ہے صاوی کے لفظ ولد الولد بتاتے ہیں کہ ان کے پیش نظر نسخے اس سے مختلف ہیں گو وہ بھی اولاد بنت پر مشتمل ہونے سے غلط ہیں لہٰذا ایک غلط بات سے کوئی غلط فہمی نہ ہونی چاہیے غلط بات سے جو دلیل لی جائے گی اس کا غلط ہونا کھلی بات ہے۔

اسی طرح ابوبکر ابن عربی کی کتاب احکام القرآن سے جو کچھ نقل کیا گیا ہے وہ بھی صحیح نہیں طلوع اسلام نے بھی اس کی اصل عبارت نہیں دی اور پمفلٹ کے صفحہ ۴۹ پر بھی محض ترجمہ ہی لکھا ہے اب میں اس کتاب کی پوری عبارت پیش کرتا ہوں اور جتنا ترجمہ ان لوگوں نے نقل کیا ہے اس پر خط کھینچا جائے گا۔ جلد اول صفحہ ۱۳۹۔

قولہ فی اولادکم یتناول کل ولد کان موجوداً من صلب الرجل دنیا او بعیداً قال اللہ تعالیٰ یابنی آدم وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم وقال تعالیٰ ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فدخل فیہ من کان لصلب المیت دنیاً او بعیداً

لفظ فی اولادکم انسان کی پشت کے ہر ولد کو جو موجود ہو شامل ہوتا ہے وہ قریب کا ہو یا دور کا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یابنی آدم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے لیے نصف ہے ترکہ کا جو تمہاری بیویاں چھوڑیں اگر ان کے ولد نہ ہو تو اس میں وہ داخل ہے جو میت کی پشت سے ہو قریب کا یا دور کا

ویقال بنو تمیم فمن علمائنا
من قال ذلک حقیقة فی الادنین
مجاز فی الابعدین ومنهم من
قال هو حقیقة فی الجمیع
لانه من التولد فان کان الصحیح
ان ذلک حقیقة فی الجمیع نص
غلب مجازا لاستعمال فی ذلک
اطلاقه علی الاعیان فی الادنین
علی تلک الحقیقة والصحیح عندی
انه مجاز فی البعدی بدلیل انه
ینفی عنه فیقال لیس بولده ولو
کان حقیقة لما ساغ نفیه ۔ ۔ ۔ ۔
واتفقوا علی انه لو حلف لا ولد
له وله حفدة لم یحنث

اور عام طور سے کہا بھی جاتا ہے بنو تمیم ۔
تو اب ہمارے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ لفظ
قریب کی اولاد میں حقیقت ہے اور دور
کی میں مجاز اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ سب پر
حقیقت ہے کیونکہ ولد ولادت سے مشتق
ہے تو اگر یہ بات صحیح ہو کہ یہ لفظ سب پر
حقیقت ہے تو پھر ان معنی میں اس کا یہ استعمال
مجاز پر غالب آگیا ہے کہ قریبی اولاد پر اس کا
بولا جانا اسی حقیقت کی بنا پر ہے اور میرے نزدیک
صحیح یہ ہے کہ دور کی اولاد پر یہ لفظ مجازی ہے
دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ ان سے نفی کیا جا سکتا ہے یوں
کہا جا سکتا ہے کہ یہ ولد نہیں اور اگر حقیقت ہوتا تو نفی
صحیح نہ ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ اور سب اس پر متفق ہیں کہ اگر
کوئی قسم کھائے کہ اس کے ولد نہیں اور پوتے
موجود ہوں تو وہ جھوٹا نہ ہوگا

اس کو غور سے پڑھ کر معلوم کیجیے کہ ابن عربی نے ان سب معنے کے حقیقی ہونے کو غلط قرار دیا ہے یا صحیح اور وہ قول ان کا ہے یا کسی اور کا جس کو غلط ثابت کرنے کے لیے نقل کیا اور اس کو دلیل سے غلط ثابت کر دیا ہے طلوع اسلام جنوری سنہ ۶۰ء ص ۔ کے لفظ یہ ہیں ذرا ان لفظوں کو اوپر کی ساری عبارت سے منطبق کر کے تو دیکھیے

"اسی طرح علامہ ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے کہ چونکہ ولد کا لفظ ولادت سے مشتق ہے اس لیے اولاد کی اولاد بھی حقیقۃً اولاد ہے جس طرح جزو کا جزو بھی یقیناً جزو ہوتا ہے"۔

اور پمفلٹ صفحہ ۴۹ میں ان لفظوں سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ۔

"اور یہ مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً ہے جیسا کہ علامہ ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے کیونکہ ولد کا لفظ ...."

ذرا خیال کیجیے اور دیانت داری کا ماتم کیجیے کیا مضمون نگاروں اور مصنفین کا یہی منصب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ لفظ بلا واسطہ اولاد اور بواسطہ اولاد دونوں معنے حقیقی ہی رکھتا ہو تو پھر بھی اصول زبان سے ضروری ہوگا کہ صرف ایک معنے مراد ہو سکیں کیونکہ کسی مشترک لفظ کے دونوں حقیقی معنے ایک دم مراد لینا جائز ہی نہیں، لفظ عین آنکھ اور پانی کا چشمہ دونوں حقیقی معنے رکھتا ہے مگر جہاں استعمال ہوتا ہے یا یہ معنی ہوں گے یا وہ دونوں ایک دم مراد نہیں لیے جا سکتے تو اب یا فقط بیٹے مراد ہوں گے اور پوتے بالکل محروم یا فقط پوتے وارث ہوں گے بیٹے محروم اور محروم ہمیشہ کو محروم اور اس کو آپ خود بھی تسلیم نہ کریں گے کہ پوتا وارث ہو اور بیٹا محروم تو دوسری صورت ہی ثابت ہوگی کہ بیٹا وارث اور پوتا محروم ہو اور اگر قواعد زبان کے خلاف دونوں معنے ایک دم مراد لیے جائیں گے تو لازم آئے گا کہ بیٹے کی موجودگی میں بھی پوتا وارث ہو۔ یہ آیت اس کو ثابت کرے گی اور دوسری اقرب والی آیت اس کو منسوخ نہیں کر سکتی جیسے اقرب کی بحث میں پہلے گذر چکا ہے اور جو معنے اس کے لیے گئے وہ بالکل غلط ہیں وہاں دیکھا جائے تو تفصیل ملے گی۔

ایک شکل اور ہو سکتی ہے جو ان صاحب کو زبان کے قواعد کی ناواقفی کی وجہ سے نظر نہیں آسکی وہ یہ کہ لفظ کے کوئی ایسے عام معنے لے لیے جائیں جو سب کو شامل ہو جائیں، معنے ایک ہوں گے مگر افراد بہت مثلاً اولاد کے معنی لیے جائیں نسل تو یہ معنی بیٹے پوتے وغیرہ سب پر بیک وقت صادق آئیں گے اور ایک لفظ میں دو معنی دونوں حقیقی یا ایک حقیقی اور ایک مجازی جمع ہونا لازم نہ آئیگا اس کو کہتے ہیں عموم مجاز، اگر اس کو دلیل بنایا جاتا تو دلیل کے پاؤں ہو جاتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عموم مجاز بھی مجازی ہی معنے ہیں گو عام ہیں اور حقیقی معنے کے موجود ہوتے مجاز کوئی بھی ہو مراد نہیں ہو سکتا۔ نہ خاص نہ عام۔ عام ہو جب بھی پھر وہی بات کہ بیٹے کے ہوتے اولاد کا مصداق اور کوئی نہیں ہو سکتا نہ معنے نسل نہ معنے بواسطہ اس لیے اس وقت صرف بیٹا ہی وارث ہو سکتا ہے پوتا وغیرہ محروم ہی رہے گا۔ لہذا پوتا صرف اس وقت ولد ہے جب بلا واسطہ ولد نہ ہو اگر وہ ہوگا تو یہ ولد نہ رہے گا۔

ایک حالت میں دونوں کا جمع ہونا جائز

پمفلٹ صفحہ ۴۲ پر ہے:-

"آیت توریث میں جہاں جہاں بھی ولد کا لفظ آیا ہے ہر جگہ بالاتفاق فقہا نے نیچے تک تمام اولاد نرینہ کو اس میں داخل سمجھا ہے مثلاً فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن اگر ان کی (تمہاری بیویوں کی) کوئی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تم کو چوتھائی ملے گا۔ فقہا میں سے ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ بیویاں جب بھی بیٹا بیٹی چھوڑ کر مریں اسی وقت شوہروں کو چوتھائی ملے گا بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ وہ پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی کسی کو بھی اگر

چھوڑیں تو شوہر کو چوتھائی ملے گا۔"

لیکن یہ خیال نہ کیا گیا کہ نواسا نواسی کے ہونے پر کیوں کسی نے ساری امت میں یہ نہیں کہا کہ شوہر کو چوتھائی ملے گا، اگر واقعی فقہائے نیچے تک نرمادہ سب کو مراد لیا ہے تو نواسہ نے کیا خطا کی ہے، ثبوت مسئلہ کے ۱ میں نقل ہو چکا ہے کہ ساری امت کے علماء کے نزدیک ولد میں بیٹا بیٹی اور ان کی عدم موجودگی میں پوتا پوتی مراد ہیں بیٹیوں کی اولاد مراد نہیں اور اصول زبان سے بھی ثابت کر دیا ہے معلوم نہیں یہ بے اصل کیسے کہدی کہ فقہائے نے ہر جگہ بالاتفاق نیچے تک تمام اولاد نر و مادہ کو اس میں داخل سمجھا اس آیت میں بھی بیٹا بیٹی یہ نہ ہوں تو پوتا پوتی یہ نہ ہوں تو پڑپوتا پڑپوتی اسی قاعدہ سے مراد ہوتے ہیں کہ اول حقیقی معنے پھر مجازی اور نواسا نواسی نہ حقیقی میں داخل نہ مجازی میں اس لیے کسی نے نہیں کہا کہ ان کے ہونے چوتھائی ملے گا۔ فقہائے پر یہ فقط تہمت ہے بلکہ ساری امت کا اجماع قولی و فعلی ہے کہ ولد بیٹا بیٹی، ان کی عدم موجودگی میں پوتا پوتی وغیرہ ہیں، نواسا نواسی نہیں، فقہائے یا اہل فرائض کے کلام میں کسی ایک جگہ تو دکھایا جائے تعجب ہے ایسی کھلی تہمت کیسے چھاپ دی گئی۔

(ب) دوسرا لفظ "اقرب" ساری امت کے مسلمانوں نے تو اس کے وہی معنے مراد لیے ہیں جو ہر شخص سمجھتا ہے "زیادہ قرب والا" اور لغت و اصول زبان اور حدیث و اجماع سب سے یہی ثابت ہوتا ہے بیٹا زیادہ قرب والا ہے وہ وارث ہے پوتا اس کی موجودگی میں خواہ اس کے واسطے سے ہو یا دوسرے بیٹے مرحوم کے واسطے سے ہو زیادہ قرب والا نہیں وہ وارث نہیں۔

لیکن "طلوع اسلام" مرکز تحریفات نے اس کے معنی یہ تصنیف کیے ہیں "وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو" مگر ان معنی کا کسی قسم کا کوئی ثبوت یا کسی طرح کی کوئی تائید نہیں مل سکتی۔ یہ ایک نرالی ایجاد ہے جس تک آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا اور ایسی تحریف ہے جو اب تک کسی کو نہیں سوجھی، ان معنی کا بے اصل اور قرآن مجید کے خلاف ہونا بہت آیتوں سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے اب ان معنی کے لیے دلیل اور سند جواز کے بجائے یہ تحریفی کا گروہ ایک مجبوری پیش کرتا ہے جو فن سے ناواقف ہونے کی وجہ سے پیش آئی ہے یا لوگوں کو مغالطہ دینے اور غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے تجویز کی گئی ہے۔ پمفلٹ یتیم پوتے کی وراثت صفحہ ۳ پر ہے۔

"دوسرا قاعدہ الاقرب فالاقرب ہے۔ اسی میں غلط فہمی واقع ہوتی ہے۔ اس کے ظاہری معنی خیال کر کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ بیٹا جو قریبی رشتہ دار ہے یتیم پوتے کو جو اس سے دور کا رشتہ دار ہے محجوب کر دے گا۔ دراصل یہی اور صرف یہی ایک قاعدہ ہے جس کی بنیاد پر یتیم اولاد محجوب قرار دی جاتی ہے۔ لہٰذا ہم اپنی بحث کا مرکز بھی اسی قاعدہ کو قرار دیتے ہیں اگر یہ قاعدہ الاقرب فالاقرب اپنے ظاہر معنوں میں رکھا جائے یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے . . . لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محروم کر دے تو وراثت کے بہت سے مسئلہ اور اجماعی مسائل ٹوٹ جائیں گے۔

(۱)

زید	۶
بیٹا	دادا
۵	۱

اس مثال میں بیٹے کی موجودگی میں دادا کو حصہ ملا ہے حالانکہ بیٹا میت سے بہ نسبت دادا کے اقرب ہے کیونکہ بیٹا بلاواسطہ اس سے رشتہ رکھتا ہے اور دادا بواسطہ باپ کے اس کا رشتہ دار ہے "

(۲) ۶ زید

باپ	بیٹا	پڑنانی
۱	۴	۱

یہاں بیٹے اور باپ کے ہوتے پڑنانی حصہ لے گئی جو نہایت دور کی رشتہ دار ہے"۔

اور بھی کئی مثالیں بیان کی گئی ہیں ان دو کی حقیقت معلوم کرنے سے ان کو بھی ان پر قیاس کر کے یہ معلوم کرنا آسان ہو گا کہ فن سے ناواقف اور قرآن مجید پر گہری نظر نہ ہو سکنے کی وجہ سے عقل پرستی کا نشہ ایسی غلط اور گم کردہ روش پر لے آتا ہے۔ آخر میں فقہاء پر الزامات کے رد میں اس کا ذکر ان شاء اللہ مفصل آئے گا۔

آیت وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (اور میت کے ماں باپ ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے)

اب بمعنے حقیقی باپ کا چھٹا حصہ ہے حقیقی معنے نہ ہوں تو بمعنے مجازی دادا کا چھٹا حصہ ہے اور ہر اُم بمعنے حقیقی ماں کا چھٹا حصہ ہے حقیقی معنے نہ ہوں تو اُم بمعنے مجازی نانی یہ نہ ہو تو پڑنانی کا چھٹا حصہ ہے۔ اور بیٹے کا حصہ معین نہیں جو باقی ہے سب اس کا ہے وہ عصبہ ہے پہلی مثال میں اسی وجہ سے دادا

کو ایک $\frac{1}{6}$ اور باقی کل $\frac{5}{6}$ بیٹے کے ہیں اور دوسری مثال میں باپ کو $\frac{1}{6}$ پڑنانی کو $\frac{1}{6}$ اور باقی کل $\frac{4}{6}$ بیٹے کا ہے، باپ کی دوسری حیثیت عصبہ کی تھی مگر بیٹا اقرب عصبہ ہے اس نے اس کی یہ حیثیت ختم کر دی اور وہ صرف ذوی الفروض رہ گیا۔ مگر پڑنانی سے گو اقرب ہے دوی الفروض میں حیث سبب متحد نہیں کہ وہ ام مجازی ہے یہ اب وہاں اقرب مقدم نہیں ہوتا اس کی تفصیل جواب الزامات میں ان شاء اللہ آئے گی۔

چونکہ فقہ و فرائض کی کتابوں میں ان سب صورتوں کے متعلق جوابات ملتے ہیں اور ہر فرق کی دلیلیں موجود ہیں مگر یہ نقل کرنے والے ان کے فرق اور اسباب وعلل کو نقل نہیں کرتے اور فن سے واقفیت کے بغیر ان سب فنون کا سمجھ میں آنا ذرا دشوار ہے ممکن یہ بھی ہے کہ یہ خود ہی نہ سمجھ سکے ہوں اس لیے اس وقت تو صرف دو صورتوں کے بیان کو کافی قرار دیا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ آخر میں اعتراض پر الزام کی حقیقت میں ان سب صورتوں کا بیان ہوگا۔

(۳) حدیث شریف کے متعلق جو ثبوت رسالہ کے (۶) میں پیش ہوئی ہے ملاحظہ ص۵۱ تا ص۵۳ پر ہے۔

"اگر عصبات میں اولیٰ رجل ذکر کو آپ بطور قانون کلی کے قرار دیتے ہیں تو خود کیوں اس کو جابجا توڑتے ہیں مثلاً

۳		زید
دو بیٹیاں	ایک بہن	بھتیجا
۲	۱	محروم

اِس مثال میں بیٹیاں ذوی الفروض ہیں ان کو دو ثلث دینے کے بعد جو کچھ بچا تھا وہ اس قاعدہ کی رو سے بھتیجے کو جو اقرب ترین مرد نر ہے ملنا چاہیے تھا لیکن وہ تو محروم کر دیا گیا اور بہن جو زن مادہ ہے بقیہ کی وارث ہوگئی - علیٰ ہذا مسئلہ تشبیب یعنی مثال نمبر ۴ کو دیکھئے -

۱۸		زید		
دو بیٹیاں	دو پوتیاں	پڑپوتی	سگی پوتی	سگا پوتا
۱۲	۲	۱	۱	۲

اس میں مرد نر اور زن مادہ سب کو ایک ساتھ وارث بنایا گیا ہے کیا قانونِ کلی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں جو قدم قدم پر ٹوٹ جایا کریں حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر ذوی الفروض کو ان کے حصے دیگر بقیہ قریب ترین مرد کو دے دو - کسی خاص مسئلہ کے متعلق فرمائی گئی ہے مثلاً یہ صورت فرض کیجیے کہ کوئی شخص ماں بیٹی باپ چچا اور بھائی کو چھوڑ کر مرگیا اس کے بارہ میں یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ذوی الفروض کے حقوق دے کر جو کچھ بچے قریب ترین مرد کو دے دو لیکن اس کو عام اصول قرار دینا صریحاً قرآن کے منافی ہے -

مثال (۱)

۱۸		زید
ماں	بیٹا	بیٹی
۳	۱۰	۵

یہاں ماں کو ایک سدس دینے کے بعد آپ کے اس قانون کلی کے مطابق بقیہ پانچ سدس بیٹے کو ملنا چاہیے۔ لیکن قرآن مجید اس کے برخلاف بیٹا اور بیٹی دونوں کو وارث بناتا ہے اور بیٹے کا نصف بیٹی کو دلاتا ہے۔

مثال (۲) ۱۸ زید

ماں	بیٹی	بہن	بھائی
۳	۹	۲	۴

اس صورت میں ماں اور بیٹی جو ذوی الفروض ہیں ان کا حصہ دینے کے بعد بقیہ بھائی کو ملنا چاہیے تھا کیونکہ "اولی رجل ذکر" ہے لیکن قرآن کریم بھائی اور بہن دونوں کو للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق ترکہ تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے اب سوچیے کہ یہ حدیث جس کی صحت پر تمام اہل سنت متفق ہیں قانون کلی قرار دینے سے ان کے خلاف پڑتی ہے اور غلط ہوئی جاتی ہے اس لیے یقیناً یہ کسی خاص مسئلہ کے متعلق ہو سکتی ہے۔ یہاں ایک امر اور غور کے قابل ہے کہ آپ جہاں اس کو قانون کلی قرار دیتے ہیں کہ بقیہ اولی رجل ذکر کو ملنا چاہیے وہاں اس حدیث کو بھی قانون کلی ہی سمجھتے ہیں کہ اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ۔ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ۔ اس مثال ۲ میں بتائیے تو سہی کہ آپ نے اپنے دونوں کلی قوانین میں سے کس پر عمل کیا؟

مرکز تحریفات نے جو اپنی اسلام دشمنی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے منکر حدیث ہونے کی بھی تاویل کیا کیا۔ تا ہے اسلم صاحب کے اس مضمون

محجوب الارث کے شروع میں ذیل کے جملے لکھ کر اپنے اور اسلم صاحب کے چہرہ کو بے نقاب کر کے اس بحث کا سلسلہ ہی ختم کر دیا ہے پمفلٹ صہ ۲۹

"علامہ اسلم جیراجپوری نے یہ مضمون ۱۹۱۷ء میں لکھا تھا جب وہ ہنوز حدیث اور فقہ کو بھی دین سمجھتے تھے۔ اب وہ صرف قرآن کو دین سمجھتے ہیں اور اپنے اس مسلک کی تائید میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں"۔

مگر ظاہر بات ہے کہ جو شخص حدیث اجماع اور قیاس فقہی کو دین نہیں سمجھے گا وہ خود قرآن مجید کو ہی کہاں دین سمجھ سکتا ہے کیونکہ قرآن شریف خود ان کو دین قرار دیتا ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ۔	اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے ان کے حکم والوں کے مجموعہ کی پھر اگر تم کسی بات میں مختلف ہو تو اس کو خدا اور رسول کی طرف رجوع

یہ تو بتائیے کہ یہ حکم حضور کی ساری امت کو ہے یا نہیں اگر کہا جائے کہ نہیں تو یہ خود قرآن شریف کی ان تمام آیتوں کا انکار ہو گیا جو حضور کے بعد کے مسلمانوں کو امت اور مسلمان قرار دیتی ہیں اور اگر سب کو حکم ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہے تو اطاعت خدا تو قرآن مجید کے ذریعہ ہو گی اور اطاعت رسول کس طرح ہو گی منکرین حدیث جب حدیث کو دین ہی نہ مانیں گے تو اطاعت رسول کی صورت ہی نہ رہے گی اور نعوذ باللہ گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اس کا علم ہی نہ تھا کہ بعد میں رسول کی تعلیمات و ارشادات نہ رہیں گے اور اطاعت رسول کی صورت ناممکن ہو جائے گی

یا ظلم تھا اگر یہ پھر بھی ایک ناممکن بات کا ویسے ہی حکم دے دیا یہ حق تعالیٰ کی کس قدر توہین ہوگی اور جملہ واطیعوا الرسول کو ایک لغو و بیکار بنا دیا ہوگا تو اس جملہ کو دین کہاں قرار دیا اور پورے قرآن کو دین کہاں مانا آگے جملہ اولی الامر میں اللہ رسول کے حکم والوں کی اطاعت کا حکم ہے یعنی ہر زمانہ کے لوگوں کو حکم ہے کہ ان کے مجموعہ کی اطاعت کرو کیونکہ مجموعہ مقصود نہ ہوتا تو جنس کے صیغہ یا واحد کے لفظ سے ارشاد ہوتا یہی مجموعہ مختارین اُمت کا اجماع ہے۔ آگے جو حکم ہے کہ اگر تم کسی چیز میں مختلف ہو تو خدا و رسول کی طرف اس کو رجوع کر دو۔ یہ بھی تمام اُمت کو حکم ہے اس لیے تا قیامت خدا و رسول کی طرف رجوع کر دینے کا حکم ہے۔ اللہ کی طرف تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کس طرح ہوگا، کیا حق تعالیٰ ناممکن بات کا حکم دے رہے ہیں جو ہم جیسے معمولی عقل والے سے بھی نہیں ہوسکتا تو لامحالہ رجوع حدیث کی طرف ہوگا اور پھر وہ چیز جس میں اختلاف ہو کیا ہوسکتی ہے اجماع تو اختلاف سے بری ہے ہی اگر قرآن مجید یا حدیث شریف کے کسی حکم میں اختلاف ہے تو اللہ رسول کی طرف رجوع کر دینے کا کیا مطلب وہ تو خود اللہ رسول کی طرف رجوع کا ہی مسئلہ ہے لہذا ضروری ہے کہ اس سے کوئی ایسی چیز مراد ہوسکتی ہے جو اجماع اور قرآن و حدیث کے علاوہ ہے کوئی نیا حادثہ ہے جس کا حکم وہاں نہیں ملتا اور اس کو رجوع کر دینا قرآن و حدیث کے حکم کی علت تلاش کرنے سے پھر اس علت کو مدار حکم کسی نص کی مدد سے معلوم کرنے سے اور اس کے اشتراک سے حکم نص کو اس چیز میں ثابت کرنے سے ہی رجوع کر دینا ہوگا یہی قیاس شرعی مجتہد ہے جن کا ان سب لوگوں کو حکم

ہے جو تنازع اور رد الی اللہ و رسولہ کے اہل ہوں۔
جو شخص بھی ان چاروں کو دین نہ سمجھے گا وہ قرآن مجید کو ہی کہاں دین سمجھ رہا ہے یہاں اس کو ثابت کرنے کے لیے صرف ایک آیت پر اکتفا کیا گیا ہے۔

بہرحال ہمیں اپنے بھائیوں کے لیے جو اس حدیث شریف پر اشکال کیا گیا ہے اس کی حقیقت معلوم کرانا ضروری ہے اس حدیث کے صحیح ہونے پر تو تمام اہل سنت کا اتفاق تسلیم کر لیا گیا ہے اب حدیث کے معنی میں یہ تحریف کی جا رہی ہے کہ یہ قانونِ کلی نہیں ہو سکتی کسی خاص صورت سے متعلق ہے جس کے وجوہ یہ ہیں (۱) تم خود دو مسئلوں میں اس کو توڑتے ہو (۲) مثال ع۱ و ع۲ میں یہ حدیث قرآنی حکم کے خلاف ہے (۳) جہاں اس حدیث کو تم لوگ قانون کلی کہتے ہو وہاں حدیث اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ کو بھی کہتے ہو اور مثال ع۲ میں ایک پر بھی عمل نہیں کرتے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ قصداً دھوکہ بازی کی جا رہی ہے یا خود بھی واقعی ان باتوں کے سمجھنے سے قاصر رہ گیا ہے جو شخص میراث سے متعلق آیات و احادیث اور فقہ و فرائض پر نظر کر سکتا ہو حصہ کشی پر قدرت رکھتا ہو اس سے بہت بعید ہے کہ ایسی باتیں نہ سمجھتا ہو اور اگر پھر بھی ایسا ہی تھا تو بجائے اس کے خود گمراہی میں مبتلا ہو کر دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے بہتر یہ تھا کہ فن کو کسی ماہر شخص سے حاصل کیا جاتا اشکالات کو حل کر لیا جاتا اور اگر یہ شان کے خلاف تھا تو کم سے کم ماہرین سے خط و کتابت کر کے ہی حل کر لیا جاتا۔ ایسے ہوشمند لوگوں پر تعجب بھی ہوتا ہے اور افسوس بھی کہ حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت ذہن و عقل کو بے دین حسن

سبیل اللہ (اللہ کے راستے سے ہٹاتے ہیں) میں صرف کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب حدیث صحیح ہے۔ بخاری مسلم۔ ابو داؤد۔ نسائی اور طحاوی کے بہت بہت راویوں نے روایت کی ہے تو اب اس کا درجہ ایک دو کی روایت کا نہیں اس لیے اس سے انکار تو ہو نہیں سکتا۔ اگر یہ ایک ہی صورتِ خاص کے لیے حکم ہوتا تو ہلا اس صورتِ خاص کا کسی نہ کسی روایت میں ذکر ہوتا ع۲ یہ الفاظ عام نہ ہوتے، یہ ہوتا کہ اتنا فلاں کو دو اور اتنا فلاں کو ع۳ " ذوی الفروض کو ان کے حصے دے کر بقیہ قریب ترین مرد کو دے دو" کس کو فرمایا جارہا ہے وہ دینے والا کون ہے۔ اگر کسی خاص واقعہ کا ذکر ہوتا تو مخاطب تقسیم کرنے والا نہیں حضور خود تقسیم کرنے والے تھے وہ لینے والے تھے حضرت اوس بن صامت کا قصہ یاد کیجیے کہ ان کے بھائی سے ان کی بیٹیوں کو دو ثلث حضور نے خود تقسیم کر کے دلوایا تھا۔

ع۴ الحقوا جمع کا صیغہ جمع کو ہی حکم دیتا ہے کسی خاص شخص کے لیے نہیں مثلاً حضرات صحابہؓ جن کے سامنے حضورؐ کا ارشاد تھا اگر یہ عام نہ ہوتا وہ اس کو عام نہیں کر سکتے تھے۔

پھر اس حکم کے کسی خاص واقعہ کے ساتھ خاص ہونے پر کسی دلیل کی ضرورت ہے ویسے ہی کہہ دینے سے خاص نہیں ہو سکتا اور اس کے لیے کوئی نقل ان شاء اللہ تا قیامت نہ ملے گی۔ اگر بغیر کسی نقلی و معتبر دلیل کے عام حکم کو خاص واقعہ میں قید کیا گیا تو کیا یہ حدیث کی تحریف نہیں کہلائے گی، رہا قرآن شریف کے خلاف ہونا تو یہ وہ کم فہم لوگ کہہ سکتے ہیں جو قرآن و حدیث کو سمجھتے نہیں۔ اس کی حقیقت

ان شاء اللہ ابھی عرض کی جائے گی ۔ اگر اس طرح حضورؐ کے ہر ارشاد میں تاویل کی جائے گی تو سارے دین کا کوئی قانون کلی نہ رہے گا۔ بلکہ قرآن مجید کے ہر حکم کو بھی شانِ نزول کے ساتھ خاص کہہ کر سارے دین کو ہی ختم کر دیا جائے گا ۔

۷ ذرا اس پر بھی تو غور کیا ہوتا کہ اگر فرض کیجیے حضورؐ نے کسی خاص واقعہ کے لیے ہی فرمایا ہو تو بجائے (لابیہ (اس کے باپ کا) فرمانے کے قریب ترین کے لیے کیوں فرمایا ہے ، یہ فرمانا تو خود قانونِ کلی بنانا ہے ۔ اگر زبان کے اصول پر عبور ہو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس طرح فرمانا اس کے حقدار ہونے کی وجہ کا بھی بیان ہے جب کسی سے کہا جائے گا کہ علاج فلاں شخص سے کراؤ اور بڑے ڈاکٹر کی فیس اس قدر ہے تو اس کی فیس کو اس طرح بیان کرنا اس کی علت کو بیان کرتا ہے کہ بڑا ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے اس کی فیس اس قدر ہے اور یہ قانون کلی کا ہی بیان ہو گا کہ ہر بڑے ڈاکٹر کی فیس اتنی ہے ۔

۸ اگر حضورؐ نے کسی خاص واقعہ کے لیے ہی یہ ارشاد فرمایا تھا تو وہ بھی حکم الٰہی کا ہی بیان ہونا ضروری ہے جیسے ثبوت مسئلہ کے (۱۶) کے جزو (ح) میں ثابت کیا گیا ہے اور ثبوت مسئلہ کے (۴) میں اس کا اشارہ عرض کیا گیا ہے تو حدیث اس آیت کی تفسیر اور قاعدہ کلیہ ہے ۔ کیونکہ حدیث تو قرآنِ شریف کا بیان ہوتی ہے ۔

۹ اگر مسائل کے استنباط کے طریقوں پر نظر ہو تو حکم جزئی کی عقلی و لغوی علت سے دوسری جگہ پر حکم کرنا دلالۃ النص ہو کر ضروری ہو جاتا ہے پھر بھی یہ حکم دلالۃ النص ہو کر ہر قریبی کے لیے یقینی ہو جائے گا اور پھر قانونِ کلی بن کر سامنے

آجائے گا۔

اب ان وجوہ کی حقیقت سنیے جن کو قانونِ کلی ہو نے کے خلاف دلیل بنایا جا رہا ہے۔

(۱) اول تو کسی کے خلاف کرنے سے قانونِ کلی کا قانونِ کلی نہ رہنا کیسے ہو سکتا ہے یہ کیا عجیب وجہ بیان کی گئی ہے ہمیشہ از بیش دوسروں پر خلاف ورزی کا جرم عائد کیا جا سکتا ہے مگر قانون اپنی جگہ قانون ہے، اگر یہ دلیل مان لی جائے تو بدعمل لوگوں کی بدعملی سے سارے اسلامی قانون بلکہ حکومتوں اور ساری دنیا کے قانون، قانون ہی نہ رہیں گے۔

اس خلاف ورزی کی حقیقت بھی سنیے وارثوں میں ایک قسم تو وہ ہے جن کے حصے قرآن شریف میں اللہ تعالے نے معین کر کے بیان فرمائے ہیں۔ ان کو ذوی الفروض (یعنی حصے والے) کہا جاتا ہے جیسے ایک بیٹی یا ایک بہن کو ½ بیٹی کو ⅔ ماں باپ کو اولاد کے ساتھ ہر ایک کو ⅙ وغیرہ۔ دوسری قسم وہ ہے جن کو وارث تو قرار دیا گیا ہے مگر ان کے حصے معین نہیں فرمائے گئے ہیں جیسے بیٹے پوتے اور دوسرے عزیز مرد جو میت سے بلا مونث کے واسطے کے قرابت رکھتے ہوں، وہ سب عصبہ کہلاتے ہیں۔ عصبہ عاصب کی جمع ہے قوت والا احاطہ والا جس سے عصبہ (جماعت) اور عصابہ (پٹی) احاطہ اور سبب قوت ہونے کی وجہ سے ہے اور دار عیال کے مرد احاطہ و قوت کا سبب ہیں اس لیے عصبہ کل مال یا بقیہ مال کا احاطہ کرنے والا ہے۔ ثبوت مسئلہ (۴) میں کی آیت میں ان کا ذکر ہے اور جب یہ وارث ہیں اور حصہ معین نہیں تو کل یا باقی کے حقدار ہیں ان کے اپنا حق لینے کے بعد جو

عصبہ

باقی بچ ہی نہیں سکتا، اس لیے ان کے ہوتے ان کے بعد کا شخص بالکل ایک پائی کا حقدار نہ ہوگا۔ پھر ان عصبہ وارثوں کی تین قسمیں ہیں ایک حقیقی عصبہ وہ مرد جس کا تعلق میت سے مرد کے واسطہ سے ہو۔ لفظ عصبہ کا مفہوم لغت سے اُنہی پر بولا جاتا ہے، دوسرے وہ ذوی الفروض عورتیں جو اپنے برابر کے مردوں کی وجہ سے ذوی الفروض (مقررہ حصّہ والی) نہیں رہیں کل یا باقی غیر معین حصہ میں اُن کے ساتھ شریک ہوگئی ہیں للذکر مثل حظ الانثیین (مذکر کو دو مؤنث کے برابر) بیٹی وہ بہن کو بجائے معینہ ½ اور ⅔ کے بھائیوں کی وجہ سے کل ترکہ سے یا دوسرے ذوی الفروض کے بعد باقی ترکہ سے مرد کو دوگنا عورت کو ایک ملنا فرمایا ہے تو یہ عصبہ بن گئیں یعنی ان مردوں کے حکم میں آگئیں گو برابری نہیں عطا ہوئی مگر معین حصّہ سے غیر معین میں جو کم و بیش ہوتا ہے آگئیں، اس لیے قرآن شریف نے اُن کو مردوں کے حکم میں کر دیا یہ حکم میں مرد ہوگئیں عصبہ بالغیر کہلاتی ہیں، تیسرے بہن جو بیٹیوں کے ساتھ ہو حدیث اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طویل حدیث سے صرف بیٹی کے ہوتے بہن بھی عصبہ ہو گئی یعنی وہ بھی مرد کے حکم میں آگئی جیسے مرد عصبہ تھے یہ بھی عصبہ ہوگئی اور حکم میں مرد ہوگئی اب پہلی صورت میں دو بیٹیاں ایک بہن ایک بھتیجا۔

زید		۳
بھتیجا	ایک بہن	۲ بیٹیاں
محروم	۱	۲

میں بہن حکماً مرد ہو چکی ہے تو دو عصبہ گویا دو مرد ہیں ایک بہن (حکمی مرد) ایک بھتیجا اور حدیث اولی رجل ذکر سے قریب ترین مرد حقدار ہوتا ہے بعد کا محروم تو یہ قریب ترین حکمی مرد یعنی بہن کل کی حقدار ہے اور بھتیجا محروم۔ کیونکہ اللہ اور رسول ؐ نے اس وقت ان عورتوں کو شرعی حکم میں مرد قرار دے دیا اور دوسری صورت میں ذرا سی تفصیل درکار ہے ثبوت مسئلہ کے (۲) میں عرض کیا گیا تھا کہ اولاد مونث کے لیے ایک کو $\frac{1}{2}$ کئی کو $\frac{2}{3}$ ملتا ہے مونث اولاد حقیقی تو بلا واسطہ ہے یعنی بیٹیاں اور مجازی بواسطہ ہے پوتیاں پڑپوتیاں سکڑ پوتیاں وغیرہ اس صورت میں دو بیٹیاں، دو پوتیاں ایک پڑپوتی ایک سکڑ پوتی ایک سکڑ پوتا ہے تو چونکہ حقیقی سے میں بیٹیاں موجود ہیں اور دو مونث اولاد کا حصہ $\frac{2}{3}$ ہے جو ان کو مل جائے گا کیونکہ یہ حقیقی مونث ولد ہیں اب مجازی مونث ولد کے لیے کچھ نہیں ہے مونث ولد کا مقررہ حصہ پہلے تقسیم ہو چکا اس لیے صرف انہیں ان کا حصہ $\frac{2}{3}$ مل کر باقی سب محروم ہونے چاہئیں چنانچہ اگر سکڑ پوتا نہ ہوتا تو سب پوتیاں، پڑپوتی، سکڑ پوتی محروم ہی ہوتی مگر جب مذکر اولاد مجازی بھی ہے تو اب مخلوط کی تقسیم لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ کا حکم آجانا چاہیے لیکن جب یہ الفاظ فی اولادکم کے بعد ہیں تو ان کے معنی یہ ہیں کہ اولاد میں سے مذکر کو اسی اولاد میں کی دو مونث کے حصہ برابر ملے گا اس لیے اگر مذکر حقیقی اولاد میں ہوگا تو وہ حقیقی مونث اولاد ہی کو عصبہ کرے گا بیٹا بیٹیوں کو ہی عصبہ بنائے گا پوتیوں وغیرہ کو نہیں۔

اور مذکر مجازی اولاد ہوگا تو مجازی مونث اولاد کو ہی عصبہ بنائے گا یعنی

کو نہیں بنائے گا یہاں سکڑ پوتا مذکر اولاد مجازی ہے اس لیے اُس نے صرف مؤنث اولاد مجازی پوتی پڑپوتی سکڑپوتی کو تو عصبہ بنادیا ہے اور للذکر مثل حظ الانثیین سکڑ پوتے کے دو اور پوتی، پڑپوتی، سکڑپوتی کو فی کس ایک مگر بیٹیاں جو حقیقی مؤنث اولاد تھیں وہ برابر ذوی الفروض باقی رہیں اور اُن کا حصہ ۲/۳ قائم رہا تو اب سوائے بیٹیوں کے اور سب اصلی یا حکمی مرد اور درجہ مجاز میں ایک لائین کے قرآن وحدیث کے موافق سب کو ملتا ہے مگر اصلی مرد کو دوگنا حکمی کو ایک گنا قرآن شریف کے قانون سے ملتا ہے اور بیٹیوں کو ۲/۳ بھی قرآن مجید کے ہی قانون سے ذوی الفروض ہو کر ہے

۱۸ زید

۲ بیٹیاں	۲ پوتیاں	ایک پڑپوتی	ایک سکڑپوتی	ایک سکڑپوتا
۱۲	۲	۱	۱	۲

مسئلہ ۱۸ دو بیٹیاں ۱۲، دو پوتیاں ۲ ایک پڑپوتی کو ایک سکڑپوتی دو سکڑپوتے کو اس طرح ملتے ہیں جو بالکل قرآن وحدیث کے موافق ہے۔ مگر قرآن شریف کو غور سے اور علوم ضروریہ کی مدد سے گہرائی تک پڑھنے کی ضرورت ہے صرف ترجمے دیکھ لینے سے گہرائی نظر نہیں آتی۔

(۲) حدیث شریف کو قرآنِ مجید کے خلاف ثابت کرنے کے لیے دو مثالیں دی ہیں پہلی مثال میں مسئلہ ۱۸ ماں ۳، بیٹا ۱۰، بیٹی ۵، یہاں بھی وہی بات ہے کہ ماں کو ذوی الفروض ہو کر ۱/۶ حصہ ۳/۱۸ ملے باقی ۱۵ رہے بیٹا بیٹی مذکر و مؤنث مخلوط ہیں قرآنِ شریف نے مخلوط ہونے کے وقت بیٹی کو ۱/۲ کے

مقررہ حصہ سے نکال کر غیر معین کے لیے بیٹے کے ساتھ عصبہ کر دیا ہے اور اس وقت بیٹی حکم میں مرد بن گئی ہے کہ مرد کے ساتھ عصبہ کل یا باقی کا احاطہ کرنے والی ہو گئی ہے اور دونوں ایک درجہ کے بلا واسطہ اور قریب ترین ہیں حدیث شریف کی رو سے اصلی و حکمی ایک پشت کے دونوں مرد باقی ۱۵ کے متعدار اور قرآن کی تقسیم سے اصلی دو گونا حکمی ایک گونا بیٹی کے ۵ بیٹے کے دس ہو گئے

۱۸	زید	
ماں	بیٹا	بیٹی
۳	۱۰	۵

اس لیے یہ حکم نہ حدیث کے خلاف نہ قرآن کے قرآن شریف نے مخلوط ہونے کی صورت میں زن مادہ کو حکما نر بنا دیا تھا حدیث نے نر کو دلوا دیا - اسی طرح دوسری مثال میں مسئلہ ۱۸ ماں ۳ بیٹی ۹ بہن ۲ بھائی ۴ ماں کو $\frac{۱}{۶}$ یعنی $\frac{۳}{۱۸}$ بیٹی کو $\frac{۱}{۲}$ یعنی $\frac{۹}{۱۸}$ مقررہ فرض کے بعد باقی $\frac{۶}{۱۸}$ میں بہن بھائی مذکر مؤنث مخلوط ہونے پر قرآن شریف نے للذکر مثل حظ الانثیین ؛ مادہ کو حکما مرد بنا دیا ہے کہ $\frac{۱}{۲}$ مقررہ حصہ کی جگہ بقیہ کل کا شریک قرار دیا ہے اب بہن بھائی ایک پشت کے دو مرد ایک اصلی ایک حکمی جمع ہو گئے حدیث نے بھی باقی کل قریب ترین مرد اصلی و حکمی کو دلوایا ہے -

۱۸	زید		
ماں	بیٹی	بہن	بھائی
۳	۹	۲	۴

تو یہ حدیث کے مطابق اور قرآنِ مجید کے بھی موافق ہے مگر ذرا گہری نظر کی ضرورت ہے لغت کی مدد سے خالی ترجمہ قرآن و حدیث پڑھ لینے سے پورا مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

(۳) حدیث اجعلوا البنات عصبۃ (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنادو) پر بھی یہ اشکال کیا گیا کہ اس دوسری مثال میں اگر اس کو بھی قانون کلی بنایا گیا تو قرآنِ مجید کے خلاف ہو جائے گا خدا معلوم یہ خیال کیوں نہیں کیا جاتا یا کیوں اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ یہاں بہنیں بھائیوں کے ساتھ جمع ہیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہونا تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی پشت یا اس سے قریب کی پشت میں کوئی عصبہ اصلی مرد موجود نہ ہو ورنہ اصلی کے ہوتے حکمی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اجعلوا "عصبہ بنادو" بتایا ہے کہ جب کوئی عصبہ نہ ہو تو ان کو عصبہ بنانا ہو تو تم اُن کو عصبہ بنادو لہذا اگر بھائی ہوگا تو وہ ان کو عصبہ بنائے گا نہ ہوگا تو تم بنانا اور حدیث کے مضمون پر اجماع بھی ہے چنانچہ فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۹ پر ابن بطال کے حوالہ سے ہے اجمعوا علی ان الاخوات عصبۃ البنات فیرثن بما فضل من البنات (سب نے اجماع کیا ہے کہ بہنیں بیٹیوں کی عصبہ ہیں بیٹیوں سے جو بچ جائے گا یہ اُس کی وارث ہوں گی)

اصل یہ ہے کہ بیٹیوں اور بہنوں کا حصہ مقرر ہے ایک کو $\frac{1}{2}$ زائد کو $\frac{2}{3}$ ماں باپ کے لیے اخیافی بہن بھائیوں شوہر اور بیوی کے لیے بھی مقرر ہے مگر کسی کا کل نہیں ہے $\frac{1}{2}$ $\frac{1}{4}$ $\frac{1}{8}$ $\frac{1}{3}$ $\frac{2}{3}$ $\frac{1}{6}$ فقط یہ تعین تو ان مختلف شما جاں

کے لیے ہے۔ اب باقی ترکہ کا کیا ہوگا اس کے لیے آیت وللذکر مثل حظ الانثیین نے عینی و علاتی بہنوں کا اور حقیقی و مجازی بیٹیاں جب اپنی پشت کے مردوں کے ساتھ ہوں ان کا قاعدہ بتا دیا ہے کہ پھر ان میں کسی کا حصہ مفروضہ نہ رہے گا بلکہ یہ عصبہ یعنی حکم میں مرد جیسی غیر معین کی مگر اصلی مرد سے نصف کی مستحق ہوں گی اور حدیث اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة نے ان بیٹیوں کو بتا دیا جن کے ساتھ ان کی پشت کا مرد نہ ہو کہ حقیقی بیٹی کے ساتھ حقیقی معنی کا بیٹا مجازی بیٹی یعنی پوتی پرپوتی سکڑپوتی یکے بعد دیگرے کے ساتھ مجازی بیٹا یعنی پوتا پڑپوتا، سکڑپوتا یکے بعد دیگرے نہ ہو تو یہ تو ذوی الفروض ہی رہیں گی اور باقی کسی اور عصبہ کا ہوگا اب اگر ان کے ساتھ میت کی بہن ہوگی تو بہن کو عصبہ یعنی حکماً مرد قرار دے کر باقی کا مالک بنایا جائے گا اور اگر ان کے ساتھ نہ اُن کی پشت کا مرد ہو نہ میت کی بہن ہو تو اس کے لیے اور ایسے ہی باقی تمام ذوی الفروض سے جو باقی رہے اس کے لیے ایسا عام اور کلی قانون حدیث فما بقی فلاولی رجل ذکر (جو بچ جاوے وہ سب سے قریب مرد کے لیے ہے) نے بتایا ہے، جو پہلے دونوں قانونوں کو شامل ہے کہ ذوی الفروض کے بعد جو کچھ باقی ہوگا وہ سب سے قریبی مرد کے لیے چونکہ بھائی ہونے میں بہنیں، بیٹا ہوتے میں بیٹیاں اور پوتا ہونے میں پوتیاں حکماً مرد ہیں اور بھائی بیٹے پوتے کے برابر قریب ہیں ان سب کا حصہ کل بقیہ ہوگا حسب قاعدہ تقسیم ہوگا اور خود ان میں زیادہ قریب کے ہوتے دور کا محروم بیٹا بیٹی سے پوتا پوتی وغیرہ اور ان سب

نسے بھائی بہن محروم ہیں ایسے ہی صرف بیٹی ہو اور صرف بہن ہو تو حدیث اجعلوا سے وہ بہن حکماً مرد ہے ذوی الفروض کو دے کر بہن کو عصبہ مرد بنا کر کل دیا جائے گا تو اس حدیث میں جن مردوں سے یہ حکمی مرد یعنی بہن قریب ہو گی وہ سب محروم ہوں گے جیسے بھتیجا، چچا اور چچا کی اولاد وغیرہ

لہٰذا حدیث فلاولی رجل ذکر تو عام سے عام قانون کلی ہے۔

حدیث میں تحریف

حدیث شریف کے عام مفہوم کو کسی خاص کے لیے مخصوص و محبوس کر دینا بہت بڑی حرکت ہے جبکہ کوئی نقلی دلیل اس پر قائم نہیں ہو سکتی، اس کو حدیث میں تحریف نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

حدیث شریف کو جو اس صورت خاص پر قرار دیا ہے بلا دلیل، بلا نقل صحیح ضعیف ہے اور مشکل یہ کہ پھر یہ خود بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ماں بیٹی باپ چچا بھائی وارث ہوں تو اس صورت میں

وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔	میت کے ماں باپ ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے ترکہ کا اگر میت کے اولاد ہو۔

اور

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔	اگر بیٹی ایک ہو تو اس کے لیے نصف ہے۔

مسئلہ ۶ ۶ خالد

ماں	بیٹی	باپ	چچا	بھائی
۱	۳	۲	محروم	محروم

مسئلہ ۶ کرکے نصف بیٹی کا ۳ اور چھٹا چھٹا حصہ باپ ماں کا ہے۔ باقی ایک حصہ رہ گیا اور بھائی اور چچا باقی رہ گئے تو جو ذ قریبی ہے اس کو ملنا چاہیے مگر اس سے زیادہ قریب کا مرد باپ بھی موجود ہے اس کا قریب ہونا چاہتا ہے کہ اس کو ملے اور اس کا ذوی الفروض ہونا یہ چاہتا ہے کہ اس سے بچا ہوا میت کے بھائی کو ملے اب اگر حدیث شریف خاص اسی واقعہ پر ہوتی تو حضور خود اس اشکال کو عملی طریقہ سے دور فرماتے یا صاف یہ فرماتے کہ باقی بھی باپ ہی کو دو جواہر کی دوسری حیثیت کا حصہ ہے جیسے کہ اس کے مشابہ یہ واقعہ ہے کہ ابوداؤد ترمذی نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا پوتا مرگیا ہے تو اس کی میراث میں سے میرے لیے کیا ہے۔ فرمایا چھٹا حصہ۔ جب وہ چل دیا اُسے بلایا اور فرمایا ایک چھٹا حصہ تیرے لیے اور ہے وہ چلا تو پھر بلایا اور فرمایا یہ دوسرا چھٹا حصہ اصل سے زائد ہے (جمع الفوائد ص ۲۲۰ ج ۱)

تو جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں دادا کو ایک چھٹا حصہ تو ذوی الفروض ہونے کی بنا پر اور دوسرا عصبہ ہونے کی وجہ سے عطا فرمایا اور دوسرے کے لیے یہ ظاہر فرما دیا کہ اصل حصہ ذوی الفروض سے زائد ہے۔ اگر فلاولی رجل حدیث بھی واقعہ خاص میں ہوتی جس میں باپ کو ایک

چھٹا حصہ ذوی الفروض ہوکر اور ایک عصبہ ہوکر ملتا۔ تو حضور اس کو صاف کیے بغیر اس اشکال کی صورت میں کیسے چھوڑ دیتے حدیث شریف کے عموم کو اس طرح محصور کرنے اور اشکال میں ڈال دینے سے کلام مبارک کی بے ادبی ہوتی ہے۔

(۴) ثبوت مسئلہ کے (۷) میں جو حضرت زید بن ثابت کا قول ولا یرث ولد الابن مع الابن لکھا گیا ہے اور اس پر کل امت کا اجماع عینی فتح الباری

لے طلوع یرن ۳۲ ۵ میں اس ارشاد کی سخت توہین کی ہے کہ رکاکت کا لفظ ضعف کی دلیل ہے اور رجل ذکر میں رکاکت ہے کہیں عربی ادب میں ایسا نہیں پڑھا اور کیا رجل انثیٰ بھی ہوتا ہے فقط اس بے علمی پر اس قدر دعوی آج تک یہ معلوم نہیں کہ صفت احترازی ہی نہیں ہوتی کاشفہ بھی ہوتی ہے جس کو بچہ بچہ عربی تعلیم کا جانتا ہے۔ شاید بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بھی یہ صاحب کہدیں۔ کہ نعوذ باللہ یہ بھی رکیک ہے کیا اللہ غیر رحمٰن و رحیم بھی ہوسکتا ہے، ساری امت کے فصیح و بلیغ اور اہلِ زبان کے قبول کرنے کو غلط قرار دینا اور حضور کے ارشاد کو اس بیہودہ لفظ سے تعبیر کرنا یورپ کے دیوانوں کا ہی کام ہے سنیے رجل مرد بالغ کو کہتے ہیں مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (محمد تم میں کے مردوں کے کسی کے باپ نہ تھے) چونکہ صاحبزادے نابالغی میں انتقال کر گئے تھے اب رجل کے بعد ذکر کا آنا اس کو عام کرتا ہے کہ بالغ ہو یا نابالغ ذوی الفروض سے بچا ہوا اقرب مرد کو دو ۵

سخن شناس نہٕ دلبرا خطا اینجاست

اور رجل انثیٰ نہیں ہوتا تو خنثیٰ تو ہوتا ہے وہ اس لفظ سے نکل گیا اس لیے احتراز بھی ہوا تعجب ہے کہ پمفلٹ ص ۵۳ پر اس حدیث کی صحت پر تمام اہل سنت کا متفق ہونا بھی لکھا ہے جو اوپر کے اقتباس میں درج ہے اور یہاں ایک ضعف کی علامت کا بھی دعوی ہے کہیں یہ حافظہ نباشد تو نہیں۔ ۱۲ منہ

اور نووی نے نقل کیا گیا ہے اس کے متعلق پمفلٹ یتیم پوتے کی وراثت کے ص ۵۲ پر ہے۔

"اس جملہ کے معنے تو یہ ہوئے کہ بیٹے کی اولاد خود اس بیٹے کی موجودگی میں وراثت نہیں پاتی اس لیے کہ اس جملہ میں دونوں جگہ لفظ ابن پر الف لام تعریف کا ہے اور اصول فقہ میں قاعدہ مقرر ہے کہ ایسی صورت میں دونوں سے مراد ایک ہی ذات ہوتی ہے .... علاوہ بریں یہ حدیث نبوی نہیں ہے، صرف حضرت زید بن ثابت کا قول ہے اور تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم وراثت کے مسائل میں اکثر مختلف رائے رکھتے تھے اور ان میں باہم ایک دوسرے سے اختلاف ہو جاتا تھا۔"

اس کا حاصل تین باتیں ہیں (۱) دونوں جگہ لفظ ابن سے ایک ہی ذات مراد ہے یعنی بیٹے ------ کا بیٹا خود اسی بیٹے کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا (۲) یہ حدیث نہیں قول صحابی ہے (۳) چونکہ وراثت کے مسائل میں صحابہ مختلف رائے رکھتے تھے اس لیے یہ کوئی دلیل نہیں۔

ان تینوں باتوں کی حقیقت الگ الگ معلوم کر لیجیے ان شاء اللہ ذہن میں سمجھ میں آجائے گا کہ مرکز کی تحریفات ہر جگہ اپنے نسب تحریف پر قائم ہے۔

نمبر۱ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ قول بخاری شریف میں ہے پورا یہ ہے:

قال زید ولد الابناء بمنزلۃ الولد ..... حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ

بمنزلة الولد اذا لم یکن دونھم ولد ذکر ذکرھم کذکرھم وانثاھم کانثاھم یرثون کما یرثون ویحجبون کما یحجبون ولا یرث ولد الابن مع الابن ۔

بیٹوں کی اولاد اپنی اولاد کے درجہ میں ہی ہے جبکہ ان سے پہلے کوئی مذکر ولد یعنی بیٹا نہ ہو مذکر ان کے مذکر کی طرح ہیں مونث مونث کی طرح یہ ایسے ہی وارث ہوں گے جیسے وہ وارث ہوتے ہیں اور ایسے ہی وراثت میں رکاوٹ کریںگے جیسے وہ کرتے ہیں اور بیٹے کا ولد بیٹے کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ پوتے بیٹوں کی طرح اُس وقت وارث یا حاجب ہونگے جب کوئی بیٹا نہ ہو اور پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ اب ہر شخص انصاف سے دیکھ لے کہ کیا اس عبارت کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ پوتا اپنے باپ کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا۔ عبارت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میت کے بیٹوں کی اولاد بمنزلہ اولاد جب ہے کہ میت کا کوئی بیٹا نہ ہو اگر کوئی بیٹا ہوگا تو پوتا وارث نہ ہوگا، ساری امت کے قولی و فعلی اجماع نے بھی اس کو معین کر دیا ہے۔

زبان کے قاعدوں سے بھی اسے دیکھ لیجیے لم یکن دونھم ولد ذکر میں لفظ ولد نکرہ تحت نفی ہے جہاں ہر نکرہ عام ہوتا ہے کہ ان سے پہلے کوئی مذکر ولد نہ ہو اب دونوں الابن ۔ الابن الف لام تعریف سے یہی مذکورہ سابق عام کوئی ولد مذکر مراد ہوگا تو معنے یہ ہوئے کہ الابن کا ولد یعنی کسی ولد مذکر کا ولد پوتا الابن کے ساتھ یعنی کسی مذکر ولد کے ساتھ وارث نہیں ہوگا، دونوں لفظ الابن

سے وہی عام ولد مذکر مراد ہوگا اور تعریف کا عہد کے لیے ہونا جو لام میں اصل ہے ولد عام کے بعد آکر اس کو مجہول بناتا ہے اور پھر اس کے مقابلہ میں ہونا اس کی صاف دلیل ہے کہ جس کے نہ ہونے کے وقت پوتے کو بمنزلہ بیٹے کے بتانا تھا، اسی کے ہونے کے وقت یہ بتایا ہے کہ پوتا بیٹے کے منزلہ میں اور وارث نہیں - یہ قطعی بات ہے اس میں کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا چنانچہ جمع الفوائد جلد اول ص۲۷ پر اس روایت کے لفظ یہ ہیں ولا یرث ولد ابن مع ابن ذکر (کسی مذکر بیٹے کے ساتھ کسی بیٹے کی مذکر و مؤنث اولاد وارث نہیں ہوگی؛ ان معنے کے بالکل ظاہر ہونے کی وجہ سے وہاں الف لام نہیں آیا اس لیے آپ کی یہ تاویل بالکل تحریف ہوکر رہ گئی - اگر یہی مقصود ہوتا تو مع ابیہ (اپنے باپ کے ساتھ) کہا جاتا بلکہ اگر ان کے بتائے ہوئے معنے لیے جائیں تو یہ لفظ بالکل زائد ہو جاتا ہے کیونکہ اس کو کہنے کی ضرورت ہی نہیں یہ تو صاف اور صریح بات ہے اس کے اپنے باپ کے ساتھ وارث ہونے کا وہم بھی نہیں ہوسکتا تھا پھر تنبیہہ کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ یہ فصیح بلیغ اہل زبان ایسی لچر بات نہیں کہتے -

(۲) بے شک یہ حضرت زید کا قول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے لیکن کیا اچھا ہوتا کہ محدثین کا یہ اصول بھی پیش نظر رہتا کہ غیر مدرک بالقیاس امر میں یعنی جس امر میں قیاس نہ چلتا ہو صحابی کا قول حدیث کے درجہ میں ہوتا ہے اور پھر یہ اصول ہے بھی بالکل ظاہر کیونکہ صحابی کا قول دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ حضور سے حاصل کیا ہوا ہو دوسرے یہ کہ خود اپنے قیاس سے حاصل کیا ہو!

ہو تو جس معاملہ میں قیاس کو دخل نہ ہوگا وہاں صرف ایک ہی احتمال رہ گیا کہ حضور
سے حاصل کیا ہوا ہو چونکہ آیت شریفہ کے لفظ لا تدرون (تم نہیں جان سکتے)
مندرجہ ثبوت مسئلہ (۵) اور (۸) کے بیان میں ثابت ہو چکا ہے کہ قیاس ان
مسائل میں ہے نہیں اس لیے اس باب میں صحابی کے قول کو حدیث ہی ماننا
پڑے گا، پھر ایک صحابی کا نہیں سب کا اجماعی اور مرفوع حدیث، قرآن مجید
اور اجماع سے مستحکم ہو کر ہے۔

(۳۳) یہ کیسی نا معقول بات کہی گئی ہے (الف) اگر یہ بات قابل قبول
ہو سکتی ہے کہ جب دو آدمیوں میں اختلاف ہو تو کسی کی بات نہیں مانی جا سکتی
تو دین و دنیا کے سارے کام ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ کوئی ایسا مذہب نہیں کہ
کسی کو اس سے اختلاف نہ ہو، کوئی ایسا رواج یا معمول نہیں کہ کسی کو اس سے
اختلاف نہ ہو، کوئی سیاسی، قانونی، کاروباری، زرعی، حرفتی ایسا مسئلہ نہیں
جس میں ایک کا دوسرے سے اختلاف نہ ہو کوئی انسان ایسا انسان نہیں کہ اس
کی ... شکل صورت، مزاج، آواز، عادت، عقل، ذہن، طرز بود و باش، خیال
وغیرہ دوسرے سے مختلف نہ ہوں، کوئی حکیم، ڈاکٹر، مفکر، مصنف، وکیل
حاکم وغیرہ ایسا نہیں کہ دوسرے سے اختلاف نہ رکھے، اگر یہ قانون قابل قبول
ہو تو ان سب کا صفحۂ ہستی سے صفایا کر دینا ضروری ہوگا۔

(ب) بہت مسائل میں اختلاف سہی (گو اجماع سے وہ سب ختم ہو گئے)
سوال تو بیٹے کے ہوتے پوتے کو میراث ملنے نہ ملنے کا ہے حضرت زید کا قول
یہ ہے کہ یہ پوتا وارث نہیں ہوگا اگر اس کے مقابلہ میں کسی صحابی کا یہ قول پیش

جائے کہ وارث ہوگا اس وقت اختلاف ہوسکتا ہے یہ کون سی عقل کی بات ہوگی کہ چونکہ دوسری باتوں میں اور دوسرے حضرات کا اختلاف ہوتا ہے اور اختلاف قابلِ قبول نہیں اس لیے یہ قول جو بے اختلاف ہے یہ بھی معتبر نہیں گو کسی کا اس میں اختلاف نہ ہو۔

(ج) اول تو یہ قول صرف حضرت زید کا نہیں ہے تمام صحابہؓ کا ہے اجماعی ہے، دوسرے اگر صرف انہی کا قول ہوتا تو حضرت زید بن ثابت وہ ہیں جن کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے وافرضکم زید (تم سب سے زیادہ فرائض جاننے والے زید ہیں) فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۶ پر ہے کہ:۔

"یہ حدیث حسن ہے امام احمد اور اصحاب سنن نے اس کو روایت کیا اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے بھی اس کو روایت کیا ہے"

جن صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب صحابہ سے زائد فرائض داں فرمائیں ان کے متعلق یہ کہہ کر نا قابلِ قبول گردانناکہ میراث کے مسئلوں میں صحابہ کی رائیں مختلف تھیں کتنی وزن دار بات ہے ذرا سوچ لیجیے بلکہ یہاں اس کا کہنا سخت حیرت ناک اور بڑا زبردست دھوکہ ہوگا لوگ اس سے یہ سمجھیں گے کہ ان کے خلاف اس مسئلہ میں کسی اور صحابی کا بھی قول ہوگا حاشا و کلا کسی نے ساری امت حقہ میں کبھی ایسی بات نہیں کہی۔ یہ تحریف تو چودھویں صدی کے ان انوکھے لوگوں کے ہی حصہ میں ہے۔

عقل پرستوں کی عقلیات

ثبوت مسئلہ کے (۵) میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان مسائل میں عقل کا دخل ہی نہیں ہو سکتا اور اللہ رسول کے ارشادات اور اجماع امت کے بعد اگر کوئی عقل اس کے خلاف کہتی ہے تو خود اللہ تعالیٰ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں ذرا اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے پھر ان کی ایک ایک بات اور اس کی حقیقت معلوم کیجیے اور نظارہ کیجیے کہ خدا کو چھوڑ کر اپنی یورپ زدہ ٹیڑھی عقلوں کو پوجنے والے کیسی کیسی ہانکتے ہیں۔

(۱) طلوع اسلام جنوری ۱۹۵۴ء ص۵

"منطقی طور پر دیکھنے سے بھی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس یتیم پوتے پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک تو اس بے چارے کا باپ مر گیا اور پھر وہ اپنے دادا کی جائداد سے بھی محروم ہو گیا۔ اگر اس کا دادا ایک گھنٹہ پہلے مرتا اور اس کا باپ ایک گھنٹہ بعد تو اس صورت میں اس پوتے کو دادا کی جائداد مل جاتی لیکن چونکہ اس کا باپ اس کے دادا کی زندگی میں مر گیا ہے اس لیے اسے دادا کی جائداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس قسم کا قانون کبھی خدائی قانون ہو سکتا ہے؟"

اس عبارت کو دیکھ کر یہ خیال ہرگز نہ کیجیے کہ اس ظلم کے دو جز ہیں ایک تو باپ کا مرنا، اس ظلم کا ظالم کون ذات بنتی ہے، دوسرا محروم ہونا اور اس ظلم کے

ظالم ہوتے چودہ سال کے سارے مسلمان اور اس وقت کی ساری دنیا کے تقریباً پچاس کروڑ اہل ایمان ہیں اور اگر یہ حکم خدا و رسول کا حکم ثابت ہوگیا تو پھر کون ظالم قرار دیا جارہا ہے اسے بھی نہ سوچیے اور اس کو بھی دماغ میں نہ لائیے کہ خدا و رسول کا حکم کیا ہے کیا نہیں ثابت کیا ہوتا ہے کیا نہیں صرف اس کلی قاعدہ کو سامنے رکھیے کہ جو چیز کسی ایک انسانی سوچ میں نہ آسکے وہ خدائی قانون نہیں ہوسکتی۔ یہ ہے ایک قانون کلی جو یورپ نے پوتوں کو وراثت میں عطا کیا ہے، اگر آج کوئی ہندو یا عیسائی ایسی بات کہہ دیتا تو کوئی مسلمان اس کو برداشت نہ کرسکتا۔

شاید ان لوگوں کے نزدیک خدا کے تصور کا جزو لازم یہ ہے کہ وہ انسانی اور خصوصاً یورپ کی تہذیب خوردہ عقل اور سوچ کا غلام ہو ورنہ پھر نہ وہ خدا ہونے کے قابل نہ اس کا حکم خدائی حکم کہلانے کے لائق نہ ان زمانوں کے یہاں قابل قبول، یا یہ سمجھیے کہ جو چیز ان دماغوں کی جدولوں میں چست آجائے بس وہی خدائی قانون ہے پھر جس طرح ہوسکے توڑ مروڑ کر سر دلیل بن سکنے والے لفظ کا مفہوم اسی کو قرار دینا ہے اس کے خلاف پڑنے والی آیت ہو یا حدیث سب قابل اعتراض ہے۔ چنانچہ پمفلٹ صفحہ ۲۰۔ پر فرائض کے قاعدوں پر غلط در غلط تہمتیں لگاتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ

"افسوسناک صورت یہ کہ اس قانون کی رو سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا چوتھی جماعت کے بچوں کی جتنا بھی حساب نہیں جانتا اس اصول کو ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جب کسی چیز کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جائے

تو تمام حصّوں کی حاصل جمع ایک (۱) آنی چاہیے۔ اگر حاصل جمع ایک نہیں آتی تو ریاضی کے ابتدائی قاعدوں کی رو سے یہ تقسیم غلط ہے مثلاً ($\frac{1}{2}+\frac{1}{4}+\frac{1}{4}=1$) یہ تقسیم درست ہے لیکن ($\frac{1}{2}+\frac{1}{2}+\frac{1}{3}=\frac{4}{3}$)[1] یہ تقسیم غلط ہے کیونکہ ان حصوں کا مجموعہ (۱) نہیں بلکہ ($1\frac{1}{2}$) ہے۔

یہ ہے بہرحال وہ قانونِ وراثت جسے ہم بڑے فخر سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ اس سے ہم ایک طرف اللہ تعالےٰ کے متعلق کیا تصور پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف کس طرح علمی دنیا میں اپنے آپ کو اضحوکہ بناتے ہیں"

براہِ راست، یہ اعتراض قرآنِ مجید پر ہے جو کسی ہندو، عیسائی اور یہودی کی زبان سے نہیں مسلمان اور قرآن سمجھنے کے دعوے دار کی زبان سے ہے کیونکہ یہ صورت قرآن ہی میں ہے۔ کسی فقیہ یا فرائضی کی تجویز نہیں ہے۔

اعتراض یوں ہے کہ اگر ایک عورت کا انتقال ہوتا ہے اور اس کے وارث ایک شوہر ایک بہن ایک والدہ ہیں۔

زینب

شوہر	ماں	بہن
$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{2}$

تو قرآن مجید کا حکم ہے کہ میت کے اولاد نہ ہو تو شوہر کا آدھا ترکہ ہے وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ (تمہارے لیے

---

[1] شاید کاتب کی غلطی سے =۱) کی جگہ یہ بن گیا ہے۔

نصف ترکہ ہے ½ بیویوں کا اگر ان کے اولاد نہ ہو) اور بہن کا حکم یہ ہے کہ ایک بہن کا حصہ بھی آدھا ترکہ ½ ہے۔

وَإِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ

(اگر کوئی انسان مر جائے اس کے اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو بہن کیلئے نصف ترکہ ہے)

اور والدہ کا ایک تہائی ہے ⅓ اگر میت کے اولاد نہ ہو۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (پھر اگر میت کے اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ وارث ہوں تو ماں کے لیے ایک تہائی ہے) غرض اس صورت میں جبکہ میت کے اولاد نہیں تو ان تینوں آیتوں سے شوہر بہن اور والدہ کا حصہ بہ ترتیب یہ ہوا ½ ، ½ ⅓ اب دوبارہ پھر ان کے الفاظ پڑھیے تو دیکھیے کہ اس کے سوا اور کیا کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید میں جو قانون ہے اس سے لازم آتا ہے کہ خدا کو چوتھی جماعت کے بچوں جتنا بھی حساب نہیں آتا اور یہ علمی دنیا کا اضحوکہ ہے۔ ذرا سا اور غور کیجیے کیا اس کا یہی مطلب نہیں ہوا کہ اگر اس کو قرآنی قانون یا ان آیتوں یا قرآن شریف کو خدا کا کلام مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ خدا جاہل ہے اور کیا اگر تاویل نہ کی جائے تو یہ قرآن کا انکار نہیں، ذرا انصاف سے بتائیے کہ اگر یہ الزام کسی غیر مسلم کی زبان سے آپ سنتے تو آپ اس کو کیا صلہ دیتے ؟

اب یہ عرض کیا جائے کہ حضرت عباس کی تحریک پر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں صحابہؓ نے بالاتفاق طے کیا ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ ایسی صورت میں عول کیا جاتا ہے تو عقل پرستوں کو یہ اچنبھا معلوم ہوگا۔ مگر حساب

درست رہے گا اور مسئلہ بجائے ۶ سے کرنے کے ۸ سے ہوکر تین شوہر کے تین بہن کے اور ۲ والدہ کے ہوں گے۔

$\frac{۸}{۶}$ زینب

شوہر	ماں	بہن
۳	۲	۳

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے خود حصّے مقرر فرمائے ہیں تو ان میں کمی بیشی دوسرا نہیں کر سکتا پھر جب بوقت موت خود اللہ تعالیٰ نے ہی یہ صورت پیدا فرما دی ہے تو اسی میں حصّہ رسد تخفیف فرما کر صحابہ رضؓ کے دلوں کو اس پر متفق کر دیا ہے کہ اس طرح عول کر دیں چونکہ یہ بات فن سے متعلق ہے اس لیے اسی قدر کو کافی سمجھا گیا۔ جیسے سہام بچنے اور مصنہ نہ ہونے میں رَدّ یعنی حصّہ اسدا ضافہ ہوتا ہے یہ دونوں نادر صورتیں یکساں ہیں

(۲) طلوعِ اسلام ص۹ - "آپ یہ سن کر متعجب ہونگے کہ اگر زید کی موجودگی میں محمود (پوتا) وفات پا جائے تو ہمارے فقہا اس کی جائداد سے زید کو حصّہ دلوا دیتے ہیں یعنی یتیم پوتے کی وراثت سے دادا حصّہ پا سکتا ہے لیکن دادا کی وراثت سے یتیم پوتا حصّہ نہیں پا سکتا۔ یہ ہے ہمارا وہ قانون جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ صدیوں سے چلا آرہا ہے اس لیے اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ ہم ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ جب آپ سے خدا پوچھے کہ کیا میرے قرآن کا ایسا کھلا حکم تمہارے سامنے نہیں تھا تو آپ وہاں کیا جواب دینگے۔"

اس تو سود وہ عقل کا کرشمہ دیکھیے کہ آپ کو اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ پوتے کی میراث دادا کو مل جاتی ہے دادا کی یتیم پوتے کو چچا کے ہونے نہیں ملتی حضور

صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ دلیلوں کے جواب کی حقیقت کے (۳) کے آخر میں عرض کیا گیا ہے، جس میں پوتے کے ترکہ سے دادا کو دوبارہ چھٹا حصّہ دیا گیا ہے اور ثبوتِ مسئلہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ دادا کا صرف بیٹے کو ملے گا اور پوتے کو نہیں تو اب پھر سنیے قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَلِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ — اور میت کے ماں باپ دونوں میں سے

مِّنۡہُمَا السُّدُسُ — ہر ایک کے لیے چھٹا حصّہ ہے۔

اب حقیقی تو باپ ہے یہ نہ ہو تو اب مجازی دادا چھٹے حصّہ کا وارث ہے اور اولادِ ذکور میں حقیقی ولد بیٹا ہے وہ نہ ہو تو مجازی ولد پوتا وارث ہوتا ہے، لیکن جیسے میت کے حقیقی اب باپ کے ہوتے مجازی دادا وارث نہیں ہے ایسے ہی میت کے حقیقی ولد کے ہوتے اس کا مجازی ولد پوتا وارث نہیں چاہے وہ حقیقی ولد یعنی بیٹا اس پوتے کا باپ ہو یا دوسرا بیٹا۔ فرق اس لیے نظر آنے لگتا ہے کہ دادا کے دوسرا بیٹا ہوسکتا ہے جو حقیقی ہوکر مجازی سے مقدم ہوگا مگر پوتے کے دوسرا باپ نہیں ہوسکتا جو حقیقی اب ہوکر دادا مجازی اب سے مقدم ہوکر وارث ہوتا اور دادا محروم ہوتا ورنہ اگر پوتے کے بھی دو باپ ہوسکتے تو وہاں بھی بعینہٖ اسی طرح حقیقی مقدم ہوکر مجازی محروم ہوجاتا مگر حق تعالےٰ نے باپ ایک ہی رکھا ہے۔ اب یہ دونوں مسئلے چونکہ عقل پرستی کے عمل کو دُعا دینے والے ہیں اور یورپ کے بنائے ہوئے عقل کے خدا کے خدائی قانون کے خلاف ہیں۔ اِس لیے حقیقی اور سارے عالم کے خدا کے حکم ان کو غیر خدائی معلوم ہو رہے ہیں اور پھر اس پر تعجب کیا جا رہا ہے کیا اس تعجب پر تعجب کرنے والا کوئی نہیں ہے؟

خدا تعالیٰ کا ہم سے سوال ہو گا تو جواب حاضر ہے اور اس حقیقت کے ہوتے ہوئے یہاں تو سوال کا شبہ بھی نہیں مگر یہ بتایا جائے کہ جب آپ سے سوال ہو گا کہ ایسی تحریفیں کر کر کے میرے قانون کو کیوں بگاڑا؟ اُس وقت کیا جواب ہو گا؟ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کا کھلا حکم قسّامِ ازل نے کس کے حصّہ میں رکھا ہے تحریف والے عقل پرستوں کے حصّہ میں یا سارے خدا پرست مسلمانوں کے حصّہ میں اور ان کا لیا ہوا مفہوم لغت حدیث تفسیر اجماع کے مطابق ہے یا گروہِ تحریف کا؟

(۳) پمفلٹ صـ ۳۴

" سوچنا چاہیئے کہ یہ قانون اس شفقت کے کہاں تک مطابق ہے جو اسلام مسلمانوں میں پیدا کرنی چاہتا ہے۔ اسلام تو سراسر رحم و مہربانی ہے ہمارے ہادیِ برحق صلے اللہ علیہ وسلم دنیا والوں کے لیے رحمت بالخصوص یتیموں اور بیکسوں کے لیے شفیق والدین سے بڑھ کر تھے "

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ قانون یتیموں پر رحم کرنے کے خلاف اور بجائے شفقت کے ظلم ہے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اسی بحث کا (۱) پھر پڑھ لیجیے کہ اس میں کس کس کو بے رحم اور ظالم بنایا جا رہا ہے خصوصاً رحمۃ للعالمین ؐ اور اُن کے صحابہ رضؓ کو جن کو اللہ تعالیٰ رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ (آپس میں رحم دل) فرما چکے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ رحم دل فرما دیں اگر وہ مسئلہ ہی بتائیں تو یہ خود اس کی دلیل ہے کہ یہ رحم و شفقت کے خلاف نہیں بلکہ جو اس کو رحم و شفقت کے خلاف دیکھتا ہے اُس کی آنکھوں پر غیریت کی عینک لگی ہوئی ہے۔

خیال تو کیجیے کہ رحم و شفقت کا یہ مطلب کب ہو سکتا ہے کہ چوری کر کے، ڈاکہ ڈال کے دوسروں کا مال با حق چھین کے یتیم پر رحم و شفقت کا مظاہرہ کیجیے، ہاں اپنی جیب سے رحم کیجیے خدا و رسول کا دیا ہوا حق کسی سے چھین کر دینا تو حلوائی کی دکان پر نانا کی فاتحہ سے بڑھ کر ہوگا ظلم اور حرام کام یہ ہوگا۔

ثبوت مسئلہ کی عقلی دلیلوں میں اس کی متعدد صورتیں دکھائی جا چکی ہیں کہ اگر پوتے کو حکم الٰہی کے خلاف دیا گیا تو کتنے یتیموں پر کیسا کیسا ظلم ہوگا۔ ان لوگوں کو ایک ایسی شکل میں ظلم نظر آتا ہے جو خدائے رحیم و کریم و علیم و حکیم اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور رحماء بینہم صحابہ رض کے اجماع سے حاصل ہے جس میں بہت بہت حکمتیں ہیں اور ہمیں اس کے خلاف بڑے بڑے ظلم اور دوزخ کی آگ نظر آ رہی ہے چند پیسوں کے لالچ میں پھانس کر خدا جانے کتنے پوتوں اور کتنے اُن کے حمایتیوں کو اس طرح دوزخ کا کندہ بنایا جا چکا ہے۔

ذرا آپ یہ بھی تو خیال کیجیے کہ پوتے کو اس کے باپ کا ترکہ قریب کل کے مل چکا ہے جس میں ایک پائی بھی اس کے چچا کو نصیب نہیں ہوئی حالانکہ یہ اس کا اور وہ اس کا قوت بازو تھا اب جب کہ اس چچا کے وارث ہونے کا نمبر آتا ہے تو اس کے باپ کے مال میں کاٹ چھانٹ ڈالی جاتی ہے یہ ظلم ہے یا ہر ایک کو اپنے اپنے باپ کا ترکہ ملنا۔

جس طرح یہ فرض کر کے ایک طومار بنا کر کھڑا کر دیا گیا کہ پوتا تو ننھا سا بچہ روتا اور بلبلاتا ہوا ہے اور دوسرا بیٹا جوان اور برسر روزگار ہے آخر یہ وہ

کیوں سامنے نہیں لائی جاتی کہ پہلی بیوی کے بیٹے کا پوتا جوان برسرکار اور بہت مالدار ہو اپنے ماں، باپ اور دادی تینوں سے ترکہ حاصل کیے ہوئے رئیس بنا بیٹھا ہو اور دوسری غریب بیوی سے ننھا سا بچہ تھا جو یتیم ہو گیا ہے اور اس کی ماں بیوہ ہو گئی اس غریب متوفی کے پاس جو کچھ تھوڑا بہت تھا اس ترکہ میں سے بھی اس کے یتیم بیٹے کے حصہ میں ⅙ کا کل نہ آسکے اور رئیسوں کے چھتے بھرے لگنے لگیں آخر قانون تو سب کو ہی عام ہوتا ہے اس غریب یتیم بے کس بے بس نے کیا قصور کیا کہ اس کو اس کے اپنے باپ کے مختصر سے ترکہ کا بھی کل نہ مل سکا اس ترکہ میں سے بھی اس امیر اور امیرزادہ کو دلوایا جانے لگا اور اگر پہلی بیوی کے کئی بیٹوں کے بہت سے پوتے ہوں گے تو اس کے باپ کا قریب قریب سارا ترکہ دوسرے بانٹ کھا جائیں گے۔ آخر اس یتیم پر کیوں کسی کو رحم نہیں آتا، یہاں وہ یتیمی پر رحم وشفقت کی تعلیم اور وہ سرور کائنات ؐ کا یتیم پروری کا اسوۂ حسنہ کیوں یاد نہیں آتا اور غضب بالائے غضب کہ اللہ کے حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور ساری امت کے اجماع سے پونے چودہ سو سال سے آج تک کے اور خود اس وقت کے تقریباً پچاس کروڑ مسلمانوں کے مذہبی اصول سے صرف تنہا ہی اپنے باپ کے مال سے ⅙ کا مالک تھا مگر چند تحریف کنندگانِ قرآن اور یورپ زدہ عقل کے پوجنے والوں کے کہنے سے اس کے حق اور واقعی واصلی حق پر کھنڈی چھری پھیر دی گئی یہ ظلم ہے یا وہ؟ یہاں طلوعِ اسلام کے جیسے وہ الفاظ کیا ہوئے" ایک تو اس بے چارے کا باپ مر گیا اور پھر وہ اپنے باپ کے بھی ترکہ کا پورا مالک نہ ہو سکا" وہاں تو

چچا تھا جو باپ کی شفقت کے لگ بھگ شفقت کر بھی سکتا تھا یہاں کوئی ایسا بھی نہیں یہ بھتیجا ہے جس کو مال و ثروت کے نشہ میں اس غریب ننھے سے چچا کی کیا فکر ہو سکتی ہے۔ وہ شرعًا ولی تھا خدا کا خوف بھی کھا سکتا تھا دنیا کی لاج بھی رکھ سکتا تھا یہاں اس کا بھی صفر رہے گا۔ اس کو ایسے چٹیل میدان میں لا کر مارا کر اس یتیم کو کوئی پانی کا قطرہ بھی دینے والا نہ ہو سکا یہ ہو گا انصاف اور رحم وکرم " اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا " سنیے حقیقت یہ ہے کہ یتیم ہونے کو میراث میں کوئی دخل ہی نہیں۔ ایسے ہی غریب ہونے کو کوئی دخل نہیں جو لوگ اپنی ہر نوزائیدہ بات کو ۔۔۔ قرآنی حکم کہہ گذرتے ہیں کسی آیت یا حدیث کی صراحت یا اشارہ کنایہ سے ہی دکھلا دیں کہ میراث میں اس کو کوئی دخل ہو اگر ایسا ہوتا تو یہ یتیم و غریب کسی نہ کسی کا چاہے وہ عزیز بھی نہ ہو وارث بنا دیا جاتا اور چونکہ یتیم نابالغی تک رہتا ہے تو بالغ یا امیر ہوتے ہی اس کی میراث چھین لی جاتی اور کوئی بالغ اور کوئی رئیس کسی کا وارث ہی نہ ہو سکتا اس لیے یہ صرف پراپیگنڈا اور جذبات سے کھیلنا ہے اور کچھ بھی نہیں۔

(۳۳) پمفلٹ ص۳۵

" کسی دوسرے ملک میں شاید یہ قانون اس قدر مذہبت بسال نہ ثابت ہو جس قدر کہ ہندوستان میں ہے اس لیے کہ یہاں مسلمانوں میں "بھی ایک قسم کے خاندانِ مشترکہ کا رواج ہے اپنی پشت ہا پشت تک لوگ ایک ساتھ رہ کر زندگیاں گزارتے ہیں اور بیٹوں کی جو کمائی ہوتی ہے وہ جب تک باپ زندہ رہتا ہے اس کی ملکیت میں منضم ہوتی جاتی ہے اب اگر اتفاق سے کوئی بیٹا باپ

کی زندگی ہی میں اپنا بچہ چھوڑ کر مرجاتا ہے تو چونکہ اس کی کوئی جداگانہ ملکیت قائم نہیں ہوتی اِس لیے اُس کا کچھ ترکہ ہی نہیں قرار پاتا اور سارا مال ومنال دادا کے قبضہ تصرف میں رہتا ہے پھر جب دادا مرجاتا ہے تو دوسرے حصہ دار بیچ میں آکر حائل ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ یتیم بچہ محجوب قرار پاجاتا ہے اور خود اس کے باپ کے گاڑھے خون کی کمائی دوسروں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے "

یورپ میں فنا ہوجانے والی عقلوں کا یہ حال ہورہا ہے کہ اپنے رسم ورواج کو تو وحی آسمانی سے بڑھ کر سمجھ لیا گیا اس میں کسی تغیر اور ترمیم کی ضرورت نہ سمجھی کہ مسلمانوں کو یہ تعلیم وترغیب دی جائے کہ ہر شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرتی بے مثال اصول پر عمل کرے کہ

تعاشروا کالاخوان — رہن سہن تو بھائی بھائی کا رکھو اور

وتعاملوا کالاجانب — معاملہ اجنبیوں کا سا رکھو۔

ہر شخص باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا بہن دادا ہو یا پوتا تعلقات میں تو شیرو شکر رہیں لیکن معاملات میں ہر ایک کی ملک ممتاز اور الگ الگ رہے، یا یوں کو یہ نصیحت نہ کی گئی کہ اولاد کے حصے الگ الگ کرکے رکھو ان کی کمائی اور ان کے کاروبار الگ رکھو صرف بقدر اپنے خرچ حسب ضرورت کے لے لو اگر پہلے سے ایسا نہ کرسکے تھے تو مرنے والے بیٹے کی موت پر اس کا کل حساب الگ نکال کر اس کی اولاد کو دے دو یہ کام تو بہت کٹھن تھا رواج تو وحی سے بھی زیادہ تھا اس کی تبدیلی پر کون لب کشائی کرتا، ہاں خدا و رسولؐ کے ہمیشہ

کے قانون میں تحریف کرلینا آسان کام تھا وہ کر کے رکھ دی جائے ساری اُمت کی امت کو گمراہ غلط کار، بدفہم، حقوق العباد کی تلف کرنے والی، گمراہ بنانے والی گنہگار اور گنہگار بنانے والی قرار دینا بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ اس میں کیا لگتا ہے، ایمان جائے عمل جائے جنت چھوٹے دوزخ ملے اس کا کوئی مضائقہ نہیں مگر رواج نہ جا پائے یہ ہے یورپ زدہ عقل کا بت جس کی آج پرستش کی جا رہی ہے، یہ ہے وہ بنا جس پر قرآن وحدیث اجماع سب کا انکار کر دیا جا رہا ہے۔

(۴) پمفلٹ ص۳۰

"فقہاء نے اگرچہ ایک مفرد اور طے شدہ قانون بنا کر فقہ کی کتابوں میں لکھ دیا ہے لیکن پھر بھی دیکھا جاتا ہے کہ عام طور سے مسلمان اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں خاص کر جب دوسرے اہل مذاہب اعتراض کرتے ہیں اور قانونِ اسلام کو یتیموں کے خاندان سے خارج کرنے کا الزام دیتے ہیں تو ان کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور کوئی معقول جواب نہیں دے سکتے۔"

اس تمام تحریفات کی وجہ کس قدر معقول بتا دی گئی ہے آپ بھی اس کی داد دیئے بغیر نہ رہیے کہ اعتراضوں کا جواب آپ سے بن نہ پڑا تو قانونِ الٰہی کو بدلنے کی ضرورت پیش آگئی اور سارے احکام میں ردو بدل کرنے کی سوجھ گئی اور اس طرح کہ فقہ کا اور اجماع کا تو انکار ہی کر دیا جائے قرآن وحدیث میں تحریف کر لی جائے اور کچھ نہ چلے تو حدیث کا بھی انکار کر دیا جائے بس اب

ایک ہی چیز رہ جائے گی آیت میں نئے سے نئے معنی خواہ بے اصل خلافِ لغت خلافِ زبان اور ہر طرح لغو ہوں کر لیے جائیں اس کے پہچاننے والوں پر غلط الزام لگا کر بدنام کر دیا جائے تحقیر و توہین کے ساتھ ملّا ملّا کہہ کر مسلمانوں کو اُن سے نفرت دلا دی جائے۔ بس پھر سارے مسلمانوں کو بے وقوف بنا لینا آسان کام ہے

ہاں ہم سب کو اس کی قدر کرنی چاہیے کہ ان جملوں سے یہ صاف بتا دیا گیا کہ یہ سارے کا سارا ہیر پھیر سب کی سب تحریفات محض اس لیے کی گئی ہیں کہ ان کے پاس اعتراض کرنے والوں کے لیے کوئی معقول جواب نہ تھا کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی اس مسئلہ میں واقعی کسی سے کوئی غلطی نہیں ہوئی مسئلہ اپنی جگہ صحیح سہی ساری اُمت حق پر ہی سہی مگر دوسرے اہل مذاہب کے لیے معقول جواب نہ پا سکنے کی وجہ سے جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ ایسا کیا گیا ہے کہ نہ باطل مذہب کی مخالفت رہے گی نہ وہ اعتراض کر سکیں گے۔ کوئی گمراہ ہو بلا سے ہو، جہنم میں جائے بلا سے جائے، کسی کا حق مارا جائے بلا سے مارا جائے، اللہ و رسول کی توہین ہو بلا سے ہو، مگر سرکارانِ یورپ کے سامنے شرمندگی نہ ہو، یہی وہ زبردست اصول ہے جس پر سرسید سے لے کر آج تک ان لوگوں کا عمل ہے اس لیے دین کے کسی مسئلہ کے متعلق یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں کو کس کس پر اعتراض کا جواب نہ آ سکے گا اور اس میں انکارات و تحریفات نہ ہوں گی، تعجب تو ان سے ہے جو تقریباً پوری صدی سے اس حرکت کو دیکھتے آ رہے ہیں اور پھر بھی ان کی بات پر کان دھرتے اور اس کو ایماندارانہ بات سمجھ لیتے ہیں۔

آخر کب تک مسلمان ایسے بھولے بنے رہیں گے۔

(۵) پمفلٹ ص ۳۱

"میرے ایک پھوپھی زاد بھائی ...... اسی مسئلہ کا شکار تھے، شیر خوارگی ہی کے زمانہ میں ان کے والدین انتقال کر گئے تھے لیکن دادا زندہ تھے اور ان کے اور بیٹے بھی تھے بعد میں اگرچہ ان کے نیک دل دادا نے ان کی وراثت کے لیے باقاعدہ وصیت نامہ لکھ دیا تھا لیکن برادرِ مرحوم کی جوانمرگی نے ان سب جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا میری توجہ اسی زمانہ سے اس مسئلہ کی طرف لگی رہی اور متعدد دلائل سے میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ یہ مسئلہ مغز و منشائے اسلام کے خلاف ہے"

اب آپ کو معلوم ہوگیا کہ ساری تحریفات کا منشا یہ جذبۂ حرص اور یہ لالچ ہے کہ ہائے میرے پھوپھی زاد بھائی کو اس کے چچاؤں کے حلق سے نکال کر کسی نے کچھ کیوں نہیں دے دیا۔ میرا بھائی اور اس طرح محروم رہ جائے لہٰذا (بلا تحریف) نہ وہ آیات قرآنی قابلِ تسلیم نہ وہ احادیث نہ اجماع نہ اُمت کا عمل نہ ان میں سے کوئی وہ چیز قابلِ تسلیم جو میرے بھائی کی وا دھیال سے مال و دولت کی پوٹیں باندھ لا کر میرے خاندان میں پہنچا دے۔ یہ ہے اصل مقصود سارے مسلمانوں کا اور ساری دلیلوں کا بس اسی وقت سے تگ و دو لگی رہی کہ کسی طرح ساری اُمت کی آنکھوں میں دھول جھونک کر قانونِ الٰہی بدل کر یتیم پوتے کی میراث کا قانون ہوا کہ یہ جائداد وصول کر لی جائے۔ اب خدا معلوم وہ وصول ہوئی یا نہیں ہوئی۔ سوچ لیجیے آپ کب تک بے وقوف بنائے جاتے

رہیں گے یہ تو روز روز کا قصہ ہے کل کو کسی اور کو کوئی ایسا واقعہ پیش آگیا تو وہ ایسا ہی کرے گا کہاں تک ان کی چالوں میں آکر آپ اسلام کے ایک ایک جز کو رونا کمزور یا ورکیا کرینگے اور "مغز" کی ایکسہی کہی کیا خدانخواستہ اسلام کا کوئی جز استخوان کی طرح بے کار ہے اور یہ کہنا بعض اجزائے اسلام کا انکار نہیں ہے

(۳) پمفلٹ ص۳

"یتیم اولاد کو خاندانی حقوق سے خارج کر دیا اور ان کو ہمیشہ کے لئے ان کے آباؤ اجداد کی جائداد اور ملکیت سے محروم کر دیا ایک ایسا خلافِ فطرت قانون ہے کہ تعجب ہوتا ہے کیونکہ انصاف پسند عقلا اس کو جائز رکھتے ہیں"

دریدہ دہنی دیکھیے کہ قرآن و حدیث اور اجماعِ امت، کے "قانون کو خلافِ فطرت اور انصاف پسند عقلائے یہاں ناجائز کہا جا رہا ہے اور یہ مسلمان کے لفظ ہیں کسی غیر مسلم کے نہیں، "علامہ" کہلانے والے کے لفظ ہیں کسی جاہل کے نہیں، اور قرآن فہم اور ساری دنیا سے زیادہ سمجھنے اور ماننے کے دعویدار کے لفظ ہیں ایرہ غیرہ کے نہیں۔

یتیم پوتے کا اگر کوئی چچا زندہ نہیں ہوتا تو باوجود میت کے بہن بھائی، نانا، ماموں، خالہ، پھوپھی، تایا، چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بہن بھائی پورا کنبہ کا کنبہ موجود ہونے کے پوتا ہی کل میراث کا اکیلا مالک ہوتا ہے کیا یہ خاندان سے خارج کرنا ہوا ہے۔

پوتے کے باپ کا کل ترکہ، کل جائداد، کل منقولات وغیر منقولات اس کے اسی بیٹے کو دے دینا اور دادا کے بیٹے کو ایک پائی کا شریک نہ قرار دینا

حالانکہ اسی کا بیٹا یہ ہے جس کا مرنے والا تھا یہ تو اس کے بیٹے کو خاندان سے خارج کرتا نہیں مگر دادا کا مال اس کے بیٹے کو دے دینا یہ انصاف پسند عقلا کے خلاف ہے۔ آخر ہر ایک کا باپ اس کا باپ ہی ہے یہ اچھا انصاف ہے کہ ایک کا باپ تو باپ اس میں شرکت پائے اور دوسرے کا باپ سا جھلا کیا اس یتیم بیٹے کے حلق پر چھری پھیرنا انصاف کرنا اور اس کو خاندان کا سرتاج بنانا ہے۔

یتیم پوتے کو کل میراث ملنے کی ایک صورت تو معلوم ہو چکی اب سنیے کہ قانون شرع میں اگر میت کے بیٹا یعنی پوتے کا چچا نہ ہو تو کتنا کتنا حصہ پوتے کو ملتا ہے تاکہ آپ یہ دیکھ لیں کہ اس کو خاندان سے کتنا خارج کیا گیا ہے۔

(۱) میت کے ایک یتیم پوتا اور باپ ہو تو باپ کو چھٹا حصہ اور پوتے کو کل باقی مال دیا جاتا ہے۔

(۲) میت کے ایک یتیم پوتا اور دادا ہو تو دادا کو چھٹا حصہ باقی کل پوتے کا۔

(۳) میت کے ایک یتیم پوتا ہو اور والدہ ہو تو والدہ کو چھٹا حصہ باقی کل پوتے کا۔

(۴) میت کے ایک یتیم پوتا ہو اور حقیقی بہن بھائی ہوں تو کل مال پوتے کا ہے۔

(۵) میت کے ایک یتیم پوتا ہو اور باپ شریک بہن بھائی ہوں تو

کل پوتے کا ہے ان کا کچھ نہیں۔

(۶) میت کے ایک یتیم پوتا ہو اور ماں شریک ایک بھائی یا ایک بہن یا کئی بہنیں یا کئی بھائی ہوں تو کل پوتے کو ملے گا۔

(۷) اگر پوتے کے ساتھ ماموں خالہ ہوں تو صرف پوتے کو کل مال ملے گا ایسے ہی ماموں زاد، خالہ زاد بہن بھائی ہوں تو بھی کل پوتے کا ہے۔

(۸) اگر پھوپھی یا اس کی اولاد ہو تو کل پوتے کو ملے گا۔

(۹) اگر صرف نانا ہو تو کل پوتے کو ملے گا۔

(۱۰) اگر تایا، چچا یا چچا زاد بھائی ہوں تو صرف پوتے کو کل ملے گا۔

(۱۱) اگر نانی یا پڑ نانی ہو تو چھٹا حصہ اس کو دے کر باقی کل پوتے کا ایسے ہی پڑ نانی کی ماں نانی وغیرہ

(۱۲) اگر دادی یا پڑ دادی ہو یا باپ کی نانی پڑ نانی وغیرہ ہوں تو چھٹا حصہ دے کر کل پوتے کا۔

(۱۳) اگر ایک بیٹی اور ایک پوتا تو نصف بیٹی کو نصف پوتے کو ملے گا

(۱۴) اگر میت کے بھتیجے ہوں اور پوتا ہو تو کل پوتے کو ملے گا۔

(۱۵) اگر پوتا اور بھانجے بھانجیاں ہوں تو کل پوتے کو ملے گا

(۱۶) اگر پوتا ہو اور بیوی ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ باقی سب پوتے کو ملتا ہے۔

(۱۷) اگر شوہر ہو اور پوتا ہو تو شوہر کو چوتھائی باقی سب پوتے کا ہے۔

(۱۸) اگر ایک سے زائد بیٹی ہوں تو دو تہائی بیٹیوں کو دے کر باقی پوتے

کا ہے ۔

(۱۹) اگر ایک پوتا اور ایک یا کئی عزیز میت کے ساتھ دوسری تیسری چوتھی وغیرہ پشتوں میں شرکت کرتے ہوں تو کل مال پوتے کا ہوگا اور وہ سب محروم رہیں گے ۔

(۲۰) اگر میت کے صرف پوتا پوتی ہی ہیں تو کل مال کے یہی مالک ہیں ۔

صرف اسی قدر مثالیں کافی ہیں اب آپ نے دیکھا کہ اس یتیم پوتے کو خاندان سے کتنا خارج کیا گیا ہے اور آبا و اجداد کی جائداد سے کتنا محروم کیا گیا ہے اور کتنی زیادتی کی گئی ہے کہ انصاف پسند عقلاء کے یہاں ناجائز اور خلاف فطرت قرار دیا جاسکے ۔ آپ یاد رکھیے کہ ہزاروں صورتوں میں سے سوائے اس ایک صورت کے کہ پوتے کا چچا زندہ ہو اور کسی صورت میں پوتا محروم نہیں کیا اس کو کہنے ہیں خاندان سے خارج کرنا ۔

ہاں انصاف پسند عقلاء تو اس کو جائز کرتے ہوں گے کہ بیٹے کو پوتے کی اور پڑپوتے اور سکڑ پوتے کی اور ان کو بیٹے کے برابر کردیں یہ انصاف ہوگا کہ سب کو ایک لکڑی سے ہانک دیا جائے اور یہ ایسا ہی تو ان خدائی قانون قرار دے دیں گے اور اس پر ان کی طرح کوئی یہ کہہ دے کہ ان کے خدا کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ بیٹا اور سکڑ پوتا یا پڑپوتا یا پوتا یکساں نہیں ہوسکتے تو پھر بُرا نہ مانا جائے ۔

(۷) پمفلٹ صفحہ

"ایک خرابی تو یہ ہے کہ محجوب اولاد کے دلوں میں محرومی کی وجہ سے

رنجش پڑ جاتی ہے کیونکہ ہر شخص فرشتہ تو نہیں ہے کہ مادی جذبات سے بالاتر ہو .... اس رنجش کی بدولت خاندان میں ایک دائمی عداوت کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے دینی اور دنیاوی برکتیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ اور ترقی نہیں ہوتی، بلکہ بعض حالتوں میں یہ عداوت خاندان پر تباہی اور بربادی لاتی ہے۔"

افسوس سارے مسلمانوں کو ایسا حریص اور لالچی سمجھ لیا گیا ہے کہ اگر ناحق کا مال ان کے ہتھے نہیں چڑھتا تو عداوت و عدالت اور تباہی تک پہنچ جاتے ہیں۔ جن کی طبیعتوں میں اس قدر لالچ اور بے ایمانی ہوتی ہے وہ تو باپ بیٹے، بھائی، بھائی، چچا بھتیجے اور قریب بعید روز الجھتے رہتے ہیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ ناحق الجھنے والے کی کیا حیثیت ہوتی ہے اگر ایسے لوگوں کے دست و گریباں ہونے سے خدائی احکام بدل دیئے جایا کریں گے تو ماموں بھانجے کی جنگ کی بھی فکر ہوگی کہ ماموں کو بھانجے سے اور بھانجے کو ماموں سے کوئی ترکہ نہ ملے گا اور قرآن شریف بیوی کو حصہ دلائے گا وہ دوسرا نکاح کر کے دوسرے خاندان میں پہنچ جائے گی وہاں اولاد ہوگی اس کی وارث ہو کر اس پہلے خاندان کے آباو اجداد کی جائداد میں شریک ہوگی تو یہ اس سے جنگ کریں گے۔ عورت کے شوہر کو اولاد نہ ہونے پر نصف ملے گا اگر دوسرے خاندان میں شادی کر کے اولاد ہو اور وہ اس نصف کی مالک ہو تو جن کے آبا و اجداد کی جائداد دوسرے خاندان میں جائے گی وہ ان سے ہمیشہ آمادۂ پیکار رہیں گے۔ بہن کو باپ کے ترکہ سے ملا بھائی لاولد مر گیا تو اس کا بھی نصف اس کو مل گیا وہ لاولد مر گئی تو

نصف اس کے شوہر کو ملا جن کے آبا واجداد کی جائداد دوسرے خاندان والے کو مل گئی وہ معرکۂ جنگ میں نظر آئیں گے اور یہ ساری جنگیں کیا کیا ترقیاں، برکتیں پیدا کریں گی عداوتوں، عدالتوں اور تباہیوں کے دروازے کھولیں گی تو کیا ان سب قوانین الٰہیہ کو بعض لالچی ایمان فروشوں کی وجہ سے آپ تبدیل کرنا چاہیں گے۔ دیکھیے تو سہی یہ باتیں ایک مسلمان کہلانے والے کی زبان سے کس طرح بے تکان ادا ہو رہی ہیں اور کس طرح تمام مسلمانوں کو لالچی اور ایمان فروش بنایا جا رہا ہے بجائے ان کو نیک ہدایت کرنے کے قرآن میں تحریف کی جا رہی ہے۔

(۸) پمفلٹ ص۵۸

"دوسری خرابی یہ ہے کہ جب لائق بیٹوں کو جو باپ کے خدمت گذار ہیں اور اس کی ملکیت کے انتظام و ترقی میں دن رات محنت اور کوشش کرتے ہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ اگر اتفاقاً وہ اپنے باپ سے پہلے مر گئے تو ان کی اولاد محجوب ہو جائے گی تو وہ باپ کی خدمت اور اس کے کاروبار سے پہلو تہی کرنے لگیں گے اور اپنی کمائی اور کوشش سے اپنی جداگانہ ملکیت پیدا کرنے کی فکر میں پڑ جائیں گے .... تو ایسی حالت میں جب کہ بیٹے اس خیال میں پڑ جائیں گے نہ باپ کی جائداد اور ملکیت کا انتظام ہو سکے گا نہ اس میں ترقی ہو سکے گی۔ علاوہ بریں باپ کو اپنے بڑھاپے کے زمانہ میں بھی جو تو امداد اور عبادت کا وقت ہے اپنے دنیاوی کاروبار سے سبکدوشی نہ حاصل ہو سکے گی اور اولاد سے وہ جائز

آسائش اس کو نہ مل سکے گی جس کی عہد پیری میں ان سے توقع کی جاتی ہے اور نہ اولاد ہی اُن کی خدمت کر کے سعادت مندی حاصل کرنے کے قابل ہو گی۔"

اس مثال کو پڑھ کر کئی باتوں پر غور کیجیے (۱) لائق بیٹے وہی ہو سکتے ہیں جو باپ کی خدمت اس مزدوری پر کریں گے کہ اس کے مرنے کے بعد جائداد اُن کو یا اُن کی اولاد کو ملے گی (۲) لائق بیٹے اس وہم کو یقین بنا کر کہ اگر وہ پہلے مر گئے تو اُن کی اولاد محروم ہو جائے گی یہ ناعقلمندی کریں گے کہ خدمت سے پہلو تہی کریں گے۔ (۳) جو ملکیت بعد میں تقسیم ہو کر جدا جدا ہونے والی ہے اگر معاملہ داری کے لیے پہلے سے اپنی کوشش سے الگ ملکیت یا باپ سے تقسیم کرا لیں گے تو بڑے سخت مجرم قرار پائیں گے کیونکہ باپ کے بعد جو آپس میں اور اس میں کہ فلاں نے بہت خدمت کی، فلاں نے کم کی، فلاں نے کاروبار چلایا، فلاں نے فقط جیبیں بھریں، فلاں پر اتنا خرچ ہوا تھا، فلاں پر کچھ نہیں ہوا، فلاں سے بہت محبت تھی فلاں سے کم تھی یا ناراضی تھی فلاں کی تعلیم پوری کرائی، فلاں کو جاہل رکھا، فلاں کی شادی کی، فلاں کی نسبت کی وغیرہ وغیرہ، جنگ و جدل سے بچنے کے لیے باپ کے سامنے تقسیم یا الگ الگ کاروبار کر لیں گے تو بڑا گناہ ہو جائے گا (۴) اس وہم پر تو سب کچھ کر گزریں جو قبضہ و اختیار سے باہر ہے مگر یہ احتمال بھی اُن کو نظر نہ آ سکے گا کہ جب ساری کمائی کا سرمایہ ہم نے باپ کو دے دیا ہے جو باپ کی ملک ہو گیا ہے اس کو حق ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے جس کو چاہے دیدے جس کے لیے چاہے

وصیت کر دے یا وقف کر کے ہمیشہ کے لیے اپنے ہی لیے خاص کر لے یا فروخت
کر کے کسی کو دے دے یا رہن رکھ دے یا قیمت لے کر قیمت خیرات کر دے
یا فضول اڑا دے اور ہم سب میدان میں کھڑے رہ جائیں اور ہماری خدمتوں
کی مزدوری ہضم ہو جائے اگر یہ لائق بیٹے اس وہم پر ایسا کر سکتے ہیں تو ان پیش
آنے والے احتمالات پر ایسا کرنے سے کیا مانع ہے ۔

اگر مزدوری پر خدمت کرنے والی سعادت مند اولاد کو مزدوری کے نکل جانے
کے ڈر کے وہم سے بچانا ہے تو فریب کے احتمالات سے بچانے کے لیے
ایک قانون بنا کر اس کو بھی خدائی قانون کہہ دینا پڑے گا کہ اس کے باپ کو اپنی
جائداد میں کسی تصرف کا حق نہ رہے گا (۵) سعادت مندی حاصل کرنے کے قابل
ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ جائداد کی مزدوری کے ملنے اور اس طرح ملنے کی توقع
پر خدمت کی جائے کہ پہلے مرنے کے وہم سے بھی اس توقع میں خلل نہ پڑ سکے
(۶) عبادت کا وقت بالغ ہونے کے بعد جوانی میں تو شاید ہوتا نہ ہوگا بڑھاپے
میں ہی ہوتا ہے اگر غیر منقسم طریقہ پر بیٹے کام کریں گے تو بڈھے کو فراغت
ملے گی اور اگر تقسیم عمل یعنی تقسیم شعبہ جات یا متعدد کاروبار کا ہر ایک کو ذمہ دار بنا
کر یا جائداد تقسیم کر کے ہر ایک کو آئندہ نزاع سے بچانے کے لیے دے دی
جائے تو اس وقت کیا باپ کی خدمت سعادت مندی کے خلاف ہو جائے گی
کیا باپ کو فراغت میسر نہ ہوگی تمام مجموعی کام کی نگرانی و ذمہ داری میں تو فراغت
ملے گی اور ہر ایک کو ایک ایک شعبہ یا حصہ کا ذمہ دار بنانے سے فراغت نہ ہوگی
یہ کتنی عجیب منطق ہے ۔ (۷) غرض تمام مسلمانوں کو ایسا غرض پرست مزدور پیشہ

باپ کے حقوق پر پیسوں کو ترجیح دینے والا قرار دینا آپ کا ہی کام ہے ایسے سعادتمندوں سے تو بہتر یہ ہے کہ وہ ملازموں سے کام لے لے۔

(۹) پمفلٹ ص۵۹

"تیسری خرابی ایک مثال سے سمجھ میں آسکتی ہے فرض کیجیے کہ ایک دولتمند کے دو بیٹے جن میں سے ایک بیٹے کے چار بیٹے ایک کا صرف ایک ہی بیٹا ہے اب اگر چار بیٹوں کا باپ خود اپنے باپ کی زندگی ہی میں مر جائے تو اس کے چاروں بیٹے محجوب الارث کے قانون کی رو سے سمجھ لیں گے کہ جو کچھ خاندانی ملکیت ہے وہ دادا کے مرنے پر چچا کو اور پھر منتقل ہو کر چچا زاد بھائی کو ملے گی ہم چاروں بھائی تو ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو گئے اس لیے ان میں اگر کوئی محرومی کے خیال سے غیظ و غضب میں آ کر .... چچا کو کسی حیلے سے مار ڈالے تو بالکل قرینِ قیاس ہے ....

.... قاتل کو سزا مل جائے گی لیکن اس کے ..... بقیہ تین بھائی جو پہلے بالکل محروم تھے اب دادا کے ترکہ میں سے تین ثلث کے حصہ دار ہوں گے اور اپنے چچا زاد بھائی سے جو پہلے اپنے باپ کے ذریعہ سے سارے ترکہ کا وارث ہوتا تگنا حصہ پائیں گے اس غریب کا باپ بھی مارا گیا اور حصہ بھی صرف ایک چوتھائی رہ گیا اور قاتل کے بھائی جو محجوب تھے اس تگنے کے حقدار ہو گئے۔ اس لیے یہ محجوب الارث کا مسئلہ بعض صورتوں میں قتل اور قطع رحم کا بھی محرک ہو سکتا ہے۔"

ملہ یہ تین ربع ہو گا کتابت کی غلطی ہو گئی ہے گی۔ ۱۲

خلاصہ یہ ہوا کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کا محروم ہونا چونکہ قتل کا محرک ہو سکتا ہے اس لیے یہ مسئلہ غلط ہے۔ یہ بات الگ رہی کہ آپ نے اس بیان میں مسلمانوں کو کس حرکت کی ترغیب دی ہے اور اس ترغیب پر کوئی ایسا کر بیٹھا تو اس کا یہ خونِ ناحق کس کی گردن پر ہوگا اور لفظ خاندانی ملکیت پر بھی جو ہندوؤں کے اصول اور ان کے ساتھ رہنے کے نتیجہ کے طور پر کہا جایا کرتا ہے نظر کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اگر مسلمان کے لیے سوائے پیسہ کے اور کوئی مقصدِ حیات ہی نہیں رہا اور چند پیسوں پر دوسرے عزیز مسلمان بلکہ باپ کے برابر چچا کا خون کر دینا اور دنیا کی سزاؤں اور آخرت کے عذابوں کو چند پیسوں کے بدلہ کھینچ لینا ایسا ہی آسان نظر آنے لگا ہے تو کیا کچھ اور بھی صورتیں ایسی ہیں جن میں یہ خونِ ناحق ممکن ہو سکے۔ اس کے لیے ذیل کی صورتوں پر غور کیجیے:-

(۱) زید نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی سے بہت سی اولاد ہے مگر وہ فقط غریب اور غریب کی بیٹی ہے دوسری بڑی رئیس اور زبردست جائداد کی مالک ہے مگر اس سے کوئی اولاد نہیں اب اس دوسری بیوی کے کئی بھائی ہیں جو خیال کر سکتے ہیں کہ اگر یہ اپنے خاوند سے پہلے مرگئی تو اس کی آدھی جائداد اور ملکیت اس کے خاوند کی ہو کر اس کے بچوں کو پہنچے گی جو ہمارے بہن کی سوت کے ہیں جو ہمیشہ اس سے لڑتی رہی ہے اور اگر خاوند پہلے مرگیا اور بہن بعد کو مری تو کل کی کل جائداد اور ملکیت ہمارے ہی پاس رہے گی ایک پائی بھی کسی کو نہ مل سکے گی۔ ہمارے باپ دادا کی جائداد مخالفوں کے پاس نہیں جائے گی اور سوکنوں کے

معاملات میں سالوں کو خود بہنوئی سے بھی جیسا تعلق رہ جاتا ہے وہ ظاہر ہے ، دشمن سے بچانے کے لیے کوئی ایسا کر گذرے تو یہ بہ نسبت اس صورت کے قرینِ قیاس ہوتی ہے تو کیا یہ لوگ یہ بھی کہیں گے کہ قرآنِ مجید کے اس صریح حکم کو کہ بیوی کے اولاد نہ ہونے پر نصف شوہر کا ہے بدل دیا جائے اور کیا مسلمان تیار ہو جائیں گے۔

(۲) ہندہ کے بہت سی اولاد ہے مگر خود بھی غریب خاوند بھی غریب اور خاوند کی پہلی بیوی بڑی رئیس تھی جو ایک لڑکا اور خاوند چھوڑ کر مر گئی تھی جس میں سے $\frac{1}{4}$ خاوند کا اور $\frac{3}{4}$ بیٹے کا تھا۔ ہندہ دوسری بیوی کے بیٹے سے ویسے ہی جذباتی طریقے سے ناخوش رہتی تھی اور یہ خیال سوہانِ روح بنا رہتا تھا کہ ایک ہی باپ کے سب بچے ایک کے پاس تو اس قدر مال و دولت رہے اور دوسرے سب بچے میرے کلیجہ کے ٹکڑے پھٹے حال رہیں انہی خیالات میں یہ تدبیر نظر آگئی کہ اگر یہ بچہ نہ رہے تو اس کی کل جائداد اس کے باپ کی ہو جائے گی اور اس کے واسطے سے میرے بچے سب کھاتے پیتے بن جائیں گے اب وہ خود یا کسی ذریعہ سے ایسی حرکت کر بیٹھے تو فرمائیے یہ قرینِ قیاس ہے یا وہ ؟

(۳) جو مثال ان صاحب نے فرض کی ہے کہ ایک بیٹے کے چار بیٹے اور ایک کا ایک کہ وقت یہ پہنچ گئی کہ مرکزی تحریکات کی تجویز پر حکومت کا قانون بن سکتا ہے تو ان چار کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اگر باپ ، چچا ہمارے دادا کی زندگی میں فوت ہو گئے تو تجویز یہ مسئلہ ہم چار کو آدھا ترکہ دلوائے گا اور

اس اکیلے کو آدھا تو ہم کو تو ہر ایک کو ملے گا آٹھواں حصّہ اور اس کو ملے گا نصف اور اگر یہ نہ رہے تو کل میرے بھائیوں کا ہوگا اس وقت آپ کیا قرین قیاس قرار دیں گے اور اگر بجائے چار کے وہ دس بیٹے ہوں تو ہر ایک کو $\frac{1}{20}$ اور چچا زاد کو نصف پھر کیا خیال ہوگا۔ اور آپ کی یہی صورت خون ناحق کرائے گی یا نہیں؟

نمونہ کے طور پر یہی مثالیں کافی ہیں ورنہ بہت سی صورتیں ایسی نکلیں گی جو بقول ان کے قرآنی مسائل اور ان کے تحریفی مسائل سب قتل کے محرک ثابت ہو جائیں گے اور سب کو بدل دینا پڑے گا اور بدلے ہوئے بھی محرک بنیں گے پھر کوئی اور بدلے گا پھر وہ بھی بدلے جائیں گے۔ "اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا"

(۱۰) پمفلٹ ص ۵

" پوتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت قرار دیا ہے اَللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً ط وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُوْنَ ہ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا اور تمہاری بیویوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور پاک چیزوں سے تم کو روزی عطا فرمائی کیا پھر بھی لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں) کیا نعمت الٰہی کی قدر و حرمت یہی ہے کہ وہ خاندان سے خارج اور اپنے باپ دادا کی کمائی اور محنت کے ثمرہ سے محروم کر دی جائے اور در بدر ٹھوکریں کھاتی پھرے"۔

کس قدر سفید جھوٹ اور کیسی کھلی تہمت لگائی گئی ہے کہ باپ کی کمائی اور محنت کے ثمرہ سے محروم کرنے کو کہہ دیا گیا ہے۔ قرآن میں تحریف حدیث میں تحریف والوں میں کچھ کا کچھ عقلی باتیں کیسی معقول مگر اس تہمت کا کیا ٹھکانا آخر مسلمان گو اسلامی علوم سے بہت ناواقف رہنے لگے ہیں مگر ایسے تو بے خبر نہیں ہیں۔ کسی کتاب کے حوالہ سے نہ سہی، کسی مضمون اور تقریر کے حوالہ سے نہ سہی، کسی مسلمان عالم یا جاہل سے بھی کبھی کہیں کسی طرح صاف یا اشارہ کنایہ میں بھی یہ سنا ہے کہ جس کا باپ مر جائے وہ باپ کی کمائی اور اس کی محنت کے ثمرہ سے محروم ہو جاتا ہے اگر سنا ہو تو بتائیے ورنہ بتائیے کہ ان لوگوں کی بات کس درجہ کی ہوتی ہے۔ ہاں صرف دادا کے ترکہ سے وہ بھی صرف ایک صورت میں کہ اس کا چچا موجود ہو اس کو کچھ نہیں ملتا۔

پوتے کو خاندان سے خارج کرنے کی داستان کا کچھ نمونہ آپ اسی بحث کے (۶) میں دیکھ چکے ہیں کہ بطور مثال صرف اختصار کے لیے اکیس مثالوں کو بیان کیا گیا ہے جن میں سے بارہ میں کل مال و دولت، کل جائداد و ملکیت صرف یتیم پوتے کو ملتی ہے اور کسی کو ایک پائی نہیں ملتی اور باقی میں بھی زیادہ حصہ یتیم پوتے کو ہی ملتا ہے مگر اس صفائی کو دیکھیے کہ پھر بھی وہ خاندان سے خارج کر دیا گیا اور اس کو دربدر ٹھوکریں کھلوا دی گئیں علاوہ اس شکل کے کہ دادا کا بیٹا کوئی موجود ہو خواہ اس کا باپ یا دوسرا بیٹا کہ اس وقت تو ولد حقیقی کے ہوتے ہیں مجازی مراد نہیں ہو سکتا اور یہ اس وقت اور فقط اس وقت محروم ہوگا کیونکہ میراث ولد کے لئے ہے یہ اس وقت ولد ہی نہیں ہو سکتا،

اس لیے محروم ہوتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی صورت اس کے محروم ہونے کی نہیں ہے ساری صورتوں میں یا کل کا وارث ہوگا یا اور ذوی الفروض سے باقیماندہ کل کا یہ حقیقت ہے اس کے خاندان سے خارج ہونے کی۔

ہاں ذرا یہ تو سوچیے کہ اللہ تعالیٰ نے پوتے کو ہی نعمت فرمایا ہے یا بیٹے کو بھی اور اول ذکر کس کا فرمایا ہے اول نعمت کس کو قرار دیا ہے اور زیادہ غصہ کون سی نعمت کا ساقط رہا اور بڑی نعمت کون سی ہے مقدم کون ہے موخر کون ہے آپ خود سوچیے اور فیصلہ کیجیے۔

فقہائے کرام پر اعتراضات

ثبوت مسئلہ کے (۸) میں ثابت کیا گیا ہے کہ علم فرائض کے مسائل صرف قرآن مجید حدیث شریف اور اجماع امت سے ثابت ہیں قیاس شرعی سے نہیں اسی لیے ان میں زیادہ اختلاف نہیں جو اختلاف اجماع سے پہلے کا تھا وہ اجماع سے مٹ چکا لہذا اب اعتراض اگر کیا جائے گا تو وہ کتاب و سنت اور اجماع پر اعتراض ہوگا اگر دنیا میں ایسے بیوقوف بھی مل جاتے ہیں کہ وہ ایسی باتیں کتاب و سنت و اجماع کے خلاف سننے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو آپ ہی بتائیے کہ قصور کس کا بتایا جائے۔

(۱) پمفلٹ صـ ۲۱ فتنہ والا ہل (یہ مضمون مرکز تنزیلات کا ہے

اور اس باب میں ان کی دو دلیلیں اہم ہیں (۱) وہ کہتے ہیں کہ جو شخص میت

دادے کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے واسطہ سے رشتہ رکھتا ہے وہ شخص اس کی موجودگی میں ترکہ نہیں پا سکتا یعنی خالد کا رشتہ اپنے دادا زید کے ساتھ اپنے والد بکر کے واسطے سے ہے براہِ راست نہیں۔ ٹھیک ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ بکر تو مر چکا ہے اب خالد اپنے مرحوم باپ کا قائمقام ہے اور اس کے اور اُس کے دادا کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اس کا چچا عمر درمیان میں واسطہ نہیں بن سکتا اس لیے کہ خالد کا اپنے دادا سے رشتہ اپنے چچا عمر کے واسطہ سے نہیں ہے اپنے باپ کے واسطہ سے تھا اور یہ واسطہ اب درمیان سے نکل چکا ہے"

صـ۳۶ پر اسلم صاحب کے الفاظ اس طرح ہیں :-

"فقہا نے حجب حرمان کو صرف دو اصول پر مبنی قرار دیا ہے (۱) جو شخص مورث کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے واسطے سے رشتہ رکھتا ہے وہ اس وقت تک وراثت نہیں پا سکتا جب تک وہ درمیانی شخص موجود ہے اصل الفاظ سراجی کے یہ ہیں وهو (ای حجب الحرمان) مبنی علی اصلین احدهما ان کل من یدلی الی المیت بشخص لا یرث مع وجود ذالك الشخص والثانی الاقرب فالاقرب حجب حرمان دو اصول پر مبنی ہے پہلا یہ کہ جو شخص میت سے کسی کے واسطہ سے قرابت رکھتا ہے تو اس واسطہ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوگا اور دوسرا الاقرب فالاقرب ہے۔ پہلا قاعدہ جس کو مختصر لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں۔ واسطہ کی موجودگی میں ذی

سلہ کتاب میں اصل لفظ وہذا ہے ۱۲

واسطہ وارث نہیں ہوتا۔ یتیم پوتے کو کسی طرح محروم نہیں کرنا اس لیے کہ پوتے کو دادا کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ بالواسطہ اپنے باپ کے ہے اور جب باپ جو واسطہ تھا موجود ہی نہیں تو پوتا کیوں محروم ہونے لگا، دوسرا قاعدہ الاقرب فالاقرب ہے اسی میں غلط فہمی واقع ہوتی ہے اس کے ظاہری معنی خیال کر کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ بیٹا جو قریبی رشتہ دار ہے یتیم پوتے کو جو اس سے دور کا رشتہ دار ہے محجوب کر دے گا۔"

آگے صفحہ ۳۵ پر ایک مثال دے کر اعتراض کیا ہے :-

۶	زید
دادا	بیٹا
۱	۵

بیٹے کی موجودگی میں دادا کو حصہ ملا حالانکہ بیٹا اقرب ہے۔ دوسری مثال

۶	زید	
باپ	بیٹا	پڑنانی
۱	۴	۱

یہاں بیٹے اور باپ کے ہوتے پڑنانی حصہ دار ہو گئی جو نہایت دور کی ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس پر تعجب ہوتا تھا کہ بھتیجا پھوپھی کا وارث ہوتا ہے اور پھوپھی بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی۔ لیکن اگر موجودہ فقہا ان کے سامنے ہوتے تو ان کو اور بھی حیرت ہوتی کہ نانی بلکہ پڑنانی تک تو نواسے کے ترکہ میں سے حصہ پاتی ہے

لہ یہ الف لام کاتب نے غلط لگا دیا ہوگا ۱۲

اور نواسہ ان میں سے کسی کا بھی ترکہ نہیں پاتا دادا محجوب الارث پوتے کا وارث ہوتا ہے اور پوتا دادا کا وارث نہیں ہوتا،

تیسری مثال

زینب ۶

شوہر	ماں	دو اخیافی بھائی	دو حقیقی بھائی	دو علاتی بھائی
۳	۱	۲	محروم	محروم

حجب حرمان کا پہلا قاعدہ یہ چاہتا تھا کہ دونوں مادری بھائی جو ماں کے واسطہ سے رشتہ رکھتے ہیں اس کی موجودگی میں محروم ہوں لیکن نہیں ہوتے ...... دنیا میں کون شخص ہے جو کہہ سکتا ہے کہ حقیقی بھائیوں کو محروم کر کے اخیافی بھائیوں کو حصہ دے دینا جو زیادہ تر اپنے کنبہ کے بھی نہیں ہوتے کسی معقول اصول وراثت پر مبنی ہے، یہ سوچنے کی بات ہے کہ جس رشتہ سے اخیافی وارث بنائے گئے ہیں حقیقیوں میں اگر باپ کے رشتہ کا نہ بھی خیال کیا جائے تو کم سے کم وہ رشتہ تو ضرور موجود رہے پھر ان کو محروم کرنے کے کیا معنے۔

چنانچہ امام مزنی کی کتاب المختصر میں ہے کہ اس صورت میں حضرت عمرؓ حقیقیوں کو محروم نہیں کرتے تھے۔ خود فقہا بعض جگہ دو قرابت والوں کو ایک قرابت والے سے اقوی قرار دے کر حصہ دلاتے ہیں لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے "

اس تمام تقریر کا حاصل آٹھ باتیں ہیں (۱) حجب واسطہ کی موجودگی میں

ذی واسطہ وارث نہیں تو اپنے باپ کی موجودگی میں تو پوتا وارث نہ ہوگا عدم موجودگی میں وارث ہوگا۔ چچا واسطہ نہیں ہے اس کے وجود وعدم سے کوئی فرق نہ ہوگا۔(۲) اخیافی (ماں شریک) بھائیوں کو حصّہ دینے اور حقیقی بھائیوں کو محروم کرنے میں یہ قاعدہ غلط ہو جاتا ہے کیونکہ ماں واسطہ ہے اس کی موجودگی میں ماں شریک بھائیوں کو دیا گیا ہے۔ (۳) حقیقی کو محروم اور اخیافی کو وارث بنانا معقول اصول پر مبنی نہیں ہو سکتا۔(۴) دو قرابتوں والا اقوی ہوتا ہے تو حقیقی اقوی اور وارث کیوں نہیں (۵) حضرت عمرؓ اس صورت میں حقیقی کو محروم نہیں کرتے تھے (۶) الاقرب فالاقرب میں غلطی ہوئی ہے (۷) دادا سے بیٹا قریب تھا دادا کو کیوں حصّہ ملا۔ ایسے ہی پڑنانی سے باپ بیٹا تو قاعدہ غلط ہوا (۸) حضرت عمرؓ کا تعجب۔

یہ باتیں خود فقہائے نے لکھ لکھ کر ان کے جواب دے رکھے ہیں کیونکہ یہ حضرات تو دوسروں کے شبہات کو بھی خود قائم کر کرکے دور کرنے کے عادی ہیں اور اسلم صاحب کے سامنے وہ کتابیں ہیں بھی مگر اس کا راز سمجھ میں نہیں آسکا کہ ان دور شدہ اور دفع کردہ اشکالات کو بلا جواب نقل کیوں کیا گیا ہے اگر وہ جوابات صحیح نہیں معلوم ہوئے تھے تو ان پر گفتگو ہوتی ان کی قوت وصحت کو دوسرے الفاظ ثابت کرتے اور اگر جوابات سے شبہات حل ہو جاتے تھے تو یہاں نقل کرنے سے کیا فائدہ کیا اس کو کوئی دھوکہ دہی نہیں کہہ سکتا۔ ایک بات اور تعجب کی سنیئے کہ سراجی کی عبارت میں سے آپ نے کچھ وہ ٹکڑے سے اُڑا دیئے جن سے یہ قاعدہ نامکمل ہوگیا اور جو ملے کا شبہ ہے وہی ٹکڑا اس

کا جواب تھا جو رہ گیا ایک ٹکڑا بعد کا کاٹ دیا گیا ہے جس وجہ سے آئندہ آنے والے شبہات کی گنجائش ہوگئی وہ یہاں بعد میں نقل کیے جائیں گے نہیں معلوم تصنیف اور مضمون نگاری کا یہ کون سا دیانتدارانہ اصول ہے ہماری عقل سے تو یہ بہر حال اونچا ہے۔

لفظ والثانی (دوسرا قاعدہ) سے پہلے سراجی میں یہ لفظ ہیں سوی اولاد الام فانهم یرثون معها لانعدام استحقاقها جمیع الترکة (سوائے ماں کی اولاد کے اخیافی بھائی بہن) کے کہ وہ ماں کے ساتھ وارث ہوتے ہیں کیونکہ ماں پورے ترکہ کی وارث نہیں۔)

اب شارح سراجی میر سید شریف کے بیان میں مکمل قاعدہ یوں سمجھیے کہ واسطہ اگر (ایک حیثیت سے) تمام ترکہ کا مستحق ہوتا ہے تو صاحب واسطہ اس کی موجودگی میں میراث سے بالکل محروم ہوگا خواہ سبب وراثت دونوں میں ایک ہو جیسے باپ اور دادا ہیں (کہ اب (باپ) ہونا سبب ہے) اور بیٹے اور پوتے ہیں (کہ ولد ہونا سبب ہے) یا سبب وراثت الگ الگ ہو جیسے باپ اور بھائی بہن ہیں (کہ باپ اب ہونے کی اور بھائی بہن اخ داخت ہونے کی وجہ سے وارث ہیں) وجہ یہ ہے کہ جب واسطہ پورے ترکہ کا مالک ہو جائے گا تو صاحب واسطہ کے لیے کچھ باقی ہی نہیں رہے گا وہ محروم ہی رہ جائے گا اور اگر واسطہ کل ترکہ کا مستحق نہیں تو پھر اگر دونوں کی وراثت کا سبب ایک ہی ہے تو یہی حکم ہوگا کہ صاحب واسطہ بالکل محروم جیسے والدہ اور نانی (کہ دونوں اُم (ماں) ہونے کی وجہ سے وارث ہیں) وجہ یہ ہے کہ جب واسطہ نے اسی بنا پر اپنا حصہ لے لیا

تو اب اس بنا کا جس کی وجہ سے وہ دوسرا بھی وارث ہو رہا ہے کچھ حصہ باقی نہیں رہا اور اس کے لیے نہ کوئی دوسری بنا ہے نہ کوئی حصہ اس لیے وہ محروم ہو گا اور اگر سبب میراث دونوں کا الگ الگ ہے جیسے ماں اور ماں شریک بہن بھائی (کہ ماں ام ہونے کی وجہ سے وارث ہے اور ماں شریک بھائی بہن اخ اور اخت ہونے کی وجہ سے) تو ایسے میں واسطہ اپنے سبب میراث کا حصہ لے گا اور صاحب واسطہ اپنے سبب میراث کا۔ (شریفیہ صہ ۵۸)

اب نمبروار ان باتوں کی حقیقت معلوم کیجیے

(۱) یہ اصل اس صورت کے لیے ہے ہی نہیں، خود شارح سراجی نے لکھا ہے کہ "مصنف رح نے فقط اصل اول کو اس لیے کافی نہیں قرار دیا کہ وہم نہ ہو جائے کہ بیٹے کا ولد مذکر ہو یا مؤنث اس بیٹے کے ساتھ وارث ہو سکے گا جو اس کا باپ نہیں کیونکہ وہ اس کے واسطے سے قرابت نہیں رکھتا، یعنی یہ اصل دوسری بعض صورتوں کے لیے ہے اس صورت کے لیے نہیں بلکہ اس کے لیے دوسری اصل ہے الاقرب فالاقرب، اگر ایک ہی اصل کو بیان کیا جاتا تو چچا کی موجودگی میں پوتے کے وارث ہونے کا وہم پیدا ہو جاتا۔ (شریفیہ صہ ۵۹)

(۲) سراجی کا چھوڑا ہوا فقرہ اور شرح کا بیان اس کا مکمل جواب ہے کہ ماں کے لیے سبب میراث ام (ماں) ہونا اور بھائی بہن کے لیے اخ و اخت ہونا ہے ماں اپنے سبب میراث سے وارث ہو گی اور مقررہ حصہ لے گی بھائی بہن اپنے سبب میراث سے وارث ہوں گے باقی کل لیں گے اس طرح نہیں جیسے ماں اور نانی کیونکہ نانی کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً نہیں بلکہ وہ اُم (ماں) مجازی ہوتی

ہے تو یہ بھی ام ہے وہ بھی ام دونوں ایک ہی سبب میراث سے وارث ہوتے ہیں اورام کا حصہ مقررہ ہے جب وہ حصہ حقیقی ام نے لے لیا تو مجازی کے لیے کچھ باقی نہ رہا، اس لیے ماں حاجب ہو جاتی ہے ایسے ہی دادا اور باپ کہ دادا کا ذکر صراحۃً نہیں ہے اور اب مجازی ہے لہذا باپ اور دادا دونوں ایک سبب میراث "اب" ہونے سے وارث ہوتے اور پوتے کا ذکر بھی صراحۃً نہیں وہ بھی ابن مجازی یا مذکر ولد مجازی ہے یہ دونوں بھی ایک ہی سبب میراث سے وارث ہوتے ہیں ابن ہمیشہ عصبہ اور کل یا بقیہ کل کا وارث ہوتا ہے اس لیے اس کے حقیقی کے ہوتے مجازی محروم اور باپ کبھی عصبہ کل یا بقیہ کل کا وارث ہے کہ جب اولاد نہ ہو تو اس کے کل یا باقی کل لینے کی وجہ سے اب مجازی دادا محروم ہے اور کبھی ذوی الفرض چھٹے حصے کا مالک ہے کہ جب بیٹا یا پوتا ہو تو اب مجازی بھی اسی سبب سے وارث ہوتا ہے تو اس کے مقررہ حصہ لینے سے وہ محروم ہوگا کبھی دونوں حیثیت سے وارث ہوتا ہے جب بیٹی ہو تو پھر بھی اس سے دادا محروم ہے کیونکہ کل وہ لے چکا کچھ باقی نہیں رہا اور ماں اور ماں شریک بہن بھائی الگ الگ سبب سے وارث ہیں ماں کا $\frac{1}{6}$ یا $\frac{1}{3}$ مقررہ ہے دوسرے کی ماں شریک اپنا مقررہ حصہ لیں گے۔ لہذا دونوں ذوی الفروض ہیں دونوں اپنے حصہ کے وارث ہیں اور حقیقی بھائی عصبہ ہیں ذوی الفروض سے جو بچتا ہے وہ کل کے مالک ہوتے ہیں اس صورت میں ذوی الفروض شوہر کو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے $\frac{3}{6}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ ماں شریک اخیافیوں کو قرآن شریف کے حکم سے $\frac{2}{6}$ ملا اور ترکہ ختم ہوگیا نہ باقی رہا نہ ان حقیقی وعلاتی بھائیوں کو ملا۔

۶	زینب				
شوہر	ماں	دو اخیافی بھائی	دو حقیقی	دو علاتی بھائی	
۳	۱	۲	محروم	محروم	

اگر اخیافی بھائیوں کو نہ دیا جائے تو آیت کے حکم کے خلاف ہوگا اس حکم میں تحریف کرنے والے اب تک نہ ہوتے تھے اب پیدا ہو گئے ہو تگے اخیافی ذوی الفروض مقررہ حصے والے ہیں جن کے حصے اللہ نے مقرر کر دیے وہ مقدم ہیں اُن کو کم زیادہ کون کر سکتا ہے حقیقی و علاتی کا مقرر نہیں اس لیے اُن کو بعد میں ملے گا جس قدر باقی ہوگا باقی نہیں ہوگا تو نہیں ملے گا۔

یہ اشکال فقہی قاعدے پر تو لازم نہیں آتا مگر آپ کے تحریفی قاعدے پر ضرور لازم آتا ہے کہ اقرب کے معنے یہ کیے تھے" وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی موجود نہ ہو" اخیافی بھائیوں کے درمیان واسطہ ماں موجود ہے بلکہ حقیقی بھائی بہن سے بھی ان معنی کا غلط ہونا ثابت ہوگا کیونکہ ماں کی موجودگی میں وہ بھی وارث ہیں حالانکہ واسطہ موجود ہے تو یہ قانون کہ اقرب وہ کہ واسطہ موجود نہ ہو جب وارث ہوگا غلط ہوگا۔

وہ الزام اِن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

(۳) اس کی بحث ان شاء اللہ آئندہ کی جائے گی کہ قرآن شریف نے اسی طرح بتایا ہے اب قرآن شریف کے حکم کو خلافِ عقل قرار دیا جائے تو یہ آپ کی ہمت ہے ہم لوگوں کو دوزخ کے عذاب سر لینے کی ہمت نہیں ہوتی اخیافی کا حصہ $\frac{1}{6}$ زائد کا $\frac{1}{3}$ مقرر ہے۔ مقررہ حصہ والے اہتمام کئے ہوئے ہیں وہ

مقدم ہیں حقیقی و علاتی کا حصہ مقرر نہیں کبھی کل کبھی باقی اور اخیافی کل یا باقی کا کبھی حقدار نہیں صرف مقرر کا ہے اس لیے اس کا مرتبہ کم ہے۔

(۴) اقویٰ ہونے کے لیے قوت کے احکام کا ثبوت ضروری ہے۔ نہیں کہ جہاں حکم عقل میں نہ آئے وہاں قوت کو آڑ بنا کر حکم کو ٹال دیا جائے۔ اخیافی بھائی بہنوں کو ایک ہو تو $\frac{1}{6}$ زیادہ ہوں تو $\frac{1}{3}$ ہمیشہ ملتا ہے چاہے تنہا وارث ہوں یا اور اُن کے ساتھ وارث ہوں اور حقیقی و علاتی کو اگر تنہا ہوں تو کل ترکہ اور ان سے قریب کا عصبہ نہ ہو تو کل کا بقیہ ملتا ہے وَهُوَ يَرِثُهَا اِنْ لَمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ (اور بھائی اس بہن کا جس کے باپ نہ ہو کل کا وارث ہے اگر اولاد نہ ہو) حق تعالےٰ نے خود قوت کا ثمرہ عنایت فرمایا ہے۔ دیکھیے باپ اقویٰ ہے مگر اولاد کے ساتھ اُس کو بھی $\frac{1}{6}$ ماں کو بھی $\frac{1}{6}$ ملتا ہے گو ماں اقویٰ نہیں لیکن اس کے اقویٰ ہونے کا بھی لحاظ یہ فرمایا گیا ہے کہ اولاد نہ ہو تو والدہ کا $\frac{1}{3}$ اور باقی کل باپ کا ہے ایسی ہی شکل یہاں ہے اس لیے اقویٰ ہونے کے لیے قوت کے نفسِ احکام کا وجود ضروری ہے ہر جگہ ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ حقیقی بھائی کل کا وارث ہوسکتا ہے ماں شریک نہیں ہوسکتا $\frac{1}{3}$ سے زائد نہیں پاسکتا

(۵) بارہا عرض کر دیا گیا ہے کہ اختلاف معتبر نہیں رہا جب اجماع ہوچکا ہے اختلاف رفع ہوچکا۔

(۶) اس کی حقیقت پہلے گذر چکی ہے دیکھیے ثبوتِ مسئلہ (۴) اور دلائل کے جواب کی حقیقت کے (۲) اور مرکزِ تحریفات کے دلائل کا ع ۲ ۔

(۷) دادا کی دو حیثیتیں ہیں جیسے باپ کی دو تھیں عصبہ اور ذوی الفروض

اور بیٹا فقط عصبہ ہے۔ عصبہ کل یا بقایا کا مالک ہوتا ہے بیٹا اقرب ہے وہی عصبہ ہوا ہے، دادا عصبہ نہیں ہوا ورنہ کل وہ لیتا بیٹا محروم ہوتا صرف ذوی الفروض کا حصّہ ⅙ دادا کو ملا باقی سے محروم رہا اور بیٹے کو باقی کل ملا بالکل اصول کے موافق ہے اور دوسری مثال میں باپ اور پڑنانی دونوں ذوی الفروض ہیں۔ بیٹا عصبہ، بیٹا قوتِ قرابت سے مقدم ہے اس لیے باپ کی دوسری حیثیت عصبہ ہونے کی نہیں رہی صرف ذوی الفروض ہے ⅙ ملا ہے ورنہ اگر بیٹا ہونے سے اس کے عصبہ ہونے کی حیثیت ختم نہ ہوتی تو وہی باقی لیتا اب تو ذوی الفروض میں ہے اور پڑنانی بھی ذوی الفروض میں ہے مگر سبب متحد نہیں اس کا سبب اَب ہونا ہے اس کا سبب ام مجازی ہونا بالکل قاعدہ سے ہے معلوم نہیں کس طرح غلط فہمی ہو گئی۔

(۸) کیسی افسوسناک بات ہے گویا حضرت عمرؓ کا تعجب مسئلہ کو غلط قرار دینا تھا اگر اختلاف ہوتا تو بھی عصبات کی میراث پر اجماع ہونے سے وہ رفع ہو چکا اس کا ذکر ہی فضول کیا حضرت عمرؓ حضورؐ کے ارشاد کو غلط سمجھتے تھے حضورؐ کا ارشاد بھی براہِ راست ارشاد تھا بلکہ تعجب اس کی حالت پر تھا۔

(۴) پمفلٹ ص ۲۴

"قرآن نے یہ کہا ہے کہ جو کچھ اقربا چھوڑ کر مریں اس میں سے مردوں اور عورتوں کو حصّہ ملے گا یہ نہیں کہا کہ میت کے اقربین کو حصّہ ملے گا یہ فرق بڑا نازک ہے اس کو نظر انداز کر دینے سے تدوین فقہ کے وقت یہ اصول بنایا گیا کہ میت کا قریبی رشتہ دار اپنے سے دور کے

رشتہ کو محروم کر دیتا ہے اور اس اصول کی بنا پر یتیم پوتے کو مرنے والے کے بیٹے کی موجودگی میں وراثت سے محروم کر دیا یہ فرق چونکہ بڑا نازک ہے اس لیے اسے اور وضاحت سے سمجھنے کی ضرورت ہے قرآن نے کہا ہے کہ تمہارے اقرب جو کچھ چھوڑ کر مریں اس کی تقسیم یوں ہوگی یعنی دیکھنا یہ ہوگا کہ مرنے والا اپنے زندہ رشتہ داروں میں سے کس کس کا اقرب تھا اقرب کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اور میت میں کوئی درمیانی واسطہ موجود نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ زندہ رشتہ داروں میں جو میت کا سب سے قریبی ہو اس کو حصّہ ملے گا جو اس سے دور کا رشتہ دار ہو اسے حصہ نہیں ملے گا۔ ہر اقرب کو حصّہ ملے گا یعنی ہر اس رشتہ دار کو جس کے اور میت کے درمیان کوئی واسطہ موجود نہ ہو ؎

اقرب کی بحث ان مقامات میں جن کو ایمی (۱) کے تحت میں شمار کرایا گیا ہے گذر چکی ہے کہ اقرب کے یہ معنے بالکل بے اصل محض گھڑے ہوتے اور تحریف قرآن ہے اگر اس لفظ کے یہ معنے لیے جائیں گے تو ہر جگہ قرآن مجید میں یہی معنی ہوں گے تو بہت سی آیتوں کے معنے کفریہ بن جائیں گے اور ماں کی موجودگی میں جو کہ واسطہ ہے بھائی بہن محروم ہونے ضروری ہوں گے اور یہ قرآنی نص کے خلاف ہے ہر اردو خواں جانتا ہے کہ اقرب قرب سے ہے صرف قریب تر کے معنی ہیں واسطہ سے اس کو کیا واسطہ، اب یہ ایک عجیب منطق ہو جائے گی کہ بنسبت کراچی کے لاہور سے ملتان تو اقرب ہے مگر ملتان سے لاہور اقرب نہیں ہو سکتا یہ بڑا نازک فرق ہے آنکھ سے ابرو تو اقرب ہے مگر یہ دستے

آنکھا اقرب نہیں بڑا نازک فرق ہے۔ مردہ تو زندہ کا اقرب ہے مگر زندہ مردہ کا اقرب نہیں نہ زندہ کسی زندہ کا اقرب بڑا نازک فرق ہے اگر یہی ہو کہ قرب میں قصد و ارادہ کو دخل ہو تو بھی زندہ اقرب ہوتا ہے نہ کہ مردہ۔ کیسی غلط بات کہی جا رہی ہے کہ تدوینِ فقہ کے وقت یہ قانون بنایا گیا کہ قریبی رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے حالانکہ قرآنِ مجید کے لفظا اقرب اقربون اور حدیث کے لفظ لاولی رجل ذکر (قریبی مرد) اور دنیا بھر کا یہ قانون کہ حقیقت کے وجود کے وقت مجاز نہیں ہو سکتا " اب" باپ سے باپ کے ہوتے، دادا اُم سے ماں کے ہوتے، نانی ولد سے بیٹے کے ہوتے پوتا مراد نہیں ہو سکتا یہ سب اوقاتِ وحی کے قوانین ہیں۔ فقہ موجد نہیں ناقل یا مظہر ہوتا ہے۔ کس قدر بے باکی سے کہا جا رہا ہے کہ وہ معنی ہیں (جن پر کسی قسم کی کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ اور قرآنی آیات کے خلاف) اور یہ معنی نہیں جن کو ہر شخص جانتا اور اصول پر منطبق پاتا ہے۔

سا (۲۳) اقرب کے ان انوکھے معنے کے لیے جن مجبوریوں کو سندِ جواز بنایا گیا تھا اُن کی حقیقت تو محولہ بالا مقامات میں پہلے عرض کی جا چکی ہے اب ان اعتراضات کے لیے جن کی بنیاد ہوا پر رکھی گئی تھی پمفلٹ ص۴۲ پر ہے (بجائے خلاصہ کے عبارت پر نمبر لگا دیے ہیں)۔

"ان اعتراضات سے بچنے کے لیے یہ جواب دیا گیا کہ[۱] یہ قاعدہ یعنی الاقرب فالاقرب صرف عصبات میں ہے اور ذوی الفروض میں نہیں ہے تو ہدایت جو ذوی الفروض ہیں ان میں قریب بعید کو کیوں محروم کرتی ہے

...... نیز بیٹیاں پوتیوں کو اور حقیقی بہنیں جب ذوی الفروض ہوتی ہیں تو علاتی بہنوں کو کس قاعدہ سے محروم کرتی ہیں۔ ان اعتراضات سے مجبور ہو کر پھر فقہاء نے تسلیم کیا الاقرب فالاقرب کا قاعدہ ذوی الفروض میں بھی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جن رشتہ داروں کی وراثت کا سبب متحد ہے ان میں قریب بعید کو محجوب کرتا ہے یعنی ماں، نانی، پڑنانی، دادی، پڑدادی ان سب کے وارث ہونے کا سبب امومت ہے جو سب میں یکساں پایا جاتا ہے اس لیے ان میں جو قریب ہو گی وہ بعید کو محروم کر دے گی۔ نیز بیٹیوں اور پوتیوں میں بھی سبب وراثت متحد ہے یعنی بنتیت اس وجہ سے بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیاں محروم ہو جائیں گی۔ علیٰ ہذا حقیقی بہنیں بھی بوجہ اتحاد سبب وراثت اور قرب کے علاتی بہنوں کو محجوب کر دیں گی۔ یہاں تک آ کر فقہاء اس بحث کو ختم کر دیتے ہیں اور گویا یہ قاعدہ دوم یعنی الاقرب فالاقرب ان کے خیال میں اپنی جگہ پر مضبوط اور مستحکم ہو گیا لیکن ابھی اعتراضات اور باقی ہیں اور بلا ان کے جوابات دیئے ہوئے یہ عقدۂ مشکل حل نہیں ہو سکتا۔"

یہ دونوں ۱ و ۲ باتیں غلط اور محض تہمت ہیں کاش کسی کتاب سے ان کی نقل دی جاتی فقہاء نے یہ کہیں نہیں کہا کہ یہ قاعدہ صرف عصبات میں ہے نہ یہ کہ ہم پر اعتراضات بہت ہوتے اور ہم ان کی طرح جواب سے عاجز ہو گئے تو قاعدہ بدل دیا اور عصبات کے ساتھ خاص کر دیا۔ اور جب پھر اعتراضات کی بوچھار ہوئی تو پھر ہم نے رجعت قہقری کر لی اور جہاں تھے وہیں آ پہنچے یہ قاعدہ ذوی الفروض اور عصبات دونوں میں ہے، کیا تالیفات کی دنیا میں ایسی

بے پر کی اُڑانی جائز ہوتی ہے۔ شریفیہ شرح سراجی میں جس کا ایک حوالہ اُن کے مضمون میں تین ورق بعد دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ زیر نظر بھی تھی۔ ان دونوں اصول کے شروع میں ہے۔

وَ فریق یرثون بحال	اور ایک گروہ وہ ہے جو کسی حالت
ویحجبون حجب الحرمان بحال	میں وارث اور کسی میں محجوب حجب حرمان
اُخری ...... سواء کانوا	ہیں چاہے عصبات ہوں یا ذوی الفروض
عصبات او ذوی فروض و	اور یہ حجب حرمان اس گروہ دوم میں دو
هذا ای حجب الحرمان	اصل پر مبنی ہے۔ آگے سراجی کی
فی الفریق الثانی مبنی	گزشتہ عبارت ہے۔
علی اصلین الخ	

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور دوسری کتابوں میں یہی لفظ ہیں۔

سراجی کی عبارت کا ان صاحب نے نقل کرتے ہوئے جو آخر کا ٹکڑہ چھوڑ دیا تھا وہ یہ ہے کما ذکرنا فی العصبات (جیسے ہم عصبات کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں) شارح نے اس کے بعد لکھا ہے کہ باب العصبات میں یہ گذر چکا ہے کہ عصبات قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح دیے جاتے ہیں۔ قریبی عصبہ بعید کو حجب حرمان کے ساتھ روک دیتا ہے خواہ دونوں قریب و بعید سبب میراث میں متحد ہوں یا نہ ہوں اور یہ قاعدہ عصبات کے علاوہ (ذوی الفروض و ذوی الارحام) میں بھی جاری ہے مگر اس شرط سے کہ وہاں سبب میراث کا اتحاد ہو جیسے نانی، دادی میں جاری ہے ماں کے ساتھ، پوتیوں میں

بیٹیوں کے ساتھ اور علاتی (باپ شریک) بہنوں میں سگی بہنوں کے ساتھ (ص۵۹)
اب اس کو غلط فہمی کہا جائے یا غلط بیانی یہ آپ خود دیکھیے۔

(۴) پمفلٹ ص۴۳ اوپر کی عبارت سے آگے ہے۔

"پہلا اعتراض یہ ہے کہ اتحاد سبب وراثت محض تمہاری خیالی توجیہ ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی بے بنیاد توجیہات سے اس فن میں خرابیاں واقع ہو گئی ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اتحادِ سبب وراثت کو جب ترکہ دلانے میں دخل نہیں ہے تو محروم کرنے میں کیسے دخل ہو گا مثال ۳ اخیافی بھائیوں میں جو سبب وراثت پانے کا ہے وہی حقیقیوں میں بھی موجود ہے پھر بھی حقیقی محروم کیے گیے اور اخیافیوں کو ترکہ دیا گیا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اتحادِ سبب وراثت کو حجب حرمان میں اگر کوئی دخل ہے تو پھر ذوی الفروض ہی کے ساتھ اس کو کیا خصوصیت ہے عصبات میں یہی شرط لگانی چاہیے۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ بالفرض ہم نے آپ کے اس مشروط قاعدہ کو تسلیم بھی کر لیا کہ ذوی الفروض میں الاقرب فالاقرب کا قانون اس وقت جاری ہو گا جب ان میں سبب وراثت متحد ہو گا لیکن مندرجہ ذیل مثالوں میں یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے۔

مثال ۱ زید میت ہے مسئلہ ۶ بیٹی کو ۳ پوتی کو ایک بھتیجے کو ۲ - یہاں بیٹی اور پوتی کا سبب وراثت متحد ہے اور وہ دونوں ذوی الفروض

میں سے ہیں پھر بھی بیٹی نے جو اقرب ہے پوتی کو محروم نہیں کیا۔

مثال ۲ زید میت ہے مسئلہ ۶ حقیقی بہن کو ۳ علاتی بہن کو ایک بھتیجے کو ۲۔ اس صورت میں بھی کہ حقیقی اور علاتی بہنوں کی وراثت کا سبب متحد ہے اور دونوں ذوی الفروض ہیں چاہیے تھا کہ حقیقی علاتی کو بوجہ اقرب ہونے کے محجوب کرتی "

ملا اگر کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے تو اس کو کسی جاننے والے سے دریافت کر لینا چاہیے اس کو ایک دم بے بنیاد فرضی اور خیالی کہہ دینا خلاف احتیاط بات ہے ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی ہی سمجھ کا قصور ہو۔ دیکھیے حق تعالےٰ کے اس مختصر سے کلام میں بہت سے وارثوں کا بیان ہے بعض کا صراحۃً الگ الگ اور بعض کا ضمناً کہ ایک ہی لفظ سے کئی کا بیان ہو گیا جن کا ذکر الگ الگ ہے لامحالہ اُن کو امتیاز کے ساتھ الگ رکھنا ضروری ہے شوہر، بیوی۔ باپ۔ ماں۔ بھائی بہن اخیافی بھائی بہن حقیقی و علاتی۔ بیٹا بیٹی صرف یہ وہ وارث ہیں جن کو قرآن شریف میں صراحۃً بیان فرمایا۔ اور دادا، دادی، نانا، نانی، پڑدادا دادی، پڑنانا نانی، اور اوپر تک پوتا، پڑپوتا، سگڑپوتا، پوتی، پڑپوتی، سگڑپوتی کو صراحۃً ذکر نہیں فرمایا ولد یا ابن و بنت میں پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی، سگڑپوتا سگڑپوتی وغیرہ، اُم میں نانی، پڑنانی، دادی پڑدادی وغیرہ حقیقتاً یا مجازاً داخل ہیں۔ اب ظاہر بات ہے کہ میراث دینا ہے اللہ تعالےٰ کے فرمانے سے لہٰذا جن کو ایک لفظ سے تعبیر فرمایا ہے وہ اس لفظ کے تحت میں آکر ہی میراث کے مستحق ہوں گے اور یہ لفظ ہی اُن کے لیے میراث کا سبب ہے لہٰذا ایک تو میراث کا سبب

ایک لفظ دو تو سبب دو بیٹا، پوتا پڑپوتا وغیرہ مذکر ولد یا ابن ایک لفظ سے ہیں سب ایک ہے، بیٹی پوتی وغیرہ ایک لفظ بنت یا مؤنث ولد سے ہے سب ایک، باپ دادا، پڑدادا وغیرہ ایک لفظ اب سے ہیں سب ایک اور والدہ اور اخیافی بھائی بہن ایک لفظ سے نہیں والدہ لفظ ام سے بہن اخت سے بھائی اخ سے بیان ہوتے ہیں ان کے وارث ہونے کا سبب الگ الگ انکا ان الگ لفظوں کے تحت میں آنا ہے اس لیے سب کے اسباب میراث الگ ہیں ایسی کھلی بات بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو کیا قصور فقہا کا ہے۔ حق تعالیٰ نے میراث کو نصیبًا مفروضًا اور فریضۃ من اللہ فرمایا ہے یہ بالکل اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے ہیں کوئی رائے یا عقل اس میں دخل نہیں دے سکتی صرف انہی کے دینے سے حصہ ملتا ہے اس لیے جس لفظ میں جو جو داخل ہے وہی لفظ اس کا سبب میراث ہے۔ ایک لفظ ہے تو ایک سبب الگ الگ ہے تو الگ الگ پھر حقیقت مجاز اور قوت وضعف کے ساتھ داخل ہونے کا فرق الگ، اب آپ ذرا خیال فرمائیے کہ یہ صاحب کس قدر خطرناک بات کہہ رہے ہیں کہ تم لوگوں کا یہ کہنا کہ ان سب کو ایک لفظ سے تعبیر فرمایا ہے ان کا سبب میراث ایک اور ان کو الگ الگ لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے ان کا سبب میراث الگ الگ ہے یہ سب بے بنیاد ہے فرضی ہے اور خیالی ہے۔ انصاف سے کہیے کہ فرضی وخیالی بے بنیاد بات کون کر رہا ہے اب اس کو دھوکہ یا ناسمجھی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے اور خیال کیجیے کہ یہ لفظ لفظ پر عمل کرنے کو فن کی خرابی کہنا کیا درجہ رکھتا ہے اور اس کو تسلیم نہ کرنا کیسا ہے۔

ٹ یہ کیسی بے پر کی اُڑادی گئی ہے اگر اتحادِ سبب یعنی لفظ واحد کے تحت میں حقیقت و مجاز ہو کر آنا حصّہ دلانے میں دخیل نہ ہوتا تو دادا پڑدادا وغیرہ، پوتا پڑپوتا وغیرہ نانی دادی وغیرہ کو میراث ہی کیسے ملتی ان کا ذکر صراحۃً قرآنِ شریف میں ہے کہاں اسی لیے وہ عزیز کہ جن کا ذکر نہ صراحۃً ہے نہ وہ کسی لفظ سے حقیقت مجاز ہو کر مراد ہو سکتے ہیں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہے کیونکہ ان کو قرآنِ شریف نے کسی طرح بھی وارث نہیں قرار دیا۔ رہا اخیافی و حقیقی کا قصّہ تو ذوی الفروض کے لئے عصبات سے مقدم ہونا ضروری ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس اہتمام کی عزت بخشی کہ اس کے لیے حصہ مقرر فرما دیا وہ مقدم ہے، حدیث شریف نے بھی جو ثبوت مسئلہ میں گذری ہے ان کو مقدم رکھا ہے اور عصبات کو بعد میں اس لیے چونکہ اخیافی بہن بھائی ذوی الفروض میں ہیں وہ مقدم ہیں اور حقیقی عصبہ ہیں وہ بعد میں ہیں اگر ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد کچھ بچے گا تو عصبات کو دیا جائے گا نہیں بچے گا تو نہیں دیا جائے گا۔

زینب ۶

شوہر	ماں	دو اخیافی بھائی	دو حقیقی	دو علاتی بھائی
۳	۱	۲	محروم	محروم

اس مثال میں زینب کا مسئلہ ۶ سے ہے شوہر کو ۳ ماں کو ایک اور اخیافی بھائیوں کو ۲ مل گئے۔ ۶ پورے ہو گئے اس لیے عصبات کا نمبر ہی نہیں آیا اور اگر اخیافی بھائی ایک ہوتا تو ایک اس کو ملتا ایک باقی رہتا وہ عصبہ بھائی کو ملتا۔

٦		زینب	
شوہر	ماں	اخیافی بھائی	حقیقی بھائی
٣	١	١	١

اور شوہر بھی نہ ہوتا تو ماں کو ایک اخیافی بھائی کو ایک باقی چار حقیقی بھائی کو ملتے کیونکہ وہ عصبہ ہے

٦	زینب	
ماں	اخیافی بھائی	حقیقی بھائی
١	١	٤

اس لیے یہ کہنا کہ اخیافی سے حقیقی کو محروم کیا ایک دھوکہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہاں اخیافی کو ایک حقیقی کو چار کیوں ملتے

٣ شریفیہ شرح سراجی کا جو بیان پیش کر دیا گیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے یہ اعتراض لکھنے کی جرأت کیسے ہوئی عصبہ وہ لوگ ہیں جو تنہا ہوتے ہیں تو کل مال کے ورنہ باقی کل کے مستحق ہوتے ہیں حجب واسطہ یعنی اقرب کل پر قابض ہو جائے گا تو کچھ باقی ہی نہ رہے گا ابعد کیا لے سکتا ہے چاہے وہ ایک ہی سبب میراث رکھتا ہو یا الگ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے سبب کی شرط لگانا مسئلہ کو غلط بنا دینا ہے کیونکہ شرط سے تو یہ بات ہو جاتی ہے کہ سبب متحد ہو تو یہ عصبہ اقرب ابعد کے لیے حجب حرمان کرے گا اور سبب متفرق ہو تو حجب حرمان نہیں کرے گا یعنی عصبہ کل نہ لے گا کچھ بعد والے کو بھی ملے گا تو عصبہ عصبہ ہی نہ رہا کیونکہ عصبہ تو کل کا حقدار تھا

جس کو اللہ تعالیٰ نے عصبہ بنایا تھا آپ نے اُس کو اُس کے درجہ سے نکال باہر کردیا۔ اور ذوی الفروض میں یہ بات نہیں ہے وہاں کوئی بھی پورے مال کا حقدار نہیں صرف اسی کا حقدار ہے جو حصہ مقررہ ہے چاہے کوئی اور ہو یا نہ ہو اب اگر سبب میراث الگ ہے تو ہر ایک اپنا اپنا حصہ حاصل کرے گا حجب کا قصہ ہی نہیں جیسے ماں اور اخیافی بھائی کہ ماں لفظ ام کا $\frac{1}{6}$ حصہ لے گی اور اخیافی بھائی لفظ اخ کا دونوں اپنا اپنا حصہ لیں گے اگر سبب یعنی قرآنی لفظ ایک دونوں کے لیے ہوتا تو اس کا جو حصہ ہوتا وہ ایک ہوتا ایک ہی کو مل سکتا یعنی اگر سبب میراث متحد ہو جیسے ماں اور نانی تو چونکہ لفظ اُم کے حقیقی معنی ماں ہیں مجازی نانی دونوں ایک لفظ اور ایک سبب سے وارث ہیں اس لفظ کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہے اگر اقرب یعنی ماں نے $\frac{1}{6}$ لے لیا تو اب کیا رہ گیا جو نانی کو مل سکے اس لیے یہ حجب حرمان ہوگا تو ذوی الفروض میں دو صورتیں ہوتی ہیں اور دونوں میں فرق ہے ایک میں حجب نہیں ہوسکتا دوسری میں حجب حرمان ہوتا ہے اس لیے شرط لگانے کی ضرورت ہے یہ وجہ شریفیہ نے بیان کر رکھی ہے تا معلوم نہیں کہ اس کو دیکھا ہی نہیں گیا یا کسی خاص مقصد کے تحت یہ اعتراض کھڑا کیا گیا ہے۔

مسئلہ ۴

زید		۶
بھتیجا	پوتی	بیٹی
۲	۱	۳

دونوں مثالوں سے قاعدہ نہیں ٹوٹتا ہاں سمجھ ٹوٹ گئی ہو تو مضائقہ نہیں، قرآن شریف نے بیٹی ایک یا بہن ایک ہو تو ان کا مقررہ حصّہ نصف قرار دیا ہے اور زائد ہوں تو دو ثلث $\frac{2}{3}$ اب بیٹی حقیقی اور مجازی دونوں ایک ہی لفظ سے حقدار ہیں اور بہن قوی التعلق اور ضعیف التعلق بھی ایک ہی لفظ اور ایک ہی سبب سے حقدار ہیں اور حجب الحرمان بھی موجود ہے کیونکہ ایک بیٹی یا بہن حقیقی کا جو حصہ تھا نصف، اس میں انہوں نے حجب حرمان کر دیا اور پوتی اور علاتی بہن کو یہ نصف نہیں مل سکا اب دوسری بیٹی یا دوسری حقیقی بہن کا جو حصہ ہوتا۔ نصف کے بعد سے $\frac{2}{3}$ تک یہ مجازی و ضعیف اس میں محجوب نہیں ہوتیں۔ اب دیکھیے کہ دو کے لیے دو ثلث $\frac{2}{3}$ میں سے کیا باقی رہ گیا ہے تو مسئلہ ۶ - ہو تو اس کا $\frac{2}{3}$ ۴ ہے اس میں سے نصف ۳ بیٹی یا حقیقی بہن نے لے لیا اور ان ۳ میں وہ ان کے لیے حجب حرمان کا سبب ہو چکی ہیں مگر ابھی بیٹیوں اور حقیقی بہنوں کے حصّہ میں سے نصف کے بعد سے $\frac{2}{3}$ تک کا ایک باقی ہے اس میں کوئی حجب کرنے والا نہیں وہ ان کو مل جائے گا یہی وجہ ہے کہ پوتی اور علاتی بہن کو ایک ایک ملتا ہے ورنہ اگر حجب نہ ہوتا تو اس کو بھی برابر کا ملتا، یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ فن کی کتابیں دیکھنے والا اس سے غافل کیسے رہ سکے گا معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کو اس طرح پیش کرنے میں کوئی اور راز ہے -

(۵) پمفلٹ ص ۴۴

" علاوہ ازیں عصبات میں جہاں آپ نے قاعدہ الاقرب فالاقرب کو بلا کسی قید کے رکھا ہے وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اتحادِ سبب وراثت

کے بھی قریب بعید کو محجوب نہیں کرتا مثلاً مسئلہ تشبیب کو لیجیے جو مثال نمبر ۴ میں دکھلایا گیا ہے (زید میت مسئلہ ۱۸۔ دو بیٹیاں ۱۲ دو پوتیاں ۲ پڑپوتی ایک سکڑ پوتی ایک سکڑ پوتا ۲) اس میں پوتی پڑپوتی سکڑپوتی سب کے وارث ہونے کا سبب متحد ہے بلکہ چونکہ وہ سب کی سب سکڑ پوتے کی وجہ سے عصبہ بنائی گئی ہیں ان کے عصبہ ہونے کا بھی سبب ایک ہی ہے پھر بھی ان میں قریب نے بعید کو محجوب نہیں کیا اور سب کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر یکساں حصہ دے دیا گیا "

جوابات دلائل کی تحقیق کے نمبر ۳ کے آخر میں بھی اس کی بحث گذر چکی ہے اگر وہ بھی دوبارہ دیکھ لی جائے تو امید ہے کہ بات کے سمجھنے میں سہولت ہوگی اور کچھ چوتھے اعتراض کا جواب جو گذرا ہے اس کو بھی دیکھ لیا جائے تو اس اشکال کی قلعی کھل جائے گی۔

زید				۱۸
سکڑ پوتا	سکڑ پوتی	پڑپوتی	دو پوتیاں	دو بیٹیاں
۲	۱	۱	۲	۱۲

یہاں بھی ہم یہی کہیں گے کہ قاعدہ نہیں ٹوٹا کوئی عقل ٹوٹ کر رہ گئی ہو تو مضائقہ نہیں۔ سبب میراث کا اتحاد بے شک ہے مگر یہاں بھی اقرب بیٹیاں حجب حرمان کر رہی ہیں، کیونکہ دو بیٹیوں کا حصہ مقررہ $\frac{2}{3}$ ہے جو ۱۸ میں سے ۱۲ ہوتے ہیں یہ حقیقی بنت کو ملیں ۱۲ سے گئیں اس میں سے ایک بھی ان کو نہیں دیا گیا لیکن جب کہ مجازی اولاد یعنی بواسطہ اولاد مذکر و مؤنث موجود ہوئی

تو لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ نے مذکر کی وجہ سے مونثوں کو بھی عصبہ (مرد حکمی) بنا دیا اور مذکر کے دو حصے مؤنث کا ایک حصہ کر دیا۔ عصبہ باقی ماندہ کا حقدار ہوتا ہے اس لیے باقی ۶ ان سب پر سکر دتے کے ۲ سکر وتی کا ایک پڑپوتی کا ایک دو پوتیوں کے دو تقسیم ہو گئے اگر اس مثال میں بیٹیاں جو اقرب ہیں بعید کو محجوب نہ کرتیں تو ۱۸ میں سے ۱۲ - ان کو نہ مل سکتے - انہی ۱۲ - میں یہ سب شریک ہوتیں جب وہ عصبہ بن گئیں تو حجب سے نکل کر بقیہ کی وارث ہو گئیں۔

(۶) صفحہ ۴۵ پر ہے:-

"اسی طرح جب عصبہ اور ذوی الفروض کا باہم اجتماع ہوتا ہے تو کہیں تو فقہ اس قاعدہ کو جاری کرتی ہے اور کہیں نہیں کرتی بیٹا عصبہ کے ساتھ پوتی صاحبۂ فرض محروم ہو جاتی ہے لیکن باپ عصبہ کے ساتھ نانی صاحبۂ فرض محروم نہیں ہوتی۔ الغرض یہ صاف روشن ہو گیا کہ الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جس معنی میں فقہائے نے استعمال کیا ہے کسی تاویل سے ٹھیک نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر پہلو سے خود انہیں کے مسلمات سے ٹوٹ جاتا ہے لہذا ایسے غیر مسلّم قاعدے سے یتیم اولاد کو محجوب کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے، اصلیت یہ ہے کہ الاقرب فالاقرب کے قاعدے میں اقرب، کا ظاہری مفہوم اگر مراد لیا جائے یعنی یہ کہ مطلقاً درجے کے لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محجوب کر دے تو یہ قاعدہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ یہاں اقرب سے بجز اس کے کچھ مراد نہیں لیا جا سکتا کہ اقرب وہ رشتہ دار ہے جو بلاواسطہ مورث سے رشتہ رکھتا ہو یا بالواسطہ لیکن بوقت وفات مورث کے وہ واسطہ موجود نہ ہو

جس طرح کہ میت کے مرنے کے وقت اگر اس کا باپ موجود نہیں ہے تو دادا بجائے باپ کے رکھا جاتا ہے اس لیے کہ بیچ میں جو واسطہ تھا یعنی باپ جس کی وجہ سے دادا محجوب ہو جاتا تھا وہ نہیں ہے لہذا دادا اس واسطہ کی عدم موجودگی سے خود اقرب ہو گیا اور اب کوئی اقرب خواہ وہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو دادا کو محجوب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مورث کی وفات کے وقت اگر اس کا کوئی یتیم پوتا ہے تو وہ اپنے متوفی باپ کی جگہ رکھا جائے گا اور وہی حصہ لے گا جو اس کے باپ کا تھا۔ مورث کا جو بیٹا موجود ہے وہ اس کو محجوب نہیں کر سکتا اس لیے کہ واسطہ کی عدم موجودگی سے وہ خود اقرب ہو گیا ہے تعجب ہے کہ دادا کے معاملہ میں تو فقہا اقرب کا یہی مفہوم لیتے ہیں لیکن پوتے کے معاملے میں نہیں۔ پوتے کی بدنصیبی کے سوا اور کوئی اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

باب عصبہ کے ساتھ نانی صاحبہ ذہن کے محجوب نہ ہونے کا استدلال کیا گیا لیکن اس قدر جلدی کسی بات کو بھول جانا ہماری عقل سے باہر ہے ابھی ابھی خود انہی کے لفظوں میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ ذوی الفروض میں یہ قاعدہ اتحاد سبب کے ساتھ مشروط ہے باپ کے لیے عصبہ ہی ہونے کی شکل لے لی جائے تو نانی تو ذوی الفروض میں ہے اور باپ کا سبب میراث اب ہونا ہے اور نانی کا ام مجازی ہونا سبب متحد نہیں تحجیب بھی نہیں اور بیٹے پوتی میں بظاہر یہی بات پائی جاتی ہے کہ بیٹا ابن اور پوتی بنت الگ الگ سبب میراث ہونے کی وجہ سے اور ذوی الفروض میں بھی ہے صرف یہ شبہ ایسا ہے کہ جو کسی شخص کو

اس فن پر معمولی نظر رکھنے میں پیدا ہو سکتا ہے لیکن ذرا گہری نظر سے کام لیا جائے تو یہ بھی باقی نہیں رہے گا قرآنِ مجید نے ابن اور بنت سے ان کو تعبیر نہیں فرمایا بلکہ اولاد اور ولد سے تعبیر فرمایا ہے جو مذکر و مؤنث دونوں کو عام ہے جب دونوں جمع ہوں گے ولد عام ہی رہے گا صرف مؤنث ہوں تو خاص بنت کے معنی میں صرف مذکر ہوں تو بھی خاص ابن کے معنی میں ہو گا اور حقیقی مجازی ہر صورت میں ہو گا جس کی تفصیل ثبوت مسئلہ کے (۲) میں گذر چکی ہے۔ اب چونکہ یہاں ولد مذکر حقیقی بیٹا اور ولد مؤنث مجازی پوتی دونوں جمع ہو گئے تو سببِ ولادت عام ہی رہے گا اور یہی ایک سببِ میراث ہو گا اور حقیقی کی موجودگی میں مجازی مراد نہیں ہو سکتا ولد حقیقی یعنی بیٹا وارث ہو گیا اور بیٹا عصبہ ہے کل کا وارث ہوتا ہے کچھ باقی نہیں رہا کہ ولد مجازی کو مل سکتا اس وجہ سے بیٹا حاجب بن گیا اور پوتی محجوب ہو گئی اس لیے پوتی وارث نہیں ہو گی۔

اب غور کر لیجیے کہ اقرب کے معنی قریب تر جو لغت سے اصول زبان سے قرآنی آیات کی تائید سے حدیث شریف کے لفظ اولیٰ رجل ذکر سے اجماعِ اُمت سے، اور عقل و فہم کی روشنی سے بالکل یقینی ہو چکے ہیں وہ یہاں ایک قدم چلتے ہیں یا لاکھوں قدم۔ اور اس کے مقابلہ میں بلا واسطہ موجود یعنی جو کسی طرح اور کسی چیز سے بھی ثابت نہیں ہو سکتے وہ کیوں اور کس طرح چل سکتے ہیں اور پھر غلط کہ اس سے لازم آتا ہے کہ ماں کے ہوتے ہوئے بھائی بہن وارث نہ ہو سکیں۔

باپ کے نہ ہونے میں دادا اقرب یعنی قریب تر تو بے شک ہو گیا لیکن

ہو کس طرح گیا یہ اور معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے وَلِاَبَوَیْہِ (ماں باپ کے لیے) اور وَوَرِثَہٗ اَبَوَاہُ (اور وارث ہوں اُس کے ماں باپ) دادا مجازی اَب ہے حقیقی کی موجودگی میں مجازی وارث نہیں ہو سکتا تھا یا یہ کہیے کہ اتحادِ سبب کی وجہ سے پہلی آیت میں ذوی الفروض ہوتے ہوئے اور دوسری میں عصبہ ہوتے ہوئے ذی واسطہ کے لئے واسطہ حاجب تھا اس لئے وارث نہیں ہو سکتا تھا محجوب حرمان کا شکار تھا باپ نہیں رہا، حقیقی معنے نہیں رہے مجازی مراد ہو گئے یا حاجب نہیں رہا محجوب نہ ہو گیا دادا وارث ہو گیا اور بیٹے پوتے ہیں بھی بیٹا حقیقی ولد ہے پوتا مجازی خواہ کوئی سا بیٹا ہو اس کا باپ ہو یا چچا کیونکہ ہر ایک بیٹا حقیقی ولد مجازی کے لیے حاجب ہے اگر میت کا کوئی بیٹا زندہ نہیں تو بے شک حقیقی ولد نہیں رہا تو مجازی مراد ہو گا حاجب نہیں رہا تو محجوب رہا ہو گا اور پوتا وارث ہو گا اور اگر کوئی ایک بیٹا موجود ہے خواہ اس کا چچا ہی ہو تو حقیقی معنے کا وجود ہے اتحادِ سبب ہے۔ حاجب موجود ہے۔ باپ کے مرنے سے یہ پوتا قریب تر نہیں ہو سکتا۔ وارث نہیں ہو سکتا۔ بات صاف ہے معمولی سا غور کرنے کی ضرورت ہے بس پھر سمجھ میں آ ہی جائے گا پوتے کی بد نصیبی اور خوش نصیبی قرار دینے کی ضرورت نہ ہو گی اور باپ کے نہ ہونے میں دادا کو میت کا بیٹا محجوب بحجب حرمان ایک حیثیت میں تو کر ہی دیتا ہے عصبہ ہونے میں اس حیثیت سے دادا کو کچھ نہیں ملتا اگر یہ نہ ہوتا تو وہ عصبہ ہو کر کل کا وارث ہوتا اور دوسری حیثیت ذوی الفروض بھی بیٹا اقرب تو ہے مگر ذوی الفروض نہیں اور اتحادِ سبب نہیں اس لیے اس حیثیت میں حاجب نہیں ہوا اس لیے دادا کو بجائے کل کے صرف ⅙ ملے گا۔ فقہائے اسلام پر یہ بالکل کھلی تہمت ہے کہ وہ دادا کے معاملہ

میں اقرب کا یہ جعلی و بے بنیاد مفہوم لیتے ہیں۔ خدا جانے ایسی غلط باتیں لکھتے کے لیے قلم کیسے چل جاتا ہے کاش کوئی شخص فقہاء کے کسی کلام میں یہ جعلی معنے دکھلا سکے (پمفلٹ ص ۴۶)

"قائم مقامی حقیقت یہ ہے کہ وراثت کا سارا دار و مدار قائم مقامی پر ہے۔ لہذا جس بچہ کا باپ مرگیا وہ وراثت میں اس کا قائم مقام سمجھا جائے گا۔ فقہاء نے اس مسئلہ میں اسی نکتہ یعنی قائم مقامی کا لحاظ نہیں رکھا جس کی وجہ سے ایسی عظیم الشان غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یتیم بچوں کو محجوب کرنے لگے یہ امر غور کے قابل ہے کہ جس بیٹے کی موجودگی کی وجہ سے یتیم پوتے کو فقہا محجوب قرار دیتے ہیں وہ بیٹا صرف ایک ہی طرف سے کیوں حاجب ہوتا ہے یعنی صرف پوتے ہی کو دادا کے ترکہ سے کیوں محجوب کرتا ہے دادا کو اس پوتے کے ترکہ سے کیوں محجوب نہیں کرتا بلکہ دادا کی وجہ سے الٹا خود ہی محروم ہو جاتا ہے اس سے صاف نمایاں ہو جاتا ہے کہ قائم مقامی کے اصول پر وہ کسی طرح پوتے کا حاجب نہیں ہو سکتا حاصل یہ کہ اقرب کا سوائے اس کے جو ہم نے اوپر لکھا ہے اور کوئی مفہوم ہو ہی نہیں سکتا یہی معنی لینے سے الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جو تقسیم وراثت میں اصل الاصول اور بنیادی قانون ہے اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ جاتا ہے"

ایک طرف تو بڑی بلند آہنگی سے ڈنکے کی چوٹ یہ دعویٰ کہ ہم قرآن شریف سے قانون لیتے ہیں اور ایک طرف یہ پھسپھسی بات جس کے سر نہ پیر، پہلے کسی آیت سے اس "سارا دار و مدار" قائم مقامی کے اصول کو ثابت کرنا چاہیے تھا اس کے

بعد پھر اس کے آیت کا مدلول یقینی ہونے پر قرینے شواہد اور دلائل پیش کرتے تھے۔ اس وقت فقہائے کرام پر یہ کہنا ایک الزام کا درجہ رکھ سکتا۔ کہ انہوں نے اس کا لحاظ نہیں کیا تعجب ہے کہ اپنی طرف سے ایک بات بے ثبوت گھڑ لی جاتی ہے اور اس کو خدا تعالٰے کے احکام کا دار و مدار قرار دے لیا جاتا ہے آخر یہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر کسی آیت کسی قرآنی لفظ کی تشریح یا اشارہ سے اس دار و مدار ہونے کا ثبوت نہ ملتا تھا۔ تو کوئی حدیث متواتر نہ سہی خبر واحد ہی صحیح نہ سہی ضعیف ہی سے ثبوت ہوتا یہ بھی نہ تھا تو صحابہ کرام سے کسی قول کے ثبوت ہوتا یہ بھی نہیں تو ہم لوگ ائمہ اربعہ کے مقلدین ہیں ہمارے لیے تو ان کا قول بھی مستنبط شرعی تھا۔ کوئی صحیح دلیل نہ تھی تو غلط ہی چھاپ ڈالی جاتی جیسے کہ اور تمام مسائل میں کیا گیا ہے۔ مگر افسوس یہاں کچھ بھی نہیں ہے کہا گیا تو یہ کہ ان معنے کے لینے سے فقہاء کا قاعدہ الاقرب فالاقرب ٹھیک بیٹھ جاتا اگر کسی کے خیال میں فقہاء کا قاعدہ ٹھیک نہ ہوسکتا تھا تو کیا قرآنی لفظ کے معنے میں ایسے بے سند لغو اور خلافِ قرآن معنی لینے کے لیے یہ دلیل جواز ہوسکتی ہے اور پھر اس پر یہ کہنا کتنا زیبا ہے کہ اسی نکتہ کا لحاظ نہیں رکھا جس کی وجہ سے ایسی عظیم الشان غلطی میں مبتلا ہوگئے کیا یہ دار و مدار صرف اس لیے گھڑا گیا ہے کہ عظیم الشان غلطی ہونے کی محرومی دور ہو کر ہمارا مدعا ثابت ہو جائے۔ یا یہ قرآن میں تحریف لازم آئے اور بے ثبوت الزام خدا اور رسول پر قائم کر دیا جائے اور حق بات کو غلطی اور عظیم الشان کہہ کر قرآن پر بہتان لگا دیا جائے۔ اگر اس مصنوعی بات کو دار مدار کہا ہی جا رہا ہے تو سنیے اس قائم مقامی سے قرآن شریف کے کتنے احکام کی مخالفت ہوتی

ہے واسطہ کے مرنے سے قائم مقامی کو ذہن میں رکھ دیکھیے۔

عا۔ سب کے حقیقی و علاتی بھائی بہن باپ کے واسطے سے رشتہ دار ہیں۔ باپ مرچکا تو ہر ایک اس کا قائم مقام ہوگیا۔ میت کے باپ کو قرآن شریف نے میت کی اولاد وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں کل کا وارث بنایا تھا۔ اتفاق سے میت کے اولاد نہیں تو اب ہر بھائی بہن اپنے باپ کا ہر ایک الگ الگ مستقل قائم مقام ہے۔ ہر ایک کل کا وارث ہوگا جتنی تعداد ہوگی اتنے ہی کل درکار ہوں گے ورنہ پھر قائم مقام نہ رہے گا اور اس نقطہ کا لحاظ نہ رہنے سے عظیم الشان غلطی میں مبتلا ہوں گے۔

عـ۲ یہ حقیقی وعلاتی باپ کے واسطہ سے رشتہ دار تھے وہ مرچکا میت ایک بیٹی چھوڑ گیا۔ بیٹی تو نصف کی حقدار ہوگی۔ میت کے باپ کو ذوی الفروض ہوکر $\frac{1}{6}$ اور باقی عصبہ ہوکر یعنی نصف پورا ملتا اب اگر یہ حقیقی وعلاتی دس بہن بھائی ہیں ہر ایک اپنے باپ کے قائم مقام ہے ہر ایک کو نصف اور دس نصف چاہئیں یہ ریاضی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا ورنہ اس نکتہ کے لحاظ نہ رکھنے سے عظیم الشان غلطی ہوگی۔

عـ۳ حقیقی وعلاتی بھائی بہن ہیں میت کے بیٹا موجود ہے میت کے مرحوم باپ کو اس وقت صرف $\frac{1}{6}$ ملتا ہے بھائی یا بہن $\frac{1}{6}$ کا قائم مقام ہوکر وارث ہوگا اگر اتفاق سے ان کی تعداد زیادہ دس پندرہ ہوگی تو اسی قدر $\frac{1}{6}$ درکار ہوں گے یہ حساب کی ایک نئی قسم ہوگی اور قرآن نے جو بیٹا نہ ہونے پر بھائی بہنوں کا حصہ رکھا تھا اس کے خلاف قائم مقامی سے وارث ہوں گے۔

عـ۴ حقیقی اور اخیافی بہن بھائی ماں کے واسطے سے عزیز بنتے ہیں اگر ماں انتقال کر چکی ہے تو اگر

ہر ایک اس کا قائم مقام ہو گیا ہے اگر میت کے اولاد نہ تھی تو ماں ⅓ کی وارث ہوتی اب اگر پانچ بہن بھائی ہیں تو ہر ایک ⅕ کا وارث ہو گا اور ترکہ پانچ تہائیوں ⁵⁄₃ پر تقسیم ہو گا کیسا عمدہ حساب ہو گا ورنہ عظیم الشان غلطی ہو گی۔

ک۵ اگر میت کے اولاد تھی تو ماں کا حصہ ⅙ چھٹا ہوتا اب ہر ایک بہن بھائی کا حصہ چھٹا ہو گا اگر چھ تھے تو وہ سب لے گئے اولاد ماں یا باپ سے بھی محروم اور ترکہ سے بھی محروم اور اگر آٹھ تھے تو آٹھ ⅙ حصے بنانے ہوں گے ورنہ عظیم الشان غلطی ہے۔ ممکن ہے یہ تاویل کی جائے کہ ہر ایک مستقل بیٹا بیٹی ہی نہیں الگ الگ قائم مقام نہیں سب مل کر ایک قائم مقام ہیں تو یہ اس لیے صحیح نہیں کہ فقط ایک بہن حقیقی ہو تو قائم مقامی سے اُسے کل ملے گا اور قرآن شریف اس کو نصف دلواتا ہے ایسے ہی ایک علاتی بہن کو۔

نمونہ کے لیے یہی مثالیں کافی ہیں اور غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ قائم مقامی قرآن مجید کی مخالفت ہے للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مردوں کے لیے حصہ اس ترکہ سے جسے والدین اور قریبی عزیز چھوڑیں، الف لام عوض مضاف الیہ ہیں یعنی ان کے والدین ان کے اقربین تو حقیقی یا مجازی والد کے ترکہ سے براہِ راست ان کا حصہ ہے نصیب تو للرجال کی براہِ راست مبتدا ہے وہ اس کی خبر ہے بیچ میں کوئی حائل نہیں لہذا دادا کا ترکہ براہِ راست ملتا ہے مردہ کی قبر میں ہو کر نہیں آتا۔ وورثہ ابواہُ (اس کے ماں باپ وارث ہوں) سے مجازی ماں باپ نانی دادا بھی براہِ راست وارث ہوئے وَھُوَ یَرِثُھَا بھائی بہن کا کل ترکہ کا وارث ہے براہِ راست وارث ہے واسطہ کو باپ کو مل کر نہیں آتا ہاں اس نکتہ سے علمِ حساب میں زبردست نکات و معلومات کا اضافہ ہو جائے گا فقہائے

کرام اس حسابی نعمت سے ضرور محروم رہ گئے کہ ایک عدد کے دس نصف دس پانچ ثلث $\frac{1}{3}$ اور دس پندرہ چھٹے حصے $\frac{1}{6}$ نکالنے سے قاصر رہ گئے قائم مقامی جو غیر مسلموں کے رواج سے لی گئی ہے اگر میراث کا بدلہ ہوتی تو پھوپھی باپ کا حصہ پاتی اور چچا بھی باپ کی طرح ذوی الفروض ہوسکتا اور ماموں خالہ ماں کا حصہ پاتے پس بیٹے کے ہوتے بھی پاتے بیوی اور شوہر کے عزیز اُن کا حصہ پاتے بیٹے پوتے کی بیوی بھی خسر کی وارث ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پوتی ایک بہن بیٹی کو $\frac{1}{2}$ باقی کو $\frac{1}{6}$ باقی بہن کو دیا ہے۔

زید		۶
بہن	پوتی	بیٹی
۲	۱	۳

قائم مقامی پوتی کو بیٹی سے دوگنا دلوا کر حدیث کے خلاف ہوتی ہے کیونکہ اس کے باپ میت کے بیٹے کا حصہ بیٹی سے دوگنا ہوتا ہے، ایک عجیب منطق دیکھیے کہ اقرب تو وہ بنایا جس کے درمیان واسطہ موجود نہ ہو یا نہ رہے اس کی میراث ملے گی مگر پھر قائم مقامی سے ثابت کیا کہ اقرب تو گو وہ اسی کا ہے مگر میراث براہ راست اس کو نہیں ملے گی واسطہ کی قبر میں داخل ہوگی یہ وہاں سے لے گا۔ یہ جس کا اقرب اور وارث تھا تو کہ اس سے نہ لے گا واسطہ سے لے گا۔ آخر میں ضمیمہ بل کی خرابیوں میں بھی یہ مضمون ہے اس کو اس کے ساتھ بھی دیکھ لیا جائے۔

ایک طرف حاجب ہونے کی اور دوسری طرف حاجب نہ ہونے کی وجہ اوپر کئی جگہ لکھی جاچکی ہے کہ اب حقیقی کے ہوتے مجازی مراد نہیں ہوسکتا تھا قرآنی

لفظ اس وقت دلوا کو مشتمل نہیں ہوسکتا تھا یہ وارث نہیں ہوتا تھا باپ کے مرنے سے اب سکے صرف مجازی معنی رہ گئے قرآنی لفظ مشتمل ہوا اور دادا وارث ہوگیا یا اتحادِ سبب کی وجہ سے باپ حاجب تھا اب کوئی حاجب موجود نہ رہا وارث ہوگیا ایسے ہی ولد کے اگر حقیقی معنے کوئی بیٹا موجود ہوگا مجازی معنی مراد نہ ہوسکیں گے اور پوتا قرآنی لفظ ولد کے تحت میں نہیں آئے گا وارث نہیں ہوگا چاہے وہ بیٹا اس کا باپ ہو یا چچا اور اگر کوئی بیٹا نہ ہوگا تو صرف مجازی معنی پر لفظ ولد صادق آئے گا اور یہ وارث ہوگا یا یہ کہیے کہ اتحادِ سبب سے بیٹا حاجب تھا حاجب جس وقت کوئی نہ رہے گا وارث ہوگا یا اس طرح سمجھیے کہ بیٹا تو اپنے باپ یعنے دادے سے پوتے کی نسبت قریب ہے وہ وارث ہوکر پوتے کو محروم کرتا ہے مگر چچا بہ نسبت دادا کے پوتے کا قریب نہیں جو دادا کو اس سے محروم کردے بلکہ چچا سے جو رشتہ اس کا ہے وہ دادا کے ہی واسطہ سے ہے اس لیے دادا قریب ہے وہ چچا کو محروم کردیتا ہے اور صاف بات یہی ہے کہ بیٹے کئی ہوسکتے ہیں جو ہوگا اقرب ہوکر پوتے کا حاجب محروم کرنے والا ہوگا. باپ کئی نہیں ہوتے کہ ایک کے مرنے پر دوسرا دادا سے اقرب اور حاجب ہوتا اس لیے دادا وارث ہوتا ہے ۔

فقہا کا اصول قرآنی اصول ہے

فقہا نے جو اقرب فالاقرب کا قاعدہ مقرر کیا ہے یعنی جو سب سے قریب ہوگا وہ وارث ہے اور اس کی دو تفصیل ہے جو اوپر آچکی ہے تفصیل کے دلائل

تو وہیں ساتھ ساتھ صاف عرض کر دیے تھے اس کلیہ کے دلائل ضمناً آچکے ہیں کہ قرآن شریف میں جس جس کا ذکر آیا ہے وارث وہی ہے جس کا ذکر نہیں وہ وارث نہیں اب لفظ کے معنے حقیقی بھی مراد ہیں اور مجازی بھی مراد ہو سکتے ہیں مگر وہاں جہاں حقیقی نہ ہو ں اور یہی ساری دنیا بھر کی زبانوں کا قاعدہ ہے تو جب قریبی یعنی حقیقی کا وجود ہوگا بعید اور مجازی مراد نہ ہوں گے یا جو فطری تعلق میں قریب تر ہو وہی وارث اور بعد کا محروم یہی الاقربین اور یہی الاقرب فالاقرب ہے اور واسطہ کے ہوتے ذی واسطہ کا محروم ہونا ہے اور یہی وہ معنے ہیں جو ہر جگہ لفظ اقرب سے مراد ہوتے ہیں قرآن شریف میں حدیث و کلام و فقہ لغت اور اصول میں یہی ہیں اور پھر حدیث شریف کے لفظ "فلاولی رجل ذکر (میت کے زیادہ متصل مرد)" سے بھی اقرب کے یہی قریب تر معنی ثابت ہوتے ہیں اور اجماع امت تو اس پر ہے ہی کہ قریب ترین کو میراث ملیگی۔

اب آپ خود غور فرمائیے کہ ساری امت نے قرآن و حدیث سے جو کچھ سمجھا ہے وہ صحیح ہے یا ان حضرات کی خود تراشیدہ باتیں، اور پھر ان کو قرآن کا قانون کہنا یہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم ایسا کرتا تو خود سوچیے کہ آپ کی حمیت اسلامی کو کتنا جوش آتا۔

(۸) صد ۶۰ کا حاشیہ

"فقہا ایک درجے کے ایک قسم کے ورثہ میں ترکہ کو علی الرؤس تقسیم کرتے ہیں مثلاً زید اگر اپنے چار پوتے چھوڑ کر مرجائے جن میں سے تین ایک بیٹے کے ہوں اور ایک، ایک بیٹے کا وہ چاروں برابر کے حصّہ دار ہوں گے۔ یہ طرز تقسیم ایسا ہے کہ نہ اس پر قرآن شاہد ہے نہ حدیث اور عقل کے بالکل خلاف

ہے کیونکہ وہ تینوں بیٹے اپنے باپ کے قائم مقام ہیں جو زیادہ سے زیادہ نصف کا حصہ دار ہو سکتا تھا پھر اس کے قائم مقام تین ثلث کیونکر پا سکتے ہیں یہاں بھی فقہائے نے قائم مقامی کے اصول کو نظر انداز کر دیا۔"

یہ فلسفہ سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ ساری اُمت کسی مسئلہ کا جو مفہوم کہے وہ تو باوجود قوی دلائل کے قرآن و حدیث اور عقل کے خلاف اور اُن کے خلاف کہنے پر کسی صحیح اور شرعی دلیل کے پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں مگر ان کے منہ میں جو آئے اور یہ کہہ دیں اور پھر اس پر صحیح کیا کمزور بھی دلیل نہ ہو تو وہ وحی آسمانی بیان وہ کسی بھی قرآنی لفظ کا مفہوم نہ ہو غلط اور صحیح طریقہ سے ہوتا تو بعد کی شے ہے یہ قائم مقامی کا نکتہ کیا نفیس نکتہ ہے اس کی حقیقت بحث میں عرض کر دی گئی ہے اسی فاسد بنیاد پر یہ سارا محل تعمیر کیا گیا لہذا اس کی حالت معلوم۔

فقہائے طرز کا اگر کسی آیت کے خلاف ہوتا یا کسی حدیث کے خلاف ہوتا بھی نقل کیا جاتا یا اسی قسم کی کوئی دلیل اس کی دے دی جاتی کہ چاروں پوتوں کو برابر دینا خلاف نص یا نقل کے خلاف ہے تو اس پر غور بھی کیا جاتا۔ لہذا معلوم تمام مسلمانوں کو اتنا بے وقوف کیوں سمجھا جا رہا ہے کہ جس بات کو بلا دلیل بھی ہم یہ کہہ دیں گے کہ یہ قرآن و حدیث اور عقل کے خلاف ہے اور سلف کی ساری اُمت قرآن کا خلاف کر کے نعوذ باللہ گمراہی میں مبتلا ہوتی اور بعد والوں کو ہدایت میں ڈالتی آ رہی ہے تو مسلمان بلا دلیل بھی ہمارے اس قول پر ایمان لے آئیں گے

مسئلہ ایک جگہ پہلے ہی یہ لفظ تھا اور یہاں بھی غالباً ربع کا ثلث بن گیا ہے ورنہ تین ثلث تینوں تو کل ہو گیا پھر چوتھا پوتا کہاں گیا ۱۲

کیا مسلمان اس قدر کم عقل قوم ہے جس قدر ان لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ ادھر جو بات کہی ہے کہ پہلے باپوں کو مل کر پھر پوتے پائیں گے پہلے مُردوں پر تقسیم پھر زندوں کو ملے گا اس پر کوئی دلیل قرآن حدیث سے نہیں نہ قوی نہ ضعیف مسلمانوں کو ایسا سمجھا ہے کہ وہ ان کی ہر بے دلیل بلا ثبوت بات کو وحی خدا سمجھتے ہیں اور اسلاف دشمنی سے اس کو یقین کر لیں گے۔

پوتا جو دادا سے میراث پاتا ہے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں (الف) پوتا براہِ راست دادا کا وارث ہو رہا ہو (ب) پہلے مردہ باپ اپنے اس باپ کا حصّہ پائیں پھر ان مدت کے مرے ہوئے باپوں سے یہ پوتے پائیں پہلی صورت پر سارے مسلمانوں کا عمل ہے اور دوسری صورت کو یہ تجویز کر رہے ہیں کہ ایک زیادہ سے زیادہ نصف حِصّہ کا وارث ہوسکتا تھا۔ اس کے تین بیٹے بھی وہی نصف لیں گے یعنی پہلے مردہ باپ اُن کے دادا کا وارث ہوا ہے پھر جو حِصّہ باپ کا تھا وہ پوتوں کو ملے گا لہٰذا تین پوتوں کے باپ کو جو نصف ملتا وہ ان تین کو ملے گا ایک پوتے کے باپ کو جو نصف ملتا وہ اس کو ملے گا۔

شاید آپ نے کبھی بعض ہندو قوموں میں سُنا ہو کہ ان کے یہاں میراث تقسیم صرف بیٹوں بیٹوں میں تو ہوتی ہی ہے اگر کسی کے دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہوتی ہے تو چوٹا بٹ تقسیم ہوتی ہے ایک بیوی کے ایک بیٹا ہے تو نصف اس کو اور دوسری بیوی کے تین بیٹے ہیں تو نصف اُن کو یعنی وہ ایک چوٹے والی کا ہے نصف اُس کا ہے یہ تین دوسری چوٹے والی کے ہیں نصف اس کی وجہ سے ان تین کا ہے اسی طرح سے یہاں چوٹا بٹ کی جگہ مونچھ بٹ تقسیم

ایدِ متحدہ قومیت کی سندِ جواز سے حاصل کیا گیا ہوگا ورنہ اسلام میں اس کے لیے کوئی دِ جواز نہیں ہے اگر ہو تو آج کوئی پیش کر دے۔

"مرکزِ تحریفات" نے ہر بات میں تحریف کی عادت کو اس مضمون میں بھی دکھلایا ہے یہاں اس نے اپنے پیر و مرشد اسلم صاحب کی اس تجویز میں بھی تحریف کر لی ہے مگر عمدہ چیز میں تحریف تو اس کو خراب کر دیتی ہے ضلال اور کفر تک نوبت پہنچا دیتی ہے اور بری بات کی تحریف اس کو عمدہ بنا دیتی ہے اس لیے مرکزِ تحریفات ں تحریف کے باب میں شکریہ کا مستحق ہے۔

پمفلٹ صـ ۱۹

> "مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "تم زید کے مرنے پر اس کے فوت شدہ بیٹے بکر کا حصہ نکال کر حامد کو دیتے ہو یہ غلط ہے"۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ بکر کا حصہ نکالتا کون ہے، حصہ صرف اس کا ہوتا ہے جو متوفی کی وفات کے وقت زندہ موجود ہو۔ مُردوں کے حصے کوئی نہیں نکالتا قرآن کی رو سے حامد اپنے دادا (زید) کے ترکہ میں حقدار ہے اس لیے حامد کو خود اس کا حصہ ملتا ہے نہ کہ اس کے متوفی باپ (بکر) کا حصہ اگر بکر کا حصہ نکلتا تو اس کی بیوہ کو بھی کچھ مل جاتا لیکن جب بکر کا حصہ ہی نہیں تو بیوہ یا بکر کے اور رشتہ داروں کو کیا ملے گا۔ پھر سُن دیکھیے کہ حامد کو براہِ راست (زید کے ترکے سے) اپنا حصہ ملتا ہے نہ کہ اپنے متوفی باپ (بکر) کا حصہ"۔

مرکزِ تحریفات کا بہت بہت شکریہ کہ اسلم صاحب کی موجودہ تفہیم کی ڑیں اکھاڑ کر رکھ دیں۔ بے شک ہر پوتے کو براہِ راست اپنے دادا کا ترکہ

ملتا ہے۔ ہر ایک مستقل پوتا مستقل وارث ہے۔ ٹھیک کہا ہے کہ اگر پہلے اس باپ کو ملتا تو باپ کے اور وارثوں کو بھی ملتا بیوہ کو بھی ملتا خسر کی وارث ہوتی یہ بھی ایک اچھی خاصی دلیل ہے اس کی کہ مونچھ بٹ تقسیم نقل وعقل کے خلاف

یہ لوگ تو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم قرآنِ شریف کے قانون پر عمل کرتے مگر اس طرف قائم مقامی کا نکتہ خود ساختہ قائم کر رکھا ہے ادھر مونچھ بٹ طرز از خود قائم کر رکھی ہے حالانکہ دونوں باتوں پر کوئی دلیل نہیں اور تمام امت مذہب کو علما کا مذہب کہہ کر غلط کہتے ہیں حالانکہ فقہ حدیث کا اور حدیث قرآن مجید کا بیان ہے اور یہی لوگ پوری طرح قرآن مجید کے لفظ لفظ صریح واشارہ پر کر رہے ہیں اس مضمون میں آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ فقہ کس طرح حدیث و قرآن کے مطابق چل رہا ہے اور یہ لوگ "قرآن کا قانون" بورڈ لگا کر کس طرح من فاسد عقلوں کی پیداوار کو قرآن اور خدا کا کلام قرار دیتے ہیں۔ سنیے کہ فقہائی الرؤس تقسیم قرآن شریف سے بھی حاصل ہے حدیث سے بھی ہے عقلِ سلیم سے بھی

عا پوتوں کا ذکر قرآنِ مجید میں الگ لفظ سے نہیں ہے اولاد کو ولد ہی ذکر ہے اور ولد بلا واسطہ اولاد اور بواسطہ دونوں پر بولا جاتا ہے ہم مسئلہ (۱) میں دلیلوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس کے حقیقی معنے بلا واسطہ اولاد بیٹی کے ہیں اور مجازی معنے بواسطہ اولاد پوتا پوتی پڑ پوتا پڑ پوتی وغیرہ ہیں اور تحریفات کی جانب سے جو حوالے ان معنے کے حقیقی معنے ہونے کے دیئے تھے ان کے متعلق مسلمانوں کے دلائل کے جواب کی حقیقت کے ۲ میں ثابت کر دیا ہے کہ وہ حوالے ہی غلط ہیں اگر تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ

دونوں معنی حقیقی ہی ہیں تب بھی حقیقت و مجاز یا دونوں حقیقی معنے کو ایک وقت میں ایک حالت میں ایک لفظ سے مراد لینا اصول عربیت سے جائز ہی نہیں تو جب بلا واسطہ اولاد نہ ہوگی اس وقت لفظ ولد کا مصداق اور مدلول صرف بواسطہ اولاد پوتا پوتی ہی ہونگے اور یہ مجازی معنے یا دوسرے حقیقی معنے مراد لینے میں پہلے معنے کا واسطہ درمیان میں نہیں ہوسکتا ورنہ پھر وہی دونوں معنے کا جمع کرنا لازم آتا ہے اس لیے اس طرح بیٹیا نہ ہونے میں اولاد ذکر اور ولد کا مدلول ہر پوتا ہوگا اور براہ راست ہوگا حقیقی معنے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوسکتا اور ہر پوتے کا علاقہ براہ راست دادا کے ساتھ برابر ہے اس لیے سب پوتے چاہے وہ ایک بیٹے کی اولاد ہوں چاہے چند کی اولاد ہوں اس علاقہ کے برابر ہونے اور لفظ ولد کا مدلول برابر ہونے کی وجہ سے برابر برابر ہی وارث ہونگے تو قرآن شریف سے ہی ان کا برابر حصہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۲ شاید ان صاحبوں کو یہ یاد نہیں رہا کہ خود ہی یہ کہہ چکے ہیں کہ والدین میں دادا داخل ہے جب قرآن شریف نے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ (مردوں کے لیے حصہ ہے اس ترکہ سے جو والدین چھوڑ دیں) اور والدین میں دادا بھی ہے تو ان مردوں کے لیے حصہ ہوگا دادا کے ترکہ سے اور براہ راست ہوگا اس کا ولد پوتا بن کر ہوگا یہ نہیں ہوگا کہ ترکہ پہلے مرحوم باپ کی قبر میں داخل ہوگا۔ وہاں سے پوتے کو اپنے باپ کی قبر اکھاڑ کر لے گا۔

۳ یہ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ پوتا جو دادا کے ترکہ کا وارث ہوتا ہے وہ دادا کے فطری علاقہ قرابت کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی خود پوتا ہی ہونے کی وجہ

سے وارث ہوتا ہے اور دادا کا علاقہ قرابت ہر پوتے کے ساتھ یکساں ہے اس لیے یکساں اور برابر ہی میراث کے حقدار ہوں گے ایسا نہیں ہے کہ جو پوتا تین بھائیوں میں ایک ہو اس سے جو علاقہ قرابت دادا کا ہو وہ ایک تہائی $\frac{1}{3}$ ہو اور جو پوتا اکلوتا ہے اس سے پورا علاقہ ہو دادا کے لیے ہر پوتا پورا پوتا ہے کوئی سا پوتا بھی $\frac{1}{3}$ پوتا نہیں یہ کہاں کی عقل ہے کہ اکلوتے پوتے کو پورا پوتا قرار دیا جائے اور تین بھائیوں میں سے ہر ایک کو $\frac{1}{3}$ پوتا اور تینوں کے مجموعہ کو ایک پوتا کہا جائے ہر پوتا دادا کا تو پوتا ہی ہے اور دادا ہر ایک کا دادا ہی ہے اگر ہر پوتا نا موجود باپ کو درمیان میں رکھ کر وارث بنایا جائے گا تو مودودی کا کہنا سچ ثابت ہوگا کہ مردہ بیٹے کا حصہ نکال کر پوتے کو دے رہے ہو جس کے جواب میں ادارہ طلوع اسلام کو اسلم صاحب کی منطق سے رجوع کرنا پڑا ہے اور صاف لفظوں میں ہمت نہ ہو سکی تو گول لفظوں میں اسلم صاحب کی غلطی کا اعتراف کیا گیا بہرحال ہم کو اس کی قدر کرنی چاہیئے کہ غلطی معلوم ہونے پر اسے تسلیم کر لیا گیا کاش یہ طریقہ اور مسائل میں بھی اختیار کیا جائے خصوصاً یتیم پوتے کی میراث میں کہ اپنی غلطی معلوم ہونے پر اس سے رجوع کر لیا جائے۔

۴۔ اگر اسلم صاحب کی یہی موشگافی بٹ یا واسطہ کے لحاظ کی تقسیم رہی تو عصبات میں بھتیجوں کو، چچا زاد بھائیوں باپ کے چچاؤں اور دادا کے چچاؤں وغیرہ کی اولاد اور ذوی الارحام میں بھانجوں پھوپھیوں خالاؤں، ماموؤں اور ان کی اولادوں میں بھی یہی مسئلہ چلے گا سب کو ان کے مردہ واسطوں کا حصہ قرار دے کر وہی حصہ ملا کرے گا بلکہ اگر زید کی صرف نانی دادی ہوں تو لازم آئے گا کہ نانی کو $\frac{1}{3}$ اور باقی کل دادی کو

ملے کیونکہ نانی ماں کی قائم مقام ہے اور دادی باپ کی اور اولاد نہ ہونے میں ماں کو ⅓ باقی کل باپ کا قرآن مجید نے بتایا ہے حالانکہ ابو داؤد و ابن ماجہ اور دارمی میں ہے کہ "ایک میت کی نانی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھے میرے نواسے کی میراث عطا کیجیے آپ نے فرمایا ذرا ٹھہرو کہ میں اصحاب سے مشورہ کر لوں کیونکہ میں نے تمہارے حق میں قرآن مجید کا کوئی صریح حکم نہیں پایا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا پھر صحابہ رض سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہؓ نے حضورؐ کے نانی کو چھٹا حصّہ دینے کی شہادت دی حضرت ابو بکرؓ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے ساتھ اور بھی کوئی ہے تو حضرت محمد بن مسلمہ نے بھی اسی کی شہادت دی اس پر آپ نے اس کو چھٹا حصّہ دے دیا۔ پھر اس کے بعد اسی میت کی دادی آئی اور اپنا حصّہ مانگا تو فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ یہی چھٹا تم دونوں کا ہے اور چھٹا ہی حصّہ تم میں سے ایک کا ہوتا جو تنہا ہوتی اور آپ نے دونوں کو اسی میں شریک کر دیا۔"

اب آپ حضرات خود غور کریں کہ قرآن حدیث اور عقل سے کیا معلوم ہوتا ہے واسطہ کے موافق تقسیم کرنا یا براہ راست ان کو وارث قرار دے کر برابر تقسیم کرنا اور ان صاحب کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے کہ برابر کی تقسیم قرآن حدیث اور عقل کے بالکل خلاف ہے۔ اور ان کی تقسیم میں یہ خطرہ الگ کہ کہیں ہندوانی رسم چوٹا بٹ تک نوبت نہ پہنچا دے کیونکہ ممکن ہے کسی کی عقل میں دہی آجائے جب عقل ہی وحی سے بڑھ کر قرار دی جائے گی تو ہر ایک کی عقل الگ الگ ہے ہر ایک اپنی عقل کے بُت کی پرستش میں لگے گا۔

(۹) پمفلٹ صفحہ ۳۹ کے حاشیہ میں اخیافی یعنی ماں شریک بہن بھائیوں کے مضمون پر تمام اُمت کے خلاف مندرجہ ذیل مقالہ ہے۔ تمام مسلمانوں کے مذہب میں ماں شریک بہن بھائی ذوی الفروض (مقررہ حصے والے) ہیں کہ اگر ان میں کوئی ایک ہو تو ⅙ حصہ اور کئی ہوں تو ⅓ حصہ سب مذکر مونث کا برابر کا مشترکہ ہوتا ہے مگر اسلم صاحب کا قول یہ ہے :-

"اصل بنیاد اس کی یہ ہے کہ اس آیت میں وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق أَخٌ أَوْ أُخْتٌ کے بعد لِأُمٍّ کا اضافہ کر کے فقہاء نے اخیافیوں کو ذوی الفروض میں داخل کر دیا اس لیے حقیقیوں سے جو عصبہ ہے اُن کا حق مقدم ہو گیا لیکن اس آیت کے جو معنی قرار دیے گئے ہیں وہ بوجوہ ذیل ٹھیک نہیں۔

(۱) ابی بن کعبؓ جن کی قرأت کے مطابق معوذتین قرآن سے خارج ہیں ان کے لِأُمٍّ کی قرأت کی روایت جہاں تک ہم کو معلوم ہے بیہقی نے رکھی ہے جن کی تصنیفات کتب حدیث میں طبقہ ادنیٰ کی ہیں۔

(۲) یہ قرأت بمقابلہ قرأتِ متواترہ کے بالاتفاق تمام اُمت کے نزدیک نامقبول ہوئی اور کسی نے لِأُمٍّ نہیں پڑھا لہذا اس سے استدلال کرنا اس کو ایک ساتھ ہی نامقبول اور مقبول دونوں قرار دینا ہے۔

(۳) فقہاء اور مفسرین لَهُ کی واحد مذکر غائب کی ضمیر کو رجل اور امرأۃ دونوں کی طرف راجع کرتے ہیں جن میں سے امرأۃ مونث حقیقی ہے وہ کبھی اس کا مرجع ہو ہی نہیں سکتا اس صورت میں لهما یا لکل واحد منهما

چاہیے تھا۔

(۴) توریث کلالہ والی آیت میں جو آخر سورت میں ہے اخ اور اخت کے الفاظ بعینہٖ یہی ہیں اب اگر دونوں آیتیں اسی کی توریث کے متعلق قرار دی جائیں تو دونوں کو ناقص کہنا لازم آتا ہے یعنی اس آیت میں لأمّ کا لفظ اور اس میں لاب و امر یا لاب بڑھانا پڑے گا۔ حالانکہ اس کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

(۵) اگر اس آیت سے اخ اور اخت کی توریث مقصود تھی تو کیوں اللہ تعالیٰ نے لامر نہیں فرمایا۔ وہ خود کہتا ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا تفسیر کے موقع پر ابہام کلام کے نقائص میں سے ہے جس سے قرآن بہت بالاتر ہے۔ آیت کے کھلے معنے یہ ہیں :۔ اگر کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بنایا جائے یا کوئی عورت بجا لیکہ اس کلالہ کے کوئی بھائی بہن ہو تو اس مرد یا عورت میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا۔ لٰہٗ کی ضمیر کا مرجع کلالہ ہے اور . . . . لکل واحد منہما میں تثنیہ کی ضمیر رجل و امراۃ کی طرف راجع ہے نہ کہ اخ و اخت کی طرف یورث باب افعال سے ہے مجرد سے نہیں ہے۔ اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ قطعًا بیان نہیں کیا گیا بلکہ شہدی رشتہ داروں کا سے بھائی اور بہن کا ذکر صرف اس وجہ سے آگیا ہے کہ یہ والدین اور اولاد کی طرح شہدی رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں بھی وہ وارث ہو سکتے ہیں (مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب "الوراثۃ فی الاسلام" دیکھنا چاہیئے)

ان صاحبوں کو تحریف اور تغیر و تبدل کرنے کی ایسی عادت ہوگئی کہ اب کسی نقل پر بھی بھروسہ نہیں رہ سکتا اور کسی معنے اور مفہوم کی تو خیریت ہی نہیں رہی۔ آیت کے اسلامی مفہوم کے ٹھیک نہ ہونے کی جو وجہیں بیان کی گئی ہیں نمبروار ذرا ان کی حقیقت سنیے۔

(۱) اس وجہ کے چار جز ہیں (الف) یہ قرأت ابی بن کعبؓ کی ہے جس سے گویا یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ صرف انہی کی ہے لیکن یہ دعویٰ غلط ہے فتح الباری شرح بخاری میں ہے (ج ۱۲ ص ۳)

کما کان ابن مسعودؓ یقرأ	جیسے عبداللہ بن مسعودؓ ولہ اخ
ولہ اخ او اخت من ام وکذا قرأ	واخت کے بعد من ام پڑھتے تھے اور
سعد بن ابی وقاص رضؓ اخرجہ	ایسے ہی سعد بن ابی وقاص رضؓ پڑھتے
البیہقی بسند صحیح۔	تھے امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(ب) چونکہ حضرت ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق معوذتین قرآن سے خارج ہیں جس سے ساری اُمت کو انکار ہے اس لیے جو بھی قرأت حضرت ابی بن کعبؓ کی ہوگی وہ قابل انکار ہے۔

اول تو حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں معوذتین کا خارج ہونا نقل کا محتاج ہے۔ یہ تو کہیں نہیں ملتا۔ ہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف بعض لوگوں نے ایسا منسوب کیا ہے۔ علی قاری کی شرح شفائے قاضی عیاض مالکی میں شرح مہذب مؤلفہ امام نووی سے درج کیا ہے۔ (ج ۲ صہ ۵۵۱) تمام

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ اور تمام سورتیں جو مصحف شریف میں لکھی ہوئی ہیں قرآن ہیں اور وما نقل عن ابن مسعود فی الفاتحۃ والمعوذتین باطل لیس بصحیح عنہ حضرت ابن مسعود سے جو فاتحہ و معوذتین کے باب میں نقل کیا گیا ہے باطل ہے ان سے یہ نقل صحیح نہیں۔ آگے لکھا ہے کہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ ابن مسعودؓ پر جھوٹ باندھا ہوا ہے ان سے صحیح طریق سے تو عاصم کی قرأت ہے جو زر بن حبیش کے واسطہ سے عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں فاتحہ بھی ہے اور معوذتین بھی۔

شیخ ابن ہمام کی کتاب التحریر کی شرح میں ہے (ج ۱ ص ۹) ابن مسعودؓ سے جو انکار معوذتین نقل ہے صحیح نہیں۔ دوسرے اگر حضرت ابی بن کعب سے یہ انکار کی روایت بھی ہوتی اور پھر وہ اصول تنقید حدیث سے صحیح بھی ہوتی تو اس کے نامقبول ہونے کو اس قرأت کے نامعتبر ہونے میں کیا دخل ہے۔ کیا کسی صحابی کی ایک بات کی نقل جو اور تمام کے خلاف ہونے سے مرجوح قرار پا جائے تو اس کی ہر بات ہر حدیث اور ہر قرآنی بیان کا یہی حکم ہو جائے گا۔ یہ عجیب اور نرالا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ تو صحابہ کے لیے فرماتے ہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ (اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے) اور یہ ہمیشہ کے لیے ناپسند بناتے ہیں۔ اور پھر حضرت ابی بن کعبؓ وہ مقتدر صحابی کہ ان کو سید القرار اور فضلائے صحابہ میں سے (تقریب التہذیب) قرار دیا گیا ہے۔

(سی) یہ روایت بیہقی کی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اور جگہ نہیں ہے اور تفسیر روح المعانی میں ہے (ج ۴ ص ۲۰۶) واخرجہ غیر واحد من سعید

بن ابی وقاص (محمد بن ابی وقاص سے کئی کتابوں نے بیان کیا ہے۔

(د) امام بیہقی کی تصنیفات طبقہ ادنیٰ کی ہیں۔ لہذا یہ حدیث قابل قبول نہیں۔ یہ بھی دنیا بھر سے انوکھا اصول ہے کہ محدثین نے اکثر احادیث کے اعتبار سے جو کتابوں کے درجے بنائے اُن میں سے درجہ ادنیٰ کی کسی کتاب کی کوئی حدیث بھی مقبول نہیں۔ اگر اس کے لیے کسی محدث کا قول بھی نقل کیا جاتا تو بات قابل التفات ہوتی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی کتاب نقل کے ان اصول پر نہ ہو جن کو بعض دوسری کتابوں نے اختیار کیا ہے۔ تو اس کی کوئی حدیث بھی مقبول نہیں۔ مثلاً امام بخاری نے نقل کی جو کڑی شرطیں لگائی ہیں اگر ان کے علم میں ان شرطوں پر کوئی روایت نہیں ہوگی تو کیا سارے عالم میں کسی کو نہ ان شرطوں کے موافق کوئی حدیث مل سکے گی اور نہ کوئی اور حدیث معتبر ہو گی حالانکہ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ سب اس کی تردید کرتے ہیں۔ پھر نقادانِ حدیث میں شیخ ابن حجر کا جو مرتبہ ہے وہ سب کو معلوم ہے وہ اس کی صحت کو بلند آواز سے فرما رہے ہیں اور پھر اس کی صحت پر اور اس کے مقبول ہونے پر تو ساری اُمت کا اتفاق ہے۔ ایک آپ کے کہنے سے ہوتا کیا ہے اور وہ بھی بے سند اور بے اصول بات۔

امام نووی شرح مسلم میں کہتے ہیں (ج ۲ ص ۳۵)

اجمع المسلمون علی ان	تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے
المراد بالاخوۃ والاخوات	کہ بھائیوں اور بہنوں سے اس آیت
فی الآیۃ التی فی آخر سورۃ	میں جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے وہ
النساء من کان له من ابوین	مراد ہیں جو ماں باپ دونوں سے ہوں

او من اب عند عدم الذین من الابوین واجمعوا علی ان المراد بالذین فی ، اولها الاخوۃ والاخوات من الام فی قولہ تعالیٰ وَاِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امْرَاَۃٌ وَّلَہٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ ۔	یا صرف باپ سے مگر ماں باپ شریک کے نہ ہونے کے وقت اور اس پر بھی سب نے اجماع کیا ہے کہ سورۂ نساء کے شروع کی آیت میں بھائی بہن مراد ہیں جو صرف ماں سے ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت ۔

لہٰذا اگر کوئی ضعف بھی ہوتا تو اس قبولِ عام سے جو مفسرین ، محدثین ، مجتہدین ، بلکہ کل اُمت کو حاصل ہے اس کی تلافی ہو جاتی ۔

(۲) : تو ایسی مقبول تر ہے کہ ساری امت کا اجماع ہے ۔ کسی نے نہیں پڑھا ، کتنا غلط ہے جبکہ حضرت ابن مسعود اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی بھی یہی قرأت ہے جس کو فتح الباری اور روح المعانی سے نقل کر دیا گیا ۔ گو امام کی قرأت میں نہیں جو ہم پڑھتے ہیں ۔

(۳) : فقہا اور مفسرین پر تہمت ہے ۔ ایسی بات تو کوئی عربی داں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا ۔ اس کی کوئی نقل دکھائی جائے کہ ساری اُمت میں سے کسی ایک نے بھی اس ضمیر کو جو واحد کی ہے دو کی طرف راجع کیا ہو سب نے کلالہ موروث کی طرف راجع کیا ہے ۔ جلالین میں ہے لہ ای للموروث الکلالۃ (اس کے لیے یعنی جس کی وراثت دی جائے کلالہ کے لیے)

(۴) قرینہ اگر آپ کو نظر نہ آئے۔ تو اس کا کوئی کیا علاج کرے ۔ قرآن شریف کے معانی کے سمجھنے کے اصول پر بھی نظر رکھنا ضروری چیز ہے ۔ نورالانوار صفحہ ۱۹۲ میں ایک مسئلہ میں ہے فتعارض بین القرأتین وهما بمنزلة آیتین (دونوں قرأتوں میں اختلاف ہوگیا۔ حالانکہ دو قرأتیں دو آیتوں کے درجے میں ہوتی ہیں) یہ نورالانوار وہی کتاب ہے جس کی ایک عبارت سے پمفلٹ کے صفحہ ۵۳ پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ اصول کہ دو قرأتیں دو آیتوں کے جیسی ہوتی ہیں بالکل کھلا اصول ہے۔ کیونکہ جب دو قرأتیں ہوں تو ہر ایک قرآنی لفظ ثابت ہوتا ہے اس میں ایک کو لینا اور ایک کو چھوڑنا قرآنی لفظ کا چھوڑنا ہوا . . . . جن لوگوں کو قرآن کے لفظ لفظ پر عمل کرنا ہے وہ کیسے کسی لفظ کو چھوڑ سکتے ہیں ۔ اس لیے دو قرأتیں دو آیتوں کی طرح ہوتی ہیں دونوں حکم کو ثابت کرتی ہیں ورنہ ایک قرآنی لفظ کا انکار لازم آ جائے گا ۔ اسی واسطے ساری امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ یہاں وہ بھائی بہن مراد ہیں جو من الام ماں کی جانب سے ہی ہوں ۔ اور سورت کے اخیر کی آیت میں دو قرأتیں نہیں ہاں اس پہلی آیت میں ماں شریک کا بیان ہو چکنے کی وجہ سے حقیقی اور باپ شریک مراد ہیں "ناقص" کہنے کا کیسا عظیم دھوکہ ہے ۔ خیال کیجیے اگر دو مسئلے دو آیتوں میں بیان ہوں ۔ یا ایک مسئلہ کی دو قسمیں ہوں ۔ ایک ایک آیت میں ہو ۔ دوسری دوسری آیت میں تو کیا ہر ایک کو ناقص کہا جا سکتا ہے ۔ ثبوت مسئلہ کا (۲) ذرا پھر ملاحظہ کیجیے کہ اولاد کی تین حالتیں ہیں یا صرف مذکر صرف مؤنث اور مذکر و مؤنث دونوں اللہ تعالیٰ نے الگ الگ ہر

حالت کو ایک ایک آیت میں بیان فرمایا۔ تو کیا العیاذ باللہ ہر آیت کو ناقص کیا جائے گا
خدا معلوم ان صاحب کو یاد نہیں رہتا یا قصداً ایسی بات کو کر گذرتے ہیں جب
ولد کو خود عام لے رہے تھے۔ اور اشکال ہوا کہ بیٹے کی موجودگی میں بھی پوتے کو
میراث ملنا لازم آیا تو اقربین کے تحریف معنے کی پناہ حاصل کرنا چاہی کیونکہ وہاں
یہ خیال نہیں آیا کہ پہلی آیت ناقص رہی جاتی ہے۔ اور جب سورہ نساء کی پہلی
آیت دو قرآنیں دو آیتوں کے مرتبہ میں ہو کر اس کو ماں شریک بہن بھائی قائم
قرار دے چکی ہے تو لا محالہ دوسری آیت میں وہی بہن بھائی ہیں جو پہلی آیت میں
بیان نہ ہو سکے تھے اس لیے نہ وہ ناقص نہ یہ ناقص ہاں کسی کا فہم ہی ناقص ہو
تو اس کا کیا علاج۔

عـــ۲ پہلی آیت میں ماں شریک اور دوسری آیت میں باپ شریک اولادی
مراد ہونے پر خود انہی آیتوں کے اندر بھی قرینے موجود ہیں۔ لیکن ذرا غور کرنے سے قرآن
شریف کو قرآن شریف کی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پہلی آیت میں بہن بھائیوں
کے لیے ایک ہو تو چھٹا حصہ اور زیادہ ہوں تو سب کے لیے ایک تہائی حصہ
ترکہ کا ہے پوری آیت یہ ہے۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ
كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ
اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ
فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ
شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ

اگر کوئی ایسا مرد جس کی وراثت دی
جاتی ہے کلالہ (بے اولاد و بے باپ) ہو یا کوئی
عورت ایسی ہو۔ اور اس کے بھائی یا بہن
ہوں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے
چھٹا حصہ ہے اور اگر بہن بھائی اس سے

زائد ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہیں۔

اور دوسری آیت جو سورت کے آخر میں ہے یہ ہے:۔

یَسْتَفْتُونَکَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ط	لوگ کلالہ کو آپ سے پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کلالہ (جس کا باپ زندہ نہ ہو) کے باب میں حکم دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کے لیے ترکہ کا نصف ہے اور بھائی ایسی بہن کا کل کا وارث ہوگا۔ اگر اس کے اولاد نہ ہو۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو دونوں کا دو تہائی ترکہ

ہے اور اگر وارث کئی بہن بھائی ہوں مذکر اور مؤنث تو مذکر کے لیے دو مؤنث کے برابر ہے۔

اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ بہن بھائی یا فقط ماں کے واسطہ سے ہوتے ہیں جن کو اخیافی کہا جاتا ہے۔ یا فقط باپ کے واسطہ سے جن کو علاتی کہا جاتا ہے یا دونوں کے واسطہ سے جن کو عینی یا حقیقی کہا جاتا ہے۔ مگر جب دونوں کا واسطہ ہوتا ہے تو اعتبار باپ کے علاقہ کا ہوگا۔ جو قوی علاقہ ہے اور نسب باپ سے ہی چلتا ہے جیسے کہ ایک آیت میں ہے وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ (اور اس پر جس کے لیے بچہ جنا گیا ہے عورتوں کا نفقہ ہے) اس سے معلوم ہوا کہ بچے باپ

ہی کے لیے ہیں اسی بنا پر جیسے کہ ثبوتِ مسئلہ کے (۱) میں تمام اُمت کا اتفاق گذرا اولادِ ذکر کے مجازی معنوں میں بیٹوں کی اولاد پوتے پوتیاں تو مراد ہیں اور بیٹیوں کی یعنی نواسا نواسی مراد نہیں - اس لیے اب ان آیتوں میں جو بہن بھائی بیان ہیں یا صرف ماں کے واسطے کے اخیافی یا باپ کے واسطے کے ہیں چاہے صرف باپ ہی کے واسطے کے ہوں . علاتی یا دونوں کے واسطے کے عینی و حقیقی مگر شمار میں آئے گا باپ کا واسطہ تو دو قسم ہوں گے ماں کے واسطہ کے اور باپ کے واسطہ کے - اب ماں کا حصہ $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{3}$ اور باپ کا حصہ اولاد نہ ہو تو کل قرآن شریف نے بتایا ہے - لہٰذا جہاں $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{3}$ کی تقسیم ہے - وہ ماں کے علاقہ کے مناسب ہے اور جہاں نصف دو تہائی اور کل کی تقسیم ہے اس کو باپ کے علاقہ سے مناسبت ہے - جس کی بیٹی کو $\frac{1}{2}$ اور کئی بیٹیوں کو $\frac{2}{3}$ اور بیٹے بیٹیوں میں مرد کو دو عورت کو ایک ہو کر کل ملتا ہے -

اس تقسیم سے ایک لطیف اشارہ ہے علاقہ کی طرف - لہٰذا پہلی آیت میں ماں کے علاقہ والے اخیافی بہن، بھائی اور دوسری آیت میں باپ کے علاقہ والے عینی و علاتی بہن بھائی مراد ہونے پر قرآنی اشارہ ہو گیا - اب اگر یہ قرینہ کسی کی عقل میں نہ آسکے تو اس کا علاج کس کے پاس ہے ؟ "لفظ بڑھانے" کا پراپیگنڈا کیا عجیب ہے - کیا کسی لفظ کے کئی احتمالوں میں سے قرائن سے ایک کو لینا لفظ بڑھانا ہوتا ہے کیا مشترک حقیقت و مجاز منقول عام اور مطلق سب میں قرائن و شواہد سے ایک بات مراد لینا لفظ ہی بڑھانا ہوتا ہے - کیسی عجیب بات ہے - صرف کے مبتدی طالب علم بھی سنیں گے تو ہنسیں گے -

(۵) کلام کا ایجاز و اختصار بہت سے مسائل کو اشارہ سے ہی بیان کرتا ہے قرآن شریف اس قدر مختصر اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (ہر دینی چیز کا بیان) ہے اس لیے اس کے لفظ لفظاً بلکہ حرف حرف سے مسئلہ نکلتا ہے۔ اب سطحی نظر والے نہ سمجھیں تو یہ کلام میں ابہام اور نقص نہیں ہو سکتا خود ان کا نقص ہو گا عقلیں چونکہ مختلف ہیں۔ اس لیے ان اشارات جلی و خفی کو حدیث شریف میں اور پھر فقہ و کلام و قرآتین و تصوف میں کھول کھول کر رکھ دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ضعف قویٰ اور بُعد خیر القرون کی وجہ سے کلامِ الٰہی کی باریکیوں تک پہنچنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس کو اپنے غرور میں ان سب سے علیحدہ رہنا خطرات میں مبتلا کر دے گا۔ اس کے لیے وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (اس کے راستہ کا اتباع کرو جو میری طرف پورا متوجہ ہو رہا ہے) اور فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (علم والوں سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے) کا حکم ہے ورنہ پھر غرور اس کو گمراہی کے گڑھے میں ڈال کر رہے گا۔

جو معنے آیتِ شریفہ کے اس جدید تحریف میں بتائے گئے ہیں۔ خود قرآن شریف کے بعض لفظ بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور ویسے بھی صحیح نہیں ہو سکتے غرض یہ معنے ان وجوہ سے غلط ہیں:۔

(۱) اجماع امت نے جو مفہوم قرار دیا ہے یہ اس کے خلاف ہیں۔

(۲) "کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بنایا جائے یا کوئی عورت بحالیکہ اس کلالہ کے کوئی بھائی بہن ہو تو اس مرد یا عورت کو ایک ایک سدس ملے گا" معنے کیے گئے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر یہ معنے ہوں تو یہ مرد یا عورت جو وارث بنائی جائے گی

میت سے اُن کا کیا تعلق ہے۔ جس کی وجہ سے وارث بنائی جائے گی یہ یہاں کچھ بیان نہیں کیا گیا۔ دنیا بھر کا ہر مرد عورت ہے یا کوئی خاص اگر خاص ہے تو کسی طرح کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ کون اور کس علاقہ سے ہے کوئی خبر نہیں کیا اس کو انہیں کے لفظوں میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تفسیر کے موقع پر ابہام کلام کے نقائص میں سے ہے جس سے قرآن بہت بالاتر ہے اور یہ معنی نقص پیدا کرتے ہیں اس لیے باطل ہیں۔

قرآن شریف نے ماں باپ اولاد بیٹا بیٹی خاوند بیوی وغیرہ کہہ کر حصے بتائے ہیں ایسی مہمل بات کہ کوئی مرد یا کوئی عورت وارث بنائی جائے کہیں نہیں ہے۔ پھر اگر ان کوئی مرد عورت سے مراد یہ ہو کہ جن جن کے حصے بیان فرمائے گئے ہیں انہی میں سے کوئی مرد یا عورت ہو تو یہ آیت پہلی سب آیتوں کی مخالف ہو جائے گی۔ کیونکہ ہر مرد اور ہر عورت کے حصے وہاں اور بیان فرمائے ہیں۔ اور یہاں ہر ایک کو سدس $\frac{1}{6}$ زائد کو $\frac{1}{3}$ اور اگر ان کے علاوہ مراد ہیں تو وارث کیسے بنائے جائیں گے۔ وارث بنانے والا کون ہے۔ یہ حق سوائے خدائے قدوس کے اور کس کو ہو سکتا ہے۔ جب کہ صاف فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اور نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا فرمایا اور لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (تم نہیں جان سکتے کون تم سے نفع میں قریب تر ہے) فرمایا گیا ہے۔ اب خدا کا مدمقابل کون تجویز کیا گیا ہے جو وارث بنائے گا۔ اور خدا تعالیٰ کو یہ الزام دے گا۔ کہ آپ نے ان کو چھوڑ دیا تھا ہم ان کو بھی وارث بناتے ہیں۔

اور اس کے متعلق یہ کہنا ہے کہ "آیت میں بھائی بہن کا حصہ قطعاً بیان نہیں کیا گیا بلکہ عہدی رشتہ داروں کا ہے" یہ بلا کسی دلیل کے اور بغیر کسی قرینہ کے دعویٰ کر

دیا گیا ہے اور پھر یہ عہدی رشتہ دار کیا چیز ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث میں تفسیر و فقہ وغیرہ میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔ یہ کوئی تازہ تصنیف ہے۔ مگر یہ مضمون تو اسلم صاحب کا ہے پھر اس لعنت کا بیان شاگردوں نے ایک جگہ کیا ہے۔
پمفلٹ صـ۱۲

"دوسری قسم عقدی رشتہ کی ہے جس میں میاں بیوی کا رشتہ صرف نکاح کے عقد و پیمان سے ہوتا ہے ...... نسب کا رشتہ مستقل رشتہ ہوتا ہے یہ صرف عہد و پیمان تک رہتا ہے۔"

ان شاگردوں کا بیان یہ ہے کہ عہدی یا عقدی رشتہ دار صرف میاں اور بیوی ہوتے ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو اب آیت کے یہ معنی ہو گئے اگر کلالہ کا وارث اس کا خاوند یا اس کی بیوی ہو تو ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے تو یہ تکرار اور قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف نے بالکل صاف اور صریح لفظوں میں اولاد ہونے پر خاوند کا حصہ چوتھائی اور بیوی کا آٹھواں اور اولاد نہ ہونے پر خاوند کا نصف اور بیوی کا چوتھائی فرمایا اور چونکہ کلالہ وہ ہے کہ جس کے نہ والد ہو نہ ولد تو یہاں ولد نہ ہونا پایا گیا لہٰذا پہلی آیت سے ایسے وقت خاوند کا نصف ثابت ہوا اور اس سے چھٹا حصہ اور بیوی کا پہلی آیت سے چوتھائی ثابت ہوا تھا اس سے چھٹا حصہ ہوا تو آیت کے یہ معنے پہلی دو آیتوں کے صاف و صریح حکم سے مردود ہو گئے۔

ایک عجیب بات اور بھی سن لیجیے کہ آیت کے لفظ آگے یہ ہیں وَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ ط (اور اگر وہ اس سے زاید ہوں

تو سب ثلث ⅓ میں شریک ہیں) ان صاحب کے معنی پر کانوا کی ضمیر جمع کو تثنیہ یعنی دو کی طرف لوٹانا ہوگا بلکہ ایک کی طرف اور یہ مطلب ہوگا کہ اگر وہ مرد یا عورت عہدی رشتہ دار یعنی میاں یا بیوی اس سے یعنی ایک ایک سے زائد ہوں تو سب ثلث میں شریک ہیں - پہلی آیت سے ۔ بیویاں کئی ہوں تو بھی ان کا چوتھائی تھا یہاں تہائی ہوجاتا ہے اور خاوندکئی ہونے کی صورت آپ نکالتے رہیے جس میں سب کو یہاں تہائی ملے گا، گویا ان معنے نے ایک عورت کے لیے کئی کئی خاوند بھی ثابت کر دیے ۔ قرآن شریف کے کتنا خلاف ہے آپ سوچ لیجیے - اور اگر عہدی رشتہ دار سے کوئی اور مراد ہے تو اس کے تعیین پر کچھ عرض کیا جا سکتا ہے اور یہ تو بہر حال ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بیان کیے وارثوں کے علاوہ ہیں تو غیر وارث کو وارث بنانا ہوگا اور بیان کردہ ہیں تو علاوہ مکرر ہونے کے مخالفت حکم کی ہوگی - کہ یہاں ⅙ اور ⅓ حصہ ہے اور پہلی آیتوں میں اور اور حصہ ہے ۔

(۳) وَلَہٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ میں کلالہ کو مورث بناکر اس کے بہن بھائی مراد لیے گئے ہیں اور اس جملہ کو کلالہ سے حال قرار دیا ہے یہ ترجمہ کیا ہے بحالیکہ اس کلالہ کے کوئی بھائی بہن ہو" قواعدِ عربیت سے بلکہ ہر زبان کے قاعدہ سے حال ذوالحال کے عامل کے لیے قید ہوتا ہے زید کھاتا ہے بحالیکہ چل رہا ہے - یہ بُری بات ہے تو زید کا کھانا اِسی قید سے بُری بات کہ وہ چل رہا ہے ان معنی سے اِسی طرح یہاں مرد یا عورت کو کلالہ کا وارث بنایا جانا اس قید سے ہوگا کہ کلالہ کے بھائی بہن ہو اگر عہدی رشتہ دار میاں بیوی ہیں تو ان کا وارث ہونا اس قید

سے ہوگا کہ کلالہ کے بھائی بہن ہوں ورنہ وارث ہی نہ ہوں گے۔ تو جس کلالہ کے بھائی بہن نہ ہوں اس مرد کی بیوی اور ایسی عورت کا خاوند تو بھیک مانگا کریں گے اور ترکہ کون لے گا یہ کلالہ ہے نہ والد نہ ولد اور اب نہ بھائی نہ بہن اللہ تعالیٰ تو میاں بیوی کو ایسا حصہ دلاتے ہیں جس کو کوئی وارث بھی کبھی نہیں روک سکتا مگر ان معنے سے ان لوگوں نے ان سے بھیک منگوادی غرض ان معنے سے میاں بیوی کے وارث ہونے کے لیے بھائی بہن کے موجود ہونے کی شرط ہوگئی جو اس صاف اور صریح آیت کے حکم کے خلاف ہے جس میں ان کے حصے مطلقاً بیان ہیں۔

(۴) فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا (ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے) منہما تثنیہ کی ضمیر کا مرجع اخ واخت ہو سکتے ہیں جو قریب تر ہیں یہ سب مسلمانوں کے لیے ہوئے معلوم میں ہے یا رجل وامراۃ جو بعید ہیں اور ان صاحب نے مراد لیا ہے مگر زبان کے قواعد جب تک قریب تر کے لیے کوئی مانع نہ ہو بعید کو مرجع بنانا جائز نہیں رکھتے اور یہاں بعید کو مرجع بنانے کے لیے وہ مانع ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں اس لیے ایک قریب تر ہونا ان کا مرجع بننے کا سبب ہے اور دوسرے بعید میں مانع کا ہونا اور قریب میں نہ ہونا، تیسرے ان کا معین اور رجل وامراۃ غیر معین ہونا ہے چوتھے اکثر (ایک سے زائد) ہونا یہاں بلا مخالفت حکم متحقق ہے کہ بھائی بھی ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں بہنیں بھی وہاں امراۃ عہدی اگر ایک سے زائد ہو سکیں تو مرد عہدی خاوند زائد نہیں ہو سکتے اور بیویوں کو بھی صریح حکم کے خلاف بجائے $\frac{1}{4}$ کے $\frac{1}{2}$ لازم آئے گا۔

اور اگر صرف بیویاں ایک سے زائد ہونا مراد ہوتا تو فھم ضمیر مذکر غائب کی جگہ فھن جمع مؤنث کی ضمیر ہونی چاہیے تھی اور کانوا کے بجائے کُنّ جمع مؤنث چاہیے تھا اور شرکاء کی جگہ شریکات مونث ہوتا اس لیے مِنْهُمَا ضمیر اخ و اخت کی طرف ضروری ہوئی اور تمام مسلمانوں کا سمجھا ہوا مفہوم ہی صحیح ہوا۔

(۵) جب مورث کالہ ہے وارث رجل وامرأۃ ہے بھائی بہن نہ مورث نہ وارث تو اخ و اخت یا زائد ہو جاتا ہے جو کلام الٰہی کی شان کے خلاف ہے یا قید بن کر ۳ کی خرابی پیدا کرتا ہے۔ اور یہ تاویل کہ "بھائی" اور بہن کا ذکر صرف اس لیے آگیا ہے کہ یہ والدین اور اولاد کی طرح عہدی رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں بھی وہ وارث ہو سکتے ہیں۔ اس کا ہر جز غلط اور دھوکہ بازی ہے۔ والدین اور اولاد عہدی رشتہ دار میاں بیوی کو کب محروم کرتے ہیں۔ یہ کس نے کہہ دیا ہے کسی آیت یا حدیث یا فقہ سے ثابت تو کیا جائے۔ صرف میاں بیوی کے حصوں میں ولد کے ہونے سے فرق پڑنا قرآن مجید میں ہے۔ والدین کے وجود و عدم سے ان کے حصوں میں کوئی فرق بھی پڑتا کہیں نہیں ہے نہ قرآن میں نہ حدیث و فقہ میں اور محروم ہونا تو بالکل نہیں ہے دوسرے اگر یہی مقصود ہوتا تو قرآن شریف کی عبارات تو بے مثال فصیح بلیغ ہے یہ حالی بن کر قید کی صورت میں کیسے آسکتا تھا۔ یا ان لوگوں کی گستاخ زبان میں یہ کہا جائے کیوں حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ محروم نہیں ہوں گے لا یحرمان یا ہمیشہ وارث ہوں گی ابداً اور اس مقصود کے لیے تو یہ عبارت ہونی وان كَانَ لَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ (اگرچہ اس کے بھائی بہن ہو) ان دو جملہ کے ساتھ

(٦) رجل (مرد) امرأۃ (عورت) سے عہدی رشتہ دار مرد یا عورت مراد لینا عام لفظوں کو کسی خاص فرد کے اندر محبوس کر دینا ہے اس کے لیے جب تک کوئی دلیل قرآن و حدیث کے لفظ سے ہی نہ ہو کیسے عام مراد کو ایک فرد میں محصور کرنا جائز ہو سکتا ہے۔ اس عام کو اپنی رائے سے فرد میں قید کر دینا تحریف نہیں تو کیا ہے۔ اور خدا جانے "الوراثۃ فی الاسلام" کتاب میں کیسی کیسی تحریفیں اور دھوکہ بازیاں ہوں گی۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

اس تمام بحث میں آپ نے خوب سمجھ لیا ہو گا کہ کس کس طرح فقہائے کرام نے آیات و احادیث کے لفظ لفظ سے اور ان کی باریکیوں اور گہرائیوں سے مسائل حاصل کر کے مدون کیے ہیں جہاں تک آج کل کے مدعیوں کی نظر بغیر بنائے پہنچ بھی نہیں سکتی۔ اللہ تعالےٰ ان کی قبریں ٹھنڈی رکھیں اور ان کے درجے بہت بہت بلند فرمائیں۔ اگر یہ ایسی محنتیں کر کے تہ تک پہنچ کر دُرِ شاہوار مسائل لاکر نہ رکھ دیتے تو ہم لوگ خدا جانے کہاں کہاں بھٹکتے، جیسے آج کل کے لوگ بھٹک رہے ہیں۔ حق یہ ہے ؎

ان پاک حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

اور اب آپ نے یہ بھی خوب سمجھ لیا ہو گا کہ کیسی کیسی تحریفیں کی جا رہی ہیں اور کیسی بے بنیاد باتوں کو کہا جا رہا ہے "قرآن کا قانون"۔ المعیاذ باللہ خدائے قدوس پر کیسی عظیم تہمت ہے۔ ع

الٰہی کیوں نہیں اُٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے

پمفلٹ صفحہ ۹۲ پر ایک عنوان ہے:

"منکرین قرآن کی طرف سے جواب"

ہر مسلمان مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا جانتا ہے کہ قرآن شریف کا انکار کفر ہے۔ اب منکرین قرآن کہہ کر کس کس کو کفر کی توپ کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ذرا غور سے دیکھیے کن کن کو کافر کہا گیا ہے ذرا سوچیے صرف جواب دینے والے کو نہیں بلکہ جن کی طرف سے جواب ہے وہ آپ ہم سب ہیں۔ بلکہ دنیا بھر کے تقریباً پچاس کروڑ مسلمان بلکہ پونے چودہ سو سال کی تمام امتِ محمدیہ ہے جس میں تمام صحابہ و تابعین، ائمۂ مجتہدین اور اولیا و اقطاب بھی آ گئے۔ اب پوتے کی میراث کے متعلق شرعی حکم اور اس کے خلاف کی تحریفی باتوں کو پڑھ کر ممبران اسمبلی اور عام مسلمانوں کو کرنا کیا چاہیے۔ اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوگا۔

وَاَنِ احْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ؀	اور یہ کہ آپ حکم کیجیے ان احکام کا جو اللہ نے نازل کیے ہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کیجیے اور ان سے بچتے رہیے کہ ہٹا نہ دیں آپ کو بعض ان احکام سے جو اللہ نے نازل کیے ہیں پھر اگر وہ اعراض کریں تو جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہی یہ ارادہ کر رہے ہیں کہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے مصیبت میں ڈال دیں اور بے شک بہت سے لوگ حکم ماننے سے نکل جانے والے ہیں

وصیت

پمفلٹ صلا۔

"........صاحب نے ضمناً وصیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ⅓ حصہ مال کی حد تک وہ وصیت کر سکتا ہے۔ یہ چیز بھی قرآن کریم کی کھلی ہوئی مخالفت ہے۔ قرآن نے وصیت کا پورا پورا حق دیا ہے اور کہیں یہ نہیں لکھا کہ وصیت صرف ⅓ میں ہو سکتی ہے۔ اللہ نے وصیت کے حکم میں کہیں یہ نہیں کہا کہ وصیت صرف ⅓ حصہ میں ہو سکتی ہے لیکن ملا کہتا ہے کہ نہیں تم وصیت ⅓ حصہ تک کر سکتے ہو۔ یعنی (معاذ اللہ) خدا کو اتنی بات بھی کہنی نہیں آتی تھی کہ وصیت ⅓ میں کی جا سکتی ہے وہ اس کے لیے بھی روایات کا محتاج ہو گیا یہ ہے ملّا کا روایاتی مذہب"

صلہ کہا جا سکتا ہے کہ جب قرآن میں وراثت کے حصے مقرر ہو چکے ہیں تو پھر وصیت کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ سو قرآن نے وراثت کے احکام کے ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے اور اسے بار بار دہرایا ہے کہ یہ حصّے وصیت پوری کرنے اور قرضہ ادا کر دینے کے بعد عمل میں آئیں گے (من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین) یعنی وصیت کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ مال وصیت سے (انگریزی لفظ) نہ ہوتا ہو یا ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ انسان وصیت نہیں کر پایا اور اس کی موت واقع ہو گئی تو پھر تقسیم مال قرآنی حصوں کے مطابق

ہو گی۔ یہ قانون کس قدر انسانیت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اس
کے متعلق کسی اور وقت لکھا جائے گا۔"

طرزِ بیان کی بیہودگی کی داد تو ناظرین خود دے لیں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس سارے متن اور حاشیہ میں کل مال کی وصیت کا حق ہونے پر دلیل کیا دی گئی اور وہ بھی قرآنی دلیل۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ قرآن نے وصیت کا پورا پورا حق دیا ہے تسلیم کہ وصیت کا پورا حق دیا ہے۔ مگر پورے مال کی وصیت کرنے کا حق یہ کس لفظ یا کس اشارہ سے معلوم ہوا۔ قرآن مجید کے ان لفظوں میں تو صرف وصیت کا ذکر ہے۔ اس کا ذکر تو نہ صراحت کے ساتھ ہے نہ کسی اشارہ سے کہ وہ کل مال کی وصیت ہو یا کسی جزکی، آیت دونوں سے خاموش ہے۔ "وصیت کا پورا پورا حق" کے الفاظ کہہ کر لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پورا مال دینے کا حق ہوگا۔ مگر اتنا بے وقوف کون ہے جو وصیت کا پورا حق ہونے میں اور پورے مال کی وصیت کا حق ہونے میں تمیز نہ کرتا ہو ادھر تعجب اس پر بھی کر لیجیے کہ آیت میں پورا یا ادھورا کا کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے "بعد کسی وصیت کے جو وصیت کی جائے۔ یا قرض کے" اب "یعنی" سے جو لایعنی بات بنائی گئی ہے اور وہ بن بھی نہیں سکی بالکل بے اصل ہے۔ "یعنی" کہہ کر دیکھنے والوں کو اس دھوکہ میں مبتلا کیا گیا ہے کہ شاید یہ سب قرآن مجید کے لفظوں کا ترجمہ ہوگا۔ حالانکہ وہاں ترجمہ ہی سرے سے غائب ہے۔ یہ محض ایجاد ہے۔ جس کو قرآن سے کوئی واسطہ نہیں۔

خیر وصیت کا پورا حق ہے یہی مراد سہی تو وصیت کرنے کو حرام پایا جائے:

کون کہتا ہے۔ ہاں حق ہے اور پورا حق ہے۔ لیکن کتنے مال یا کتنے ترکہ کا حق ہے یہ معلوم نہیں ہوسکا۔ دعوے تو اتنے زور کا کہ "یہ چیز بھی قرآن کریم کی کھلی ہوئی مخالفت ہے"۔ اور دلیل ہوائی اور ایسی کہ کل جزء کا ذکر ہی نہیں۔ پھر بھی قرآن پر عمل کا دعوٰی۔

رہی یہ بات کہ اللہ نے کہیں نہیں کہا۔ اور قرآن نے کہیں نہیں لکھا کہ ⅓ وصیت ہوسکتی ہے۔ تو اگر اُن صاحب یا کسی اور نے یہ کہا ہوتا کہ قرآن شریف نے "لکھا" اور اللہ نے کہا ہے تو بے شک یہ بات زیب دیتی تھی۔ کہا یہ جارہا ہے کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ وصیت ⅓ سے زائد کی نافذ نہ ہوگی۔ اگر ورثا اجازت نہ دیں اور اگر سب وارث بالغ ہوں اور اجازت دے دیں تو زائد کی بھی وصیت نافذ ہے اور شریعت کا حکم قرآن مجید، حدیث شریف، اجماع اُمت، اور قیاس شرعی چاروں دلیلوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ بھی ثابت ہے۔ ذرا اور تعجب کیجیے کہ خود ہی "وہ اس کے لیے بھی روایات کا محتاج ہوگیا"، اس کا اقرار ہے کہ ثبوت دینے والے روایات حدیث سے ثبوت دیتے ہیں۔ مگر جواب یہ کہ قرآن نے نہیں لکھا۔ دلیل کیا تھی جواب کیا ہے۔

سنیے قرآن نے "لکھا" ہے اور خدا نے کہا ہے اگر غرور اس کی اجازت نہیں دیتا کہ بزرگان اسلاف کو دیانت دار سمجھ لیا جائے تو پھر نظر پیدا کیجیے۔

۱ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (رسول کی اطاعت کرو) لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (تاکہ آپ قرآن کو لوگوں کے لیے بیان کردیں) تو حضور قرآن کا بیان عطا فرماتے ہیں وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جو رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی ، بتائیے یہ سب حکم اس صدی کے مسلمانوں کے لیے ہیں یا نہیں ۔ اگر نہیں تو اسلام اور امتِ محمد یہ تو ناہی ختم ہے یہ خود کفر ہو جائے گا ۔ تو ضروری ہے کہ سب کے لیے ہے اگر احادیث کا خدانخواستہ اعتبار نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ العیاذ باللہ خدا تعالےٰ نے اطاعت رسول کا ایسا حکم دیا ہے کہ وہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا ۔ تو اس سے نعوذ باللہ خدا تعالےٰ کو بے علم یا ظالم یا ناممکن حکم والا کہنا پڑے گا جو کوئی مؤمن برداشت نہیں کر سکتا ۔ اس لئے احادیث پر عمل کرنا ہی اطاعت رسول ہے ۔ اسی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے ۔ اور حدیث ہی قرآن شریف کا بیان ہے اب حضور کا ارشاد ہے جس کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے ۔

عن مصعب بن سعد عن ابیہ قال عادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت اوصی بمالی کلہ فقال لا قلت فالنصف فقال لا فقلت ابالثلث فقال نعم والثلث کثیر۔

(مسلم ج ۲ ص۳۹ وغیرہ)

مصعب بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عیادت فرمائی تو انہوں نے پوچھا کہ میں اپنے کل مال کی وصیت کر دوں فرمایا نہیں عرض کیا پھر نصف کی فرمایا نہیں ۔ عرض کیا ثلث ⅓ کی ۔ فرمایا ہاں اور ثلث بہت ہے ۔

ابن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی ہے :۔ (احکام القرآن جصاص ج ۲ ص۱۱)

عن ابی ھریرۃ رض قال

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اعطاکم ثلث اموالکم فی اٰخر اعمارکم زیادۃ فی اعمالکم۔

کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے مالوں میں سے ⅓ ثلث آخر عمروں میں تمہارے عملوں میں زیادتی کرنے کے لیے دیا ہے۔

اور ابن ابی حاتم کی حدیث ہے کہ ابن عمرؓ حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نے اللہ تعالےٰ سے نقل فرما کر فرمایا ہے "اے ابن آدم دو باتیں تیرے لیے نہ تھیں اب ہیں۔ میں نے تیرا حصہ تیرے مال میں مقرر کر دیا ہے جب تیرا دم گھٹنے لگے۔ تاکہ میں تجھے پاک اور عمدہ بنا دوں۔ اور میرے بندوں کا تیرے لیے رحمت مانگنا تیری موت کے بعد" تو وصیت کل کی نہیں حصہ کی ہے۔

جصاص کہتے ہیں یہ سب حدیثیں جو وصیت کو ایک تہائی پر مقصور کرنے کو واجب کرتی ہیں۔ ہمارے نزدیک تواتر کے درجہ میں ہیں جو یقین و عمل کا سبب ہے۔ کیونکہ ساری امت نے ان کو قبول کر لیا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی اس مراد کو بیان کرنے والی ہیں جو قرآن مجید میں ہے۔ اب وہ وصیت تہائی پر محصور ہے۔

امام نووی نے لکھا ہے (مسلم ج ۲ ص ۳۹)

واجمع العلماءُ فی ھٰذہ الاعصار علی ان من لہ وارث لا تنفذ وصیتہ بزیادۃ علی الثلث الا باجازتہ واجمعوا

تمام علماء عصر ہائے قدیم و جدید کا اجماع ہے کہ جس کے کوئی وارث ہو اس کی وصیت ⅓ سے زائد نافذ نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ اجازت دے دے اور اجماع

علی نفوذها باجازته فی جمیع المال۔	ہے وصیت کے کل مال میں نافذ ہونے پر بشرط وارث کی اجازت کے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ تحقیر و تذلیل کے لفظ "ملا" "ملا" سے جن کو تعبیر کیا جا رہا ہے وہ ثلث ⅓ کے کہنے والے کون کون ہیں۔ اور بے لگام زبان کن کن کی تحقیر کر رہی ہے۔

نمبر ۲ چونکہ حدیث اور اجماع یہ سب قرآن مجید کا ہی بیان ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید میں جو مسائل اشارات سے بیان ہیں یہ اس کی تشریح ہوتے ہیں جیسے اوپر آیت سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب میں دکھلاتا ہوں کہ قرآن مجید نے ہی اس کا اشارہ فرمایا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○	لکھ دی گئی تم پر جب تم میں سے کسی پر موت حاضر ہو اگر وہ مال چھوڑے وصیت والدین و اقارب کے لیے انصاف کے ساتھ یہ ثابت ہے متقی لوگوں پر۔

شیخ ابوبکر ابن العربی مالکی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کا بالمعروف فرمانا یعنی عدل و انصاف کے ساتھ ہو تو کمی ہوتی بیشی تو یہ میت کی رائے پر موقوف تھا اور اسی کی صواب دید پر رکھ دیا گیا تھا۔ پھر حق تعالیٰ نے خود اپنے اختیار میں اس کی تعیین لے لی اور اپنے رسول کی زبان سے حضرت سعد کو فرما دیا کہ ایک تہائی ⅓ اور ایک تہائی بہت ہے۔ اس لیے یہی شرعی مقدار ہو گئی جو حضور کے ارشاد میں بیان کر دی گئی ہے (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۱) معروف کا لفظ بتاتا

ہے۔ کہ کل کی وصیت کا حق نہیں۔ اب کتنی کا حق ہے۔ یہ آیت میں مجمل تھا۔ حدیث میں اسی کی تعیین ہے۔ اور حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ بتاتا ہے کہ وصیت فرض نہیں ہے۔ واجب نہیں ہے۔ صرف مستحب ہے۔ ورنہ متقیوں کی خصوصیت کیسے رہ سکتی تھی۔ فرض و واجب تو سب پر فرض، واجب ہوتا ہے احادیث میں اس کا یہی تفصیلی بیان ہے۔ اور حدیث لا وصیۃ لوارث سے کہ وصیت وارث کے لیے نہیں۔ اب کسی وارث کے حق میں معتبر نہیں۔ حضور کا یہ ارشاد حجۃ الوداع کے خطبہ میں لاکھوں کے مجمع میں ہے۔ متواتر حدیث اور دوسری بہت سند والی ہے۔ چونکہ یہاں اس کا ذکر نہیں اس لیے تفصیل نہیں لکھی جاتی۔

۳ میراث کی سب سے پہلی آیت لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ کے آخر میں ہے مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ (اس ترکہ سے جو ماں باپ اور قریب ترین عزیز چھوڑیں اس ترکہ سے جو کم ہو یا زیادہ) اس آیت میں کم اور زیادہ میں میراث فرض کی گئی ہے۔ اب اگر کم زیادہ نہ رہ سکے پورے مال کی وصیت جائز ہو تو پھر مال نہ رہنے کی وجہ سے اس آیت پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اور نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ہے۔ میراث کی آیت پر عمل فرض تو کل مال کی وصیت ساقط۔

۴ آیت وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (ڈریں لوگ جو اگر اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جائیں تو ان پر خوف کھاتے رہیں۔ وہ اللہ سے ڈریں اور ٹھیک بات کہیں) اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کل مال کی وصیت

نہ کریں۔ اور اولاد کو کمزور نہ بنائیں۔

اب ذرا پمفلٹ کے ان لفظوں کو دیکھیے " یہ چیز بھی قرآن کریم کی کھلی ہوئی حق تلفی ہے " کیا یہ دھوکہ، فریب اور کھلا جھوٹ نہیں ہے۔ محض ترجمے پڑھ پڑھ کر آدمی غرور و کبر میں اپنے کو کچھ سے کچھ سمجھ لے، تو قرآن مجید کی گہرائیاں اس کی نظر میں کیسے آ سکتی ہیں۔ اس پر یہ کہنا کہ " خدا کو اتنی بات بھی کہنی نہیں آتی تھی " کیسے بیہودگی کے لفظ ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا اور اپنے نبی سے اس کو صاف بیان کرایا ہے۔ کسی کو سمجھ ہی نہ ہو اور غرور اس قدر، تو اس کو شرم نہ آئے " اس کے لیے بھی روایات کا محتاج ہو گیا " کیا بیہودہ لفظ ہیں۔ محتاج تم لوگ ہو جو اتنی عقل نہیں رکھتے کہ قرآن مجید کا اشارہ سمجھ سکتے۔ نبی کریمؐ نے صاف صاف بتا کر کے دکھایا۔ مگر گمراہی کے پردے پھر بھی کسی کی آنکھ سے نہ اٹھیں تو چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔ اگر روایات سے آیت کے معنی اور تفصیلات و تشریحات بتانا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو محتاج بنانا ہے اور کوئی معقول بات کہلا سکتی ہو کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن کو صرف و نحو اور لغت سے سمجھنے بلکہ خود پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں کیا خدا صرف نحو لغت یا پڑھنے کا محتاج ہو گیا تو کیا ان سب کے بغیر قرآن کا مفہوم اور احکام حاصل ہو سکیں گے یہ تو سرخیا دی بلاد کو خدا کی حکم کہہ دیا جایا کرے گا۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ ---- کا لفظ نکرہ ہے " کوئی وصیت " سورۂ بقرہ والی آیت کی مستحب وصیت مراد ہوتی تو زبان کے قاعدوں سے الوصیۃ ہونا ضروری تھا کیونکہ وہ پہلے بیان ہو چکی ہے " وہ وصیت " فرمایا جاتا " یُوْصِیْ بِهَا " جو وصیت کی جائے " خود بتاتا ہے کہ اگر کوئی وصیت کی جائے، تو وہ ترکہ سے پہلے دی جائے۔

ورنہ نہیں - یہ لفظ خود کہہ رہا ہے کہ وصیت ضروری چیز نہیں ہے - انسان چاہے کرے چاہے نہ کرے - اگر کر دے تو اس کو ترکہ سے مقدم رکھا جائے - اگر وصیت ضروری ہوتی تو "یوصی بہا" کیسے کہا جاسکتا تھا - وہ تو کی جانی تھی ہی - بلکہ میراث کی ہر آیت میں یہ ہوتا - اگر نہ کرسکا ہو ان لم یوص یا یہ کہ وصیت سے جو بچا ہو ما فضل عن الوصیۃ -

جی ہاں یہ ہے "ملا" کا قرآنی وحدیثی واجماعی مذہب - الحمدللہ تحریفی اور عقلی بُت کی پوجا کا نہیں ہے - صرف خدائی رضا کا ہے - انسانی تقاضوں کا نہیں ہے نہ خواہشات نفسانی کا ہے جس کو فرمایا ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰاهُ کون اس سے زیادہ گمراہ ہے - جو اپنی خواہشات کی پیروی کرے -

مُلّا کون ہے؟

پمفلٹ صفحہ ۳ " اس کے خلاف ملا نے شور مچا دیا" صفحہ ۵ "یہی قانون وراثت جب مُلا کے ہتھے چڑھ گیا" صفحہ ۱۰ ہمارے مُلا کا یہ مذہب کہ یتیم پوتے اپنے دادا کی میراث سے حصہ نہیں پاسکتا" صفحہ ۱۱ " یہ ہے ملا کا وراثتی مذہب" صفحہ ۱۱ " جب ہم کہتے ہیں کہ مُلا کا مذہب بالکل نوایجاد ہے اور قرآن سے اسے کوئی تعلق نہیں تو بعض ناواقف حضرات کو اس سے بڑی حیرت ہوتی ہے - اور وہ اسے صحیح تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے .... کہ قرآن کا حکم کیا ہے اور مُلا کا مذہب کیا ...... جس چیز کو ملا نظامِ شریعت کہہ کر پکارتا رہتا ہے اسے قرآن سے کس قدر تعلق ہوگا - ہزار برس سے مُلا اپنے اس غیر قرآنی

مذہب کو لیے ہوئے آ رہا ہے ۔"

ایسے ہی اسمبلی کی موصولہ رایوں میں بھی بعض بعض میں "ملا" اور "کٹر ملا" کے توہین آمیز لفظ ہیں ۔ اب سوال یہ ہے ہزار برس سے جو ملا ملا ہیں وہ کون لوگ ہیں ۔ ملا کسی قوم —— کسی برادری، کسی خاندان یا کسی ملک، کسی شہر، کسی گاؤں یا کھیت باغ کے باشندہ کا نام نہیں ہے ۔ کہ ان پڑھ ہو یا پڑھا لکھا، علمی کام میں ہو یا صناعی و زراعت میں وہ ملا ہی رہے ۔ ملا آج ایک ہزار برس سے لے کر اس وقت تک کے ان حضرات کو کہا جا رہا ہے جنہوں نے قرآن و حدیث اور علوم دین کو حاصل کر لیا اشارات اور گہرائیوں کو معلوم کر لیا ۔ اور اس پر عمل کرنے اور دوسروں سے عمل کرانے کی کوشش کرنے لگے ۔

ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے حرام و حلال کی تمیز کیوں کی ۔ ایمان و کفر میں فرق کیوں قرار دیا ۔ قرآن کی تحریف پر لب کشائی کیوں کی ۔ حدیث کے انکار فقہ و اجماع سے اعراض، تصوف سے عداوت پر دار و گیر کیوں کی ۔ اپنے کو اور دوسروں کو خدا و رسول کی طرف کیوں متوجہ کر دیا ۔ اپنا اور دوسروں کا دین کیوں سنبھال لیا ۔ ہر بات میں خدا و رسول کا نام کیوں لیتے ہیں ۔ اپنی ساری عمر آوارہ گردی، عیاشی اور طرفہ کاریوں میں کیوں نہیں لگائی ۔ ہر بدمعاشی، دھوکہ بازی، عیاری خود ساختہ اور یورپ سے آئی ہوئی بات کو اسلام کیوں نہیں کہہ دیا ۔ عبادت و ریاضت کیوں کر گذرے ۔ کاروبار اور تعلقات معاشرت و معاملات، اخلاق و لباس، وضع و ہیئت میں شریعت کی پابندی کیوں کی اور کیوں کرائی ۔ دوسرے ہم خاندان ہم عمر اور عزیزوں کی طرح بے طرح ہر بری بات

سے آزاد کیوں نہیں رہے۔ عمر عزیز کو پیسہ پرستی کی جگہ حق پرستی میں کیوں
لگایا۔ یہ ہے ان کا جرم ؂

تبیوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانہ میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

یہ وہ عربی کا ملا جامی و رومی وغیرہ نہیں، اردو کا ملا ہے جس کو آج کل کا ہر بڑا آدمی ہر تعلیم یافتہ اور خصوصاً یورپ سے متاثر انتہائی ذلیل قرار دیتا ہے اب یہ ہزار برس سے ملا کون کون ہے۔ صحابہ، تابعین و تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اولیائے کرام، اغواث و اقطاب، شہدا و صالحین اور تمام امت کے تمام علمائے دین، کیوں ہیں؟ اس لیے کہ انہوں نے دین سیکھا، دین سکھایا۔ مانا اور منوایا، خود برتا اور عالم میں پھیلایا، اسلام و اسلامیات کو ٹلنے نہیں دیا۔ اللہ سے لو لگائی اور لگوائی، خواہشات بھی و نفسانی کو پامال کیا اور صرف ایک خدا کی مرضی پر جان، مال، جاہ و عزت، نفع و مصلحت، آرام و راحت، عیش و عشرت سب کچھ تج دیا۔ ورنہ آخر وہ بھی انسان ہیں۔ یہی آپ کے علوم، آپ کے کاروبار وہ بھی کر سکتے تھے، اور ان کے عزیز کر بھی رہے ہیں۔ قصور یہ ہے کہ یہ بے تحاشا ایثار کیوں کیا گیا ہے۔

تحقیر و توہین ان سب کی ذاتوں کی توہین نہیں، ان کی ان سب صفتوں کی توہین ہے، ان کی نیکی و بزرگی کی توہین، ان کے علوم دینیہ کی توہین، خدا و رسول کے عطا کیے ہوئے علم کی توہین اور دین متین کی توہین ہے۔ اس کا انجام کیا ہونا چاہیے اپنے عقل و ہوش سے اس کا جواب حاصل کیجیے۔

"ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی"

غرض دنیا بھر کے کسی گوشہ کا کوئی مسلمان جو خدا و رسول کی باتوں کا اور احکام ربی کا علم و عمل حاصل کرے گا وہ ہے "ملا" اور ان لوگوں کے یہاں انتہا کی ذلیل۔ گرچہ ہزار برس سے آج تک ہر زمانہ میں ہوتا چلا آیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب قیامت تک ہوتا چلا آئے گا۔

ضرورت اس طرح کہنے کی کیوں پیش آئی ہے اور ہزار سوا ہزار سال بعد کیوں پیش آئی ہے۔ اس سے پہلے کیوں نہیں آئی، اس لیے کہ یورپ نے دماغوں کو ماؤف کر دیا عقلوں کو مسخ اور ہوش و خرد کو مسحور کر دیا ہے بدمعاشیوں کو جزو تہذیب، عیاشیوں اور آوارگیوں کو سوسائٹی کا مایۂ فخر، سود اور جوئے کو سبب ترقی، حرام کو جزو زندگی، بے دینی و لا مذہبی کو علم و عقل کا عروج، حرص و لالچ اور کبر و غرور کو لازمۂ حیات قرار دیا ہے اسلام ان باتوں سے ٹکراتا ہے تو اسلام کو نہایت تنگ دنیا دہ ودبی ہوا۔ اور یورپ کے نقادوں کی تعلیمات میں خدا سے حی و قیوم کے اسلام کو ختم کر دینا لابدی۔ ہر شرعی حکم اور خدائی تعلیم کو ان کے تابع کر دینا ہی ایک شاہکار یہ ہے وہ کمال جس کے لیے تحریفات کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ یورپ زدہ نو تعلیم یافتہ طبقہ میں قبولِ عام مالی و جاہی فوائد کے اسباب بے محابا پیدا ہو سکیں۔ یورپ نے اپنی تعلیمات سے یہ بات اسی لیے پیدا کرائی ہے کہ ان کو ان کے علمائے دین سے متنفر کر دیا جائے۔ تاکہ ان کے مذہب کی کوئی بات ان کے دل میں نہ جم سکے اور نہ کوئی جما سکے۔ اور اپنی تعلیمات سے آہستہ آہستہ اپنے

مذہب کے قریب کر لیا جائے۔ یعنی مشن کا ایک اشارہ کافی ہے۔ چنانچہ پاکستان میں ابھی سے ۳۰ ہزار کو عیسائی بنا لیا گیا ہے۔

اب اسلام کو یورپ کی خرافات کی بھینٹ چڑھانے سے بچانے والا کون ہے، تحریفات کی قلعی کھولنے والا کون ہے اور دینِ الٰہی کو حرام کا آلۂ کار بنانے میں سدِ راہ کون ہے مسلمانوں کے ڈوبتے ایمان کا سہارا کون ہے" وہ جو دین کا علم رکھتا ہو، عمل کی کوشش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا کراتا ہو۔ جب تک اس روڑے کو راہ سے نہ ہٹایا جائے لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ اور ان کی جیبوں کا انخلا نا ممکن ہے، لہٰذا اس کو حقیر و ذلیل کر کے دکھانا ضروری ہوا جس کے لیے یہ حربہ ہے "ملا"، "ملا"، "ملا" اِسی لیے یہ حربہ ہر اس شخص کے ہاتھ میں ملے گا جو آپ کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ اگر آپ کو ایمان کے دوست دشمن میں امتیاز کرنا ہو تو ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہوگی ورنہ نتیجہ کی ذمہ داری خود آپ پر رہے گی۔

ممبران پنجاب اسمبلی کی اصولی غلطیاں

(۱) میراث کا قانون کوئی انسانی قانون نہیں ہے۔ جس میں کسی کو بالتسلسل اسمبلی یا پارلیمنٹ کے ترمیم و تنسیخ کے لیے غور و خوض کرنے کو کسی طرح بھی جائز قرار دیا جا سکے۔ یہ خدائی قانون ہے اور لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ (اللہ کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم صرف خدا

کا ہی ہے)۔ اور وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو خدا کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں گے وہی بڑے ظالم ہیں) اور تحقیر کرنے والوں کو کافروں سے تعبیر فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

ثبوت مسلا کے (۱) میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ کے حقیقی معنے بلا واسطہ اولاد اور مجازی بواسطہ اولاد کے ہیں حقیقی معنے کی موجودگی میں مجازی معنے لفظ کے تحت میں دنیا بھر کی کسی زبان میں بھی نہیں آسکتے اس لیے بیٹے کے ہوتے پوتا وغیرہ اس لفظ کے تحت میں جس کو وراثت دی گئی ہے آ ہی نہیں سکتا۔ میراث کا ایک حبہ بھی پا نہیں سکتا، خدائی حکم یہی ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتے وغیرہ کا کوئی حصہ ہو نہیں سکتا۔ پوتا بیٹا نہیں ہو سکتا، اس لیے پنجاب اسمبلی کے ممبران کی اصولی غلطی ہے کہ وہ خدائی حکم میں ترمیم کے جرم کا طوق اپنی گردن میں ڈال رہے ہیں۔ کیونکہ یہ ترمیم قرآن عظیم کی تحریف ہے جو ایمان واسلام کو استعفا دینے کے قریب ہے اگر اس کو شریعت کا قانون قرار نہ دیا جاتا اور رواجی و عملی قانون کر کے جاری کیا جاتا تو گناہ عظیم تو ہوتا مگر تحریف ہو کر ایمان کا استعفا نہ بنتا۔

(۲) قابل فخر بات تھی کہ نئو سال کے بعد یہ نوبت آئی ہے کہ اسمبلی کے ممبران سب کے سب مسلمان ہیں، اسلام اور خدائی احکام پر جان و مال اور ہر چیز نثار کرنے والے ہیں، ایک خدا کی مرضی حاصل کرنے کے لیے ہر قربانی دینے کے پر تیار رہنے والے ہیں۔ دنیا بھر کی حکومتوں میں ممتاز حکومت والے، توحید کے متوالے سب سے اعلیٰ و افضل ایمان کی دولت

سے مالا مال ہیں۔

لیکن معلوم نہیں کس دغا باز کے دھوکہ میں آکر یہ بات ہوتی نظر آنے لگی ہے جو کسی مسلمان سے ہو نہیں سکتی۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	کسی مومن مرد و عورت کے لیے یہ نہیں
إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ	ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ
يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔	کر دیں تو اس کو اس بات میں اختیار رہ جائے

جیسے کہ ثبوت مسئلہ کی تفصیلات میں آپ دیکھ چکے ہیں اللہ اور اللہ کے رسول کا قانون یہی ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتا اور بھائی کے ہوتے بھتیجا وارث نہیں ہیں بیٹا اور پوتا، بھائی اور بھتیجا ہرگز ایک درجہ میں نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد اب کسی ایمان والے مرد یا عورت کو ترمیم کا تصور تو درکنار عمل میں بھی خلل کا اختیار نہیں ہے خدا کا شکر ہے کہ ہم سب ایمان والے ہیں خدا و رسول پر جان و مال عزت و آبرو حکمت و مصلحت، عقل و ہوش سب کچھ نثار کرنے والے ہیں پھر معلوم نہیں کس کے دھوکہ میں آکر پنجاب اسمبلی نے ایسی خطرناک غلطی کا ارادہ کیا ہے۔

(۳) پنجاب اسمبلی کا یہ اقدام اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا) کو چیلنج ہے، اسلام پر زبردست حملہ ہے اور خدا و رسول کی ایک طرح سے توہین ہے جس کو موجودہ دنیا کے پچاس کروڑ مسلمان کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے غنیمت سمجھیے کہ ابھی تک بات دوسرے ملکوں کے مسلمان کے کانوں تک نہیں پہنچی۔

تمام ممبران اسمبلی ذرا ٹھنڈے دل سے غور کر کے تو دیکھیں اگر ایسی حرکت پاکستان

بننے سے پہلے انگریزی دورِ حکومت میں کی جاتی تو اور تو اور خود یہی حضرات اس وقت کیا کرتے۔ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں۔

(۴) اسمبلی کے ممبران تو سب کے سب قانون داں ہیں پھر اس قدر خلافِ قانون بات کس طرح چلائی جا رہی ہے کہ جب کل حکومت کے … پاس ہو چکا ہے کہ میراث کا قانون شریعت کا قانون ہے تو اب سب جانتے ہیں کہ شریعت کا قانون یہی ہے صحیح ہو یا خدانخواستہ العیاذ باللہ غلط ہی ہو، جب یہ شریعت کا قانون ہے تو اس کا نام تو امن کرنا قدر کرنا اور اس میں جوڑ کا وقت پیدا ہو … کر دور کرنا ہے … اس کا … کیسے ہو سکتا ہے کہ کل ملک کے طے شدہ قانون میں کسی ترمیم کے خیال کو بھی … ممبران کی سب باتیں … !

(۵) مرکزی حکومت کا طے شدہ قانون ہے کہ شریعت کا قانون نافذ ہو … صوبائی حکومت کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ مرکز کے طے شدہ … کرنے کی جرأت … سے بیش از بیش … کی جا سکتی ہے اگر … جیسے کہ … گیا ہے مرکزی حکومت کو بھی کسی ترمیم کا حق نہیں ہو سکتا اور … حکومت … کیا …

(۶) ان ممبران کو یہ معلوم نہیں تھا کہ قرآن … کا … حکم اور حدیث شریف اور اجماع اور قیاس شرعی کا ہی قانون ہے جو تیرہ سو برس سے سارے مسلمانوں … اس وقت کے … کر دہ مسلمانوں کا قرآن و حدیث … صرف … تحریف قرآن کرنے والے دھوکہ باز گمراہ … کرنے والے گروہ کی تحریف اور خدا و رسول اور اسلام پر جھوٹ تہمت اپنی بے اصل … کو قرآن کہہ کہہ کر معززین … بنا کر جذبات کو برانگیختہ کرنے والا پروپیگنڈہ ہی اس کے خلاف

ہے تو اتنا تو سب کو معلوم ہے کہ شریعت کا قانون نام ہے اس قانون کا جو شریعت کی چاروں دلیلوں کتاب وسنت واجماع وقیاس مجتہدین میں سے کسی ایک دلیل سے بھی ثابت ہو اور یہ قانون کسی ایک دلیل سے ضرور ثابت اور پونے چودہ سو سال سے ثابت اور قانونِ شریعت ہے اور پورے ملک پوری حکومت اور مرکز کا طے کردہ قانون یہی ہے تو کیا پھر بھی پنجاب اسمبلی کے لیے ترمیمی غور کی گنجائش نکل سکتی ہے!

(۷) اعتراضات کیے جانے پر اگر غور وخوض کرنا ضروری ہوتا ہے تو یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ یہ اعتراضات اسمبلی کے بناتے ہوئے کسی قانون پر نہیں اسمبلی کی کسی اسکیم یا تجویز پر نہیں اس لیے اسمبلی میں اس پر غور وخوض کے کوئی معنی ہی نہیں لہٰذا اسمبلی کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا۔

(۸) جب یہ ایک طے شدہ حقیقت ہو چکی ہے کہ میراث کا قانون شریعت کا قانون ہے تو اب کسی کی شرارت سے کسی مسئلہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ شبہ ڈالا جا سکتا ہے کہ یہ واقعی شریعت کا قانون ہے یا نہیں تو اس کی تحقیق کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہماری پاک اسمبلی میں بل پیش ہوتا ہے۔ تو ترمیم کا پیش ہونا ہے یعنی تبدیل وتنسیخ کا پیش ہونا ہے۔ کسی حکم شرعی کی تحقیق کا نہیں پیش ہوتا۔ خیال کیجیے کہ اسمبلی کا یہ فعل کہاں تک مناسب اقدام کہلا سکتا ہے۔ پھر اس تحقیق کے لیے دو اصول قابلِ لحاظ ہیں۔ (الف) تحقیق کرنے والے اس علم اور فن کے ماہر ہوں جس علم اور فن کا یہ مسئلہ ہے (ب) تحقیقات کا معیار نقل اور ثبوت ہو نہ کہ عقل محض۔ یہ دونوں اصول ایسے بدیہی ہیں کہ ہر شخص ان کا ضروری ہونا جانتا ہے۔ لیکن ذرا اسمبلی کے ممبران پر ایک نظر ڈالیے کہ ان میں کون کون صاحب ایسے نظر آسکتے ہیں جن کو

علوم دینیہ اسلامیہ کا ماہر اور فنِ میراث و فرائض میں پوری دستگاہ رکھنے والا قرار دیا جا سکتا ہو۔ اب اس مسئلہ میں شریعت کا قانون کیا ہے؟ اس کی تحقیق ان صاحبان کی رایوں سے ہوتا کیا ایسا ہی نہیں کہ ڈاکٹری کے مسئلہ کو بزازوں سے، انجینئری کے کاموں کو سبزی فروشوں سے، ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کی پرکھ کو کمہاروں سے تحقیق کیا جائے۔ کوئی عامی سے عامی شخص بھی فوجداری یا مالی کے مقدمات کے سینڈ فیکٹری کے کاریگروں سے پوچھتا نہ ہوگا۔ مگر ہماری پنجاب اسمبلی اس کو کہ یہ شریعت کا قانون ہے یا نہیں ان لوگوں کی کثرت رائے پر چھوڑ رہی ہے جن کو دینی علوم سے جیسا کچھ تعلق ہے آپ سب جانتے ہیں جیسی مہارت ہے سب کو علم ہے۔ کیا یہ دین کو ایک کھلونا بنانا اور اسلام کی توہین نہیں ہے؟

ادھر دوسرا سوال دیکھیے کہ اس تحقیق کے لیے کہ یہ مسئلہ شریعت کا قانون ہے یا نہیں کام لیا جاتا ہے عقل سے۔ آپ غور تو کیجیے کہ انسانی عقل جو کم و بیش بھی ہے ایک دوسری سے بہت مختلف بھی ہے۔ کمال و نقص کا بڑا تفاوت بھی رکھتی ہے اگر حقیقت رس ہو سکتی تو عالم انسانی کے لیے کبھی بھی دین کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور حضرات انبیاء جو سب کے سب سے زیادہ صاحب عقل ہوتے ہیں، خود ان پر وحی کے آنے کی، کتاب نازل ہونے کی اور احکام الٰہی کے صادر ہونے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ حقیقت کا علم تو حقیقت کے خالق کو ہی ہوتا ہے دوسرے کسی کو بھی بغیر اس کے بتانے صحیح اور کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے وحی کے مخالف کسی عقل کی بات قطعاً قابل التفات ہو ہی نہیں سکتی۔ اور ادھر میراث کے مسئلہ میں کہ خود حضور نے اپنی رائے اور عقل سے جواب نہیں دیئے۔ اسلام میں سب سے پہلی تقسیم میراث سعد بن ربیع شہید

کی ہوئی بیوی اپنا، دو ... اور ان کے چچا کا حق دریافت کرتی ہیں۔ ارشاد ہوا کوٹ
جاؤ شانہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں۔ پھر آیت نازل ہوئی۔

یہ کس قدر بے عقلی و بے ادبی و گستاخی کی بات ہے کہ شریعت کے قانون یعنی خدائی قانون کو عقل انسانی کا غلام اور اس جیل خانہ کا قیدی قرار دیا جاتا ہے۔ عقل جو معمولی سی مخلوق ہے خلاق علیم و حکیم کی بے نہایت حکمتوں اور مصلحتوں کو کیسے پہنچ سکتی ہے۔ محدود چیز غیر محدود کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے۔ جب حق تعالیٰ کے علم اور حکمت کا بے انتہا ہونا اور علیم و حکیم کے ہر قانون کا بہت حکمتوں سے لبریز ہونا ایک ضروری بات ہے۔ تو جو عقل اس کے خلاف چلے گی اس کا باطل اور صاحب خلل ہونا ایک لازمی بات ہے، جو عقل ان فطری قوانین کے خلاف رہتی ہے۔ اس کا ان کے خلاف ہونا ہی اس کے باطل اور مختل ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ اس کو تو عقل سمجھنا ہی بے عقلی ہے۔ ایک کاریگر کی صناعی یا ایک انجینیر کے عجائب یا ایک استاد شاعر کے کلام پر ایک ہل چلانے والا جاہل حرف گیری کرتا ہے۔ تو آپ سب اس کی اس حرکت کو اس کی حماقت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ تو کیوں خدائی احکام پر حرف گیری کرنے والی اس عقل کو جو پیشاب پاخانے کی نجاست تک ثابت کرنے سے عاجز ہے۔ بالکل حماقت نہیں کہتے، کیوں اسے خلل دماغ سے تعبیر نہیں کرتے۔ کیوں اسے جانور سے گرا ہوا درجہ نہیں دیتے
جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر عقل کا بت پوجنا اختیار کر رکھا ہے ان کی حق پرستی اور توحید و ایمان کا تو آپ خود ہی اندازہ کر لیجیے۔ اور پھر عقل بھی یورپ زدہ ملاحدہ اور کافروں کے اشارات سے متاثر۔ افسوس آج اسمبلی میں تحقیقات کا معیار قرار پاتی ہے کہ یہ عقل ... شریعت کا قانون "وحی" ہے اور اس کی تشریحات نبویہ اور ان کے احتمالات ...

سے کسی ایک کی ترجیح پر اجماع وقیاس مجتہدین اور بس، ان سب کے لیے نقل کی ضرورت ہے تصحیح نقل کی حاجت ہے، قوت وضعف کو دیکھنا ہے۔ اس کے بعد مومن کا فیصلہ بحکم آیت مندرجہ ع۲ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ کیا اسمبلی میں اس مسئلہ کی تحقیق اس طرح ہوتی ہے

(۸) اگرچہ تحریف کنندگانِ قرآن کی بے سروپا باتوں سے جن کا حال آپ اوپر پڑھ چکے ہیں تمام کے تمام ممبران ساری اُمت کو اور موجودہ وقت کے بچاس کروڑ مسلمانوں کو قرآن کے خلاف باور کر سکتے ہیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اولیا و اقطاب اغواث علما و صلحا، اور ان لوگوں کی دریدہ دہنی پر خاکم بدہن العیاذ باللہ العیاذ باللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہم سب کی روحیں آپ پر فدا) تک اثر پہنچتا ہے ان کو اگر قرآن کا مخالف ایک دم گمراہ بلکہ بقولِ اہل تحریف، منکر قرآن، یعنی کافر ہونے کا نشانہ بھی بنا سکتے ہیں۔ اور اس سے ان کو اس مسئلہ کے قانونِ شریعت ہونے نہ ہونے کا شبہ پڑ بھی سکتا ہے تو قاعدہ کی بات تو یہ تھی کہ ماہرانِ علوم دین کی ایک مجلس طلب کی جاتی اور ان سے اس مسئلہ کی تحقیقات کرائی جاتی اور جو بات شریعت کی بات معلوم ہوتی، اس پر قانون کی بنیاد رکھی جاتی۔ یہ کام پاک اسمبلیوں کے لیے مناسب تھا، یا کم از کم دو ایک عالم دین جو ملک میں سب سے زیادہ ماہر اور متقی ہوں اُن کو اسمبلی کے اجلاس میں تقریر اور شبہات کے ازالہ کے لیے دعوت دی جاتی تو یہ کام قابلِ اطمینان ہوتا۔

(۹) اسمبلی میں کسی قانون کا مسودہ پیش ہونا، اس پر بحث ہونا، رائے شماری ہونا، اس سب کی غرض یہی ہوتی ہے کہ اکثر ممبران کی رائے پر فیصلہ کر سکے قانون کو باقی یا معدوم یا اس میں کمی بیشی اور تغیر و ترمیم کی جائے۔ شریعت کے قانون یعنی خدائی قانون میں ان سب

کوئی بات کرنا تو اپنے اسلام و ایمان کو استعفا دینا ہے۔ ایسا تو مسلمان اسمبلی ہرگز ہرگز گوارا نہیں کر سکتی۔ رہ گیا یہ کہ صحیح قانونِ شریعت وہ ہے جو ابتک سب کے نزدیک ہے یا صحیح قانونِ شریعت وہ ہے جس کو سودہ پیش کرنے والے صاحب یا تحریف قرآن والے پیش کر رہے ہیں۔ اس کا فیصلہ ممبرانِ اسمبلی کی کثرت رائے سے کیا جانے کے لیے یہ مسئلہ اسمبلی میں پیش ہو سکتا ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا دونوں اصول کی رعایت ہو سکتی ہو۔ اب جب کہ نہ ممبران ماہرین فن نہ ان کے پاس نقل کے دلائل صرف عقل پہ مدار رکھ کر یہ ناقابلِ اعتبار رائے شماری ہو کر اگر اکثریت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے تو ذرا یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ آخر یہ ساری امت، سارے عالم کے مسلمان، پونے چودہ سو سالہ تمام صحابہ تمام اولیائے کرام تمام علمائے صلحائے امت کا مجموعہ کا مجموعہ ایک طرف اور آپ کے معدودے چند ممبران کی اکثریت ایک طرف جو اس کے سامنے صفر سے بھی کم ہے تو کیا عقل و خرد میں اس کی کوئی حیثیت ہو سکتی ہے۔ کیا سارے عالمِ اسلام کو ان چند ممبران کی اکثریت سے رد کرنے کے جواز کی کوئی سند مل سکتی ہے؟ کوئی کم عقل سے کم عقل اس کو جائز کہہ سکتا ہے۔ نہیں معلوم کس جادوگر کا یہ جادو چلا ہے کہ حکومت چلانے والے ہوشمند لوگ ایسی بات کر رہے ہیں جس پہ بچے بھی ہنس پڑتے ہیں۔

(۱۰) اسمبلی کے اجلاس میں اجماعِ امت سننے پہ جب ممبران نے بے وجہ غلط غلط کے نعرے لگائے۔ تو مولانا محمد داؤد غزنوی کی تحریک پر اس مسئلہ کی تشہیر کی گئی اور لوگوں سے رائیں طلب کی گئیں، اب معلوم ہوا ہے کہ صرف ۳۰ جنوری تک کے لیے لوگوں سے رائیں طلب کی گئی ہیں
خیر اسمبلی کو کچھ توفیق تو ہوئی کہ اس کی تشہیر ہی کر دی جس سے مسلمانوں کو بہت کچھ معلومات حاصل ہو گئی ہوں گی۔ مگر رائیں کن لوگوں سے باقاعدہ طلب کی گئی ہیں اور ان کو علم دین و فقہ

میراث کی طہارت تقویٰ و طہارت کس پایہ کا حاصل ہے اس کا حال اس روئداد سے معلوم ہوتا ہے جو اسمبلی کی موصولہ رایوں کے مجموعہ کی صورت میں طبع ہوئی ہے، اسکی اجمالی فہرست یہ ہے :

چیف جسٹس ہائی کورٹ لاہور ۔	چیف سکرٹری حکومت پنجاب
جسٹس ہائی کورٹ لاہور ۔	چیف انجینیر و سکرٹری حکومت پنجاب
انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب ۔	پبلک پی ڈبلیو ڈی
لیگل ریمبرینس ۔ پنجاب	چیف کنزرویٹر جنگلات ۔
ایڈوکیٹ جنرل پنجاب ۔	ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج متفرق
کمشنر صاحب ترقیات شہری علاقہ	مقامات ۶ عدد ۔
جات، وسکرٹری حکومت پنجاب ۔	ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج
سکرٹری صاحب پنجاب و سرحد	سینیر سول جج ۲ عدد ۔
پبلک سروس کمیشن ۔	سول جج ۲ عدد ۔
سکرٹری صاحب محکمہ مہاجرین وآبادکاری	کمشنر صاحب لاہور کمشنر ؟ ۔
پنجاب ۔	ڈپٹی کمشنر متفرق مقامات ۱۲ عدد ۔
سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پرنٹنگ پنجاب ۔	ریونیو اسسٹنٹ گوجرانوالہ
ڈائرکٹر اینیمل ہسبنڈری پنجاب ۔	سکرٹری بار ایسوسی ایشن متفرق مقامات
چیف انجینیر پنجاب پبلک ورکس	۳ عدد ۔
ڈیپارٹمنٹ ۔	آنریری سکرٹری بار ایسوسی ایشن ۔
ڈی۔ آئی۔ جی۔ پنجاب ۔	پریسیڈنٹ بار ایسوسی ایشن ۲ عدد ۔
ڈائرکٹر آف انڈسٹریز پنجاب	پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈ میونسپل

کمیٹی د ٹوٹیفائڈ ایریا کمیٹی وسمال ٹاؤن کمیٹی کے اگزکٹو آفیسر وسکرٹری وصدر وایڈمنسٹریٹر اور ممبران متفرق مقامات کے - ۱۵ عدد -

صدر انجمن اتحاد پختون پاکستان کراچی ۲ عدد -

صدر انجمن عزیار حسن ابدال -

صوبائی ٹرانسپورٹ کنٹرولر پنجاب -

چیئرمین صاحب تھل -

سیٹل منٹ آفیسر شہری علاقہ لاہور

صدر پنجاب گلیانہ ضلع راولپنڈی -

ادارۂ طلوعِ اسلام کراچی -

دارالعلوم نعمانیہ گوجرانوالہ وبعض اہلِ علم حضرات - دوسرے مقامات کے متعدد متفرق اشخاص -

ایک خاص فارم پر دستخط کرنے والے ۲۲۸ راولپنڈی کے عوام بعض دوسرے شہروں کے یکجائی دستخط کرنے والے عوام -

ان صاحبان میں سے غیر ملازم طبقہ نوشاندا اخباری اعلان کی وجہ سے رائیں بھیجنے والا ہے - باقی ملازمین وغیرہ نے یہ لکھ رکھا ہے کہ ہم سے رائے طلب کی گئی ہے - پھر دیندار یا خدا ترس لوگوں نے تو اہلِ علم پر حوالہ کیا ہے اور بعض اہلِ علم نے تحقیقات کی ہے اور اسلام کا قانون یہی بتایا ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتا محروم ہے - اور ثبوت بھی پیش کیا ہے - ادارۂ طلوعِ اسلام کا وہی پورا پمفلٹ ہے جس کی حقیقت اس کتاب میں دکھلائی گئی ہے - باقی بل کے حامیوں نے جو بیہودہ الفاظ دین اور بزرگانِ دین کے بارہ میں کہے ہیں وہ انسانیت کا ماتم کرنے والے ہیں اور بعض کے الفاظ تو اسلام سے خارج کر دینے والے ہیں - بل کے طرفداروں کے بیان میں کوئی دلیل نہیں ہے - اور کسی میں اگر کوئی ہے تو ایسی نہیں ہے جو طلوعِ اسلام کے پمفلٹ سے بعینہٖ یا بہ تبدیلِ لفظ نہ نقل کی گئی ہو، جو اس کی کھلی

دلیل ہے کہ ان سب لوگوں کی رائیں صرف اسی مرکز تحریفات کی تقلید یا پراپیگنڈا سے متاثرہ ہیں۔ اور ممکن ہے کہ یہ کسی اندرونی سازش کے کھیل بھول ہوں، راولپنڈی کے لوگوں کے یکجائی دستخط ایک فارم کی عبارت کی شکل میں ہونا بھی اس کو ثابت کرتا ہے۔

پمفلٹ صہ "آپ سکرٹری پنجاب لیجس لیٹو کونسل لاہور کو ۳۰ جنوری ۱۹۵۴ء سے پہلے پہلے ایک خط بھیج دیجیے۔ جس میں لکھیے کہ قرآن کی رو سے یتیم پوتے کو حصہ ملنا چاہیے۔ اس لیے ہم اس مجوزہ بل کی تائید کرتے ہیں" اور طلوع اسلام جنوری ۱۹۵۴ء صہ پر ہے"۔ لوگ اپنے قرآنی ہونے کے دعوی کے ثبوت میں کیا کچھ کر کے دکھا نے ہیں ضرورت اس کی ہے کہ عوام کو اس مسئلہ سے آگاہ کیا جائے اور لوگوں کی آواز کو حکومت تک پہونچایا جائے۔ اس لیے حسب ذیل عملی اقدام ضروری ہے ۔ ۱ ان عوام کو بتایا جائے ۲ کوشش کیجیے کہ یہ پمفلٹ آپ کے علاقہ میں زیادہ سے زیادہ تقسیم ہو جائیں جس قدر ضرورت ہو منگا لیجیے۔ لیکن ہم پچیس سے کم نہیں بھیجیں گے۔ ۳ ان پمفلٹوں کو پنجاب اسمبلی کے ممبران تک ضرور پہنچائیے اور ان سے خود بھی ملیے۔ ۴ عوام کی آراء حاصل کر کے انہیں سکرٹری پنجاب لیجس لیٹو اسمبلی لاہور تک پہنچائیے۔ اور ہمیں بھی اطلاع دیجیے۔ ۵ اخبارات سے کہیے کہ وہ اس پمفلٹ کو اپنے ہاں شائع کریں " اس کے بعد اب ان منظم سازشوں کا اور کیا ثبوت چاہیے۔ چنانچہ اسمبلی کی روئداد میں یہ الفاظ بعینہ ملتے ہیں مرکز تحریفات کی ان دلیلوں کی حقیقت دھوکہ بازی تحریف غلط بیانات، غلط حوالے قرآن نام رکھ کر اپنی بے اصل گھڑی ہوئی بات کو پیش کرنا، خدا اور کتاب خدا پر تہمت لگانا، نامعقول تقابلات سامنے رکھنا، ان سب کو پوری کتاب میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اگر اسمبلی کے ممبران اور تمام مسلمان انصاف و سنجیدگی سے غور کریں گے تو اس حقیقت پر بہت

سہولت سے پہنچ جائیں گے۔ کہ صرف ایک گروہ ہے جو تحریف قرآن کر کے تمام مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال کر لوگوں کو بے وقوف بنا کر طرح طرح کی چالوں سے انکی جیبیں اُلٹوا کر اپنا خزانہ بھرنے کی فکر میں یہ سب باقاعدہ اور منظم سازش کر رہا ہے، اگر یہ گروہ اپنے اوپر اسلام کا بورڈ لگائے ہوئے نہ ہوتا تو ہمارا ہر مسلمان بھائی اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتا۔ وہ خود سمجھ سکتا ہے۔ اب دیکھیے اس نمائشی بورڈ سے کون کون دھوکا کھاتا ہے۔

اس گمراہی میں مبتلا کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار مسلمانوں کے رحم و کرم کے مارے ہی ناجائز فائدہ اُٹھانے کے لیے یتیم پوتا یتیم پوتا، کہہ کر ان کے جذبات کو اُبھارتا ہے۔ حالانکہ خیال کرنے کی بات ہے کہ یتیم اس وقت تک یتیم کہلا سکتا ہے جب تک بالغ نہ ہو ورنہ پھر تو قریب قریب آدمی سے زیادہ دنیا یتیم ہی ہوگی۔ پھر یہ فرض کیا جاتا ہے کہ یتیم ہونے کو میراث میں کوئی دخل ہے حالانکہ کسی ایک آیت و حدیث اور فقہ کے صریح یا اشارہ میں بھی یتیم ہونے کو میراث کا سبب یا زیادہ ملنے کا سبب نہیں قرار دیا گیا ہوتا تو غیر یتیم اور بالغ وارث ہی نہ بن سکتا اور بالغ ہوتے ہی ہر یتیم کی وراثت کا مال چھن جانا چاہیے تھا اور ہر یتیم کسی نہ کسی مالدار کا وارث بنا دیا جاتا، خواہ وہ عزیز نہ ہوتا یا باپ کا دوست یا ہم پیشہ یا ہم وطن وغیرہ۔ حالانکہ نہ یہ ضروری کہ پوتا نابالغ چھوٹا سا رہتا بلکہ بچہ ہو نہ یہ ضروری کہ بالکل مفلس قلاش ہو کر نہ اس کے باپ کا کوئی ترکہ مل سکا ہو نہ ننہال سے اُس کی والدہ کو کچھ ملا ہو نہ یہ ضروری ہے کہ اس کا دلی چچا تایا خدا اور رسول کے ڈر اور دنیا کی لاج سے خالی اور تربیت کے فرض سے قاصر ہو۔ نہ یہ ضروری کہ دادا نے اس کو کوئی چیز ہبہ یا وصیت نہ کر دی ہو بہت ہو گا کہ ان سب صورتوں کا عکس ہو، پوتا جوان، بیٹا نابالغ، پوتا امیر، ماں باپ کی میراث والا، بیٹا غریب وغیرہ وغیرہ اور پھر صرف چچا کے ہوتے پوتا محروم ہوتا ہے

ورنہ یا کل کا وارث ہے یا مقررہ حصوں سے باقی کل کا۔ اور اگر سب عزیز اسی قسم کے ہوں گے بھی کہ نہ خود اس کی ولایت کا فرض محسوس کرتے ہوں نہ اس کے ولی کے احساس نہ کرنے پر اس کا انتظام کرا سکتے ہوں تو پھر ایسی فرضی شکل میں تو خدا و رسول کے ارشادات کے خلاف کر کے اس کو حصہ دلانے سے بھی اس کے پاس کیا پہنچ سکتا ہے۔ وہ سب کھا جائیں گے اور الٹا مالیہ معاملہ آبیانہ وغیرہ اس کے ذمہ پڑتا رہے گا۔ ہر شخص کو اس کے باپ کے مال کا حق ہونا عقلی بات ہے جس کا وہ براہ راست باپ ہے اسی کا باپ ہے وہی اس کا بیٹا ہے۔ نہ دادا باپ بن سکتا ہے نہ پوتا بیٹا۔ ہاں کوئی بیٹا نہ ہو تو البتہ یہ اس کے قریب قریب حیثیت پا سکتا ہے اور اگر وصیت سے یا ہبہ سے دادا دینا چاہے گا۔ تو کوئی روک نہیں سکتا، نہیں دینا چاہے گا تو زبردستی کر کے پوتے کو بیٹا بنانے کا کسی کو حق نہیں ہوتا وہ اپنے مال کا مالک ہے۔ دوسرا جبر کرنے والا کون ہوتا ہے بیشک اسلام نے یتیم کی امداد و سرپرستی اور ہر طرح کی رحمت رسانی کی بہت ترغیب دی ہے لیکن جیسے چوری ڈاکہ سے مال لے کر اس کی امداد حرام ہے ایسے ہی میراث میں سے دوسروں کا حق چھین کر دینا حرام ہے۔ یتیم پر رحم کیا جائے تو اپنے پاس سے دیا جائے۔ یہ حلوائی کی دکان پر نانا جی کا فاتحہ کیسی دوسروں کا حق چھین کر دلوانا کیسا۔ یہ آپ نے خوب رحم کھایا۔ اور سارے مسلمانوں کو ظالم بنا ڈالا۔ دیکھیے ظالم کون ہے۔ ایسی کھلی باتیں بھی سمجھ میں نہ آئیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی دھوکہ باز کا طلسم اثر کر رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان رایوں پر مسئلہ کا مدار رکھ کر اسمبلی فیصلہ صادر کر سکتی ہے، اور ان لوگوں اور ممبران کی اکثریت کو اس مسئلہ کے شریعت کا قانون ہونے کا معیار قرار دے سکتی ہے۔ جن میں سے جو دینی علم رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی رائے نہیں بلکہ حکم شریعت مع دلائل صحیحہ ثابت کر دکھایا ہے، وہ اس بل کو بالکل خلاف قرآن و حدیث و اجماع و تحریف

اور یہ دینی قرار دے رہے ہیں اور جو لوگ دینی علوم سے نا واقف ہیں اُن میں سے جن کے دل میں دین کی عظمت تھی وہ بھی علماء پر حوالہ یا اس کی مذمت کر رہے ہیں۔ اور جو لوگ دونوں باتوں سے خالی اور تحریکی پروپیگنڈا اور سازش میں دانستہ یا نادانستہ مبتلا ہیں صرف وہ بلا کسی معقول شرعی دلیل کے اور بہت سے ویسے ہی بے دلیل اس کے حامی ہیں۔ اگر ان کی اکثریت ہوگئی، تو کیا ان پر فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف ایک شخص اسلم جیراجپوری یا عبداللہ چکڑالوی صاحب اس تحریف کے بانی ہیں، اور باقی قریب قریب سب مسئلہ کی تہ کو نہ پہنچنے کے سبب ان کی دلآویز عبارت یا حسن عقیدت سے تابع محض ہیں، انہی کی کہی بات کو بار بار دہرا کر پروپیگنڈا کرنے والے ہیں اس لیے ان کی سب کی رائے درحقیقت صرف ایک رائے ہے وہ بھی فاسد اور غلط در غلط، پھر بھی بات یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ شرعی قانون کی بنا ناواقف لوگوں کی رائے پر ہی ہو سکتی ہے تو ان کی تو اُن کی اگر سارے ملک کی بھی اتفاقی رائے یہی ہوتی، تو بھی سارے عالم اسلام کے سامنے ان کی تعداد اکثریت دا قلیت کیا محض صفر کا درجہ رکھتی ہے تو کیا اسمبلی ایسی نادانی کر گذرے گی، اور ان جعل سازوں کی تحریف اور دھوکہ دینے والوں کے پروپیگنڈا میں آکر اپنے کو تمام عالم اسلام میں بدنام کر لے گی۔ خدا کے روبرو جواب دہی کے لیے تیار ہو جائے گی، تمام آئندہ نسلوں کے حقوق العباد اپنے ذمہ رکھ لے گی۔ جہاں ایک بالشت زمین کے ناجائز قبضہ سے ساتوں زمینوں کا طوق گردن میں پڑے گا یہ لاکھوں ایکڑ کا طوق گردن میں لیلے گی۔ اور بے فائدہ لے لے گی۔ اور جب کہ ہر نیک طریقہ کے جاری کرنے والے کو ثواب، اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والے کا بھی ثواب اور ہر بری بات جاری کرنے والے کو اس کا گناہ، اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوتا ہے کیا اسمبلی ایسا سودا کر سکے گی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی کی میراث قطع کرے گا۔ جسے اللہ نے مقرر کیا تھا

اللہ تعالیٰ اس کی میراث جنت سے قطع کر دینگے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۶) تو کیا اسمبلی بغیر ایک پائی کے فائدہ کے بھی یہ خسارہ سر لے سکے گی۔

خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مملکت پاکستان کا وجود بخشا اور پھر اس کو غیر سے پاک فرمایا تو حکام اولین نے اپنا فرض محسوس کرنا شروع کیا اور پنجاب سے میراث کے غیر شرعی قانون کی لعنت کو دور کیا بلکہ ہر بات کے لیے اسلامی قانون کی اسکیمیں بنائیں مگر افسوس ابھی چھ سات سال ہی ہوئے ہیں کہ پھر غیر شرعی قانون اسلامی و قرآنی لیبل لگا کر رواج پانے لگے اور بجائے پاکستان کو پاک اور پاک تر بنانے کے گندے خواب دیکھنے لگے ع اس حال از قوم پہ سو بار آہ داد!

اندیشہ اور قوی اندیشہ ہے ایسی عام لوگ اسمبلی کے اس فعل کو یہ نہ سمجھ لیں کہ چند نا قابل اعتبار تحریف قرآن والوں کی آڑ لے کر خود اسمبلی پھر آہستہ آہستہ وہی پہلا رواجی غیر شرعی جاہلیت کا قانون قرآنی قانون نام رکھ کر نافذ کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور پھر اسی جہالت کے غار میں دھکیل رہی ہے، اور دھوکہ کے ساتھ دھکیل رہی ہے جس سے مشکل نجات ہوئی تھی۔ پھر وہی رواجی اور ہندوانی بات سراہی جانے لگی ہے چنانچہ اسمبلی کی رونداد کے صفحہ ۸۴ پر دیپالپور ضلع منٹگمری کے ایک صاحب نے اس اقدام پر کہہ بھی دیا ہے کہ سالم قانون منسوخ کر دیا جائے۔

امید ہے کہ سب مسلمان اور خصوصاً اسمبلی کے ممبر صاحبان اپنے دینی و اسلامی فرض محسوس کریں گے اور روز روز کے نئے تحریف کرنے والوں کے جال میں نہ پھنسیں گے اپنے ایمان کی عزیز ترین دولت کو ایسے ڈاکوؤں سے نہ لٹوائیں گے۔

اے اللہ ہم سب کو حق پر قائم رکھ اور حق بات کو ہمارے دلوں میں جما دے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

اسمبلی کے کرنے کے کام

اگر واقعی یتیم پوتوں کی اچھی پرورش نہیں ہو رہی ہے اور اسمبلی ان کو راحت پہنچانا چاہتی ہے تو یتیم بچوں اور خصوصاً یتیم پوتوں کے فائدہ پہنچانے کے لیے امور ذیل پر توجہ کرنی چاہیے -

(۱) اسمبلی کی روئداد ص۳۹ کے ۳/ کے موافق مجلس علماء سے تحقیق اور رفع شبہات کرائی جائے بغیر اس کے کسی تغیر و تبدیلی کو منظور نہ کیا جائے ورنہ دین و دنیا کا نقصان پیدا ہوگا۔

(۲) ایسے یتیم و غریب و مسکین بچوں کے لیے ولی کے مقرر کرنے کا قانون بنایا جائے کہ جو شرعاً ولی بن سکتا ہو اس کو ولایت کا سرٹیفکیٹ دے کر ذمہ دار قرار دے -

(۳) یتیم کو ہی تعین کے لیے مجبور نہ کیا جائے دوسرے عزیز محلہ دار اجنبی لوگ یا عدالت اس کی تحقیق اور تجویز کر دے غرض فوری طریق سے شرعی فتویٰ کے ساتھ معین کر دے جو حسب میراث کئی بھی ہو سکتے ہیں -

(۴) ولی کے ذمہ اس یتیم کے اخراجات کی حسب حیثیت تشخیص کر دے اور خلاف کے لیے تعزیر مقرر کرے ۔ اور یتیم کو ہر وقت چارہ جوئی کا حق دے -

(۵) ان یتیموں کے ایسے مقدمات کو مقدمات کے مروجہ اخراجات سے مستثنیٰ قرار دے دے اور سرکاری وکیل کو ان کی پیروی کا ذمہ دار بنا دے -

(۶) دادا ؤں کو وصیت کے لیے سہولت دی جائے کہ وہ سادے کاغذ پر لکھ کر یا کہہ کر کم سے کم دو معززین کی شہادت سے لکھ سکیں -

(۷) ہبہ کے لیے جو ٹیکس مقرر کیا گیا ہے اس کو کم سے کم ان کے لیے معاف کیا جائے

تاکہ ٹیکس رکاوٹ نہ بن سکے۔

(۸) اگر کوئی عزیزہ ولی ثابت نہ ہوتا ہو یا اس کی اس قدر وسعت نہ ثابت ہو سکے جو یتیم کی پوری تربیت و تعلیم کرا سکے تو حکومت امداد یتامی کا ایک شعبہ قائم کرے جس سے ان یتیموں کو امداد دی جا سکے اور عدالت بعد تحقیق حالات قدر ضرورت وظیفہ مقرر کر دے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لیا تھا، اور بعد میں بیت المال کے ذمہ یہ کام تھا۔

چیمہ ل کی خرابیاں

اس کے الفاظ سامنے رکھیے :۔

"اگر کسی بیٹے یا بیٹی، بھائی یا بہن کی موت ایسے وقت واقع ہو جائے جبکہ وہ شخص زندہ ہو جس کا ترکہ ملتا ہے تو ان کے ورثا کو ترکہ ایسے ہی ملے گا گویا کہ موت کھلنے ترکہ کے وہ بھی زندہ تھے یعنی یہ تصور کیا جائے گا کہ جس کو ترکہ تقسیم ہوتا ہے اس کے بعد فوت ہوئے ہیں"

ترمیم کرنے کے لیے سند جواز یہ پیش کی گئی ہے۔

"عام خیال ہے کہ اصول نمائندگی وراثت شرعی کے لیے ایک اجنبی اصول ہے اس وقت پہلے فوت شدہ لڑکے یا لڑکی، بھائی یا بہن کی اولاد شرعی کا ترکہ نہیں پاتی۔ قانون شریعت میں ایسی کوئی صریح بندش نہیں جو کہ ایسی اولاد کو ترکہ پانے سے روکے اس قانون کا موجودہ تخیل پہلے فوت ہونے والے لڑکا لڑکی یا بھائی بہن کے بچوں کی زندگی تباہ حال بنا دیتا ہے قانون کو اسلامی روح کے مطابق بنانے کے لیے مندرجہ بالا ترمیم تجویز کی گئی ہے"

آپ ہماری پوری کتاب پڑھ کر یقیناً اس یقین پر تو پہنچ چکے ہیں کہ میراث کا قانون اور خصوصاً پوتے کی میراث کا قانون الٰہی یہ ہے کہ اگر اس کا چچا زندہ ہو تو یہ محروم ہے ورنہ پھر وارث ہے کل کا وارث ہے یا مقررہ حصوں سے باقی کل کا وارث ہے یہ ہے قانون وحی اور قانونِ شریعت چیمہ صاحب اس کو کہتے ہیں یہ تخیل "زندگی تباہ حال بنا دینے والا"۔ "اسلام کی روح سے خالی"۔ اور یہ کہ "قانونِ شریعت میں ایسی کوئی صریح بندش نہیں جو کہ ایسی اولاد کو ترکہ پانے سے روک دے"۔ اب اس کا انصاف آپ خود کر لیں کہ اس تہذیب و عقل اور معلومات کی داد دی جائے یا ماتم کیا جائے خدا کرے کہ ان کو ہوش آجائے اور بہت جلد اس گستاخی سے توبہ کر لیں۔

مرکزِ تحریکات کے پمفلٹ میں قائم مقامی کا جو اصول گھڑ کر اس کو قرآنی اصول قرار دے کر خدا تعالیٰ اور اُن کے کلام پر تہمت لگائی گئی ہے حالانکہ وہ جاہلیت کا رواج اور ہندوؤں کا اصول ہے "جس کا ترکہ تقسیم ہونا ہے اس کے بعد فوت ہونے" سے اسی کی تعبیر کی گئی ہے جس کا خلاف قرآنِ مجید ہونا اور نا معقول ہونا قائم مقامی کے مسئلے میں ثابت کیا جا چکا ہے حیرت ہوتی ہے کہ اس کو اجنبی اصول بھی نہیں مانا جاتا کیا ہندوانی رواج مسلمانوں کے لیے اس قدر دلنشین ہو جاتا ہے؟ پھر اس کی خرابیاں الگ مثلاً

(۱) اگر قرآن و حدیث کے برخلاف اسی طرح مردوں کو زندہ فرض کر کر کے حصے لگائے جائیں گے تو ہر مورث کے جتنے عزیز، جتنے بچے، جتنی بیویاں یا شوہر یا عزیزہ ان کی اولاد کی بیویاں شوہر مر چکے ہونگے ان سب کو بھی زندہ تصور کر کے ان کے وارثوں کو میراث دینا لازمی ہوگا ورنہ آخر ان کا کیا قصور، اگر وہ بھی اپنی داستانِ ظلم رو رو کر بیان کرنے لگیں گے تو کیا ہوگا آخر کسی کو زندہ تصور کرنا کسی کو نہ کرنا ظلم نہیں تو کیا کہلائے گا۔

(۲) قانون بجائے ایک حقیقت ہونے کے ذہنی تصور و تخیل بن کر رہ جاتا ہے

کہ مردہ کو زندہ تصور کیا کریں اور میراث دیں جس کو کوئی قانونی عقل بھی گوارا نہ کرے گی اور
قرآن وحدیث کے تو بالکل مخالف ہی ہے کیونکہ آیات واحادیث میں وارثوں کے جو
حق قرار دیئے گئے ہیں وہ سب ایجابی جملے ہیں اور ساری زبانوں کا قاعدہ ہے کہ ایجابی جملہ یعنی
جملہ ایجابی میں محکوم علیہ کا وجود ضروری ہے، اس لیے وارث وہی ہوگا جو موجود ہوگا۔ دوسرے
مثلاً وَوَرِثَهٗ اَبَوَاهُ میں وارث ہونا منسوب الوین کی طرف ہے اس لفظ کا مصداق وہ ہے
جو موجود ہوگا فعل کا فاعل وہی ہوگا معدوم فاعل نہیں ہو سکتا اس لیے کسی مردہ معدوم کو
زندہ تصور کر کے حصہ وراثت نہیں مل سکتا نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ
(جو ماں باپ اور اقربا چھوڑیں اس کا حصہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے چھوڑا ہے اسی کے
چھوڑے ہوئے سے حصہ ہے تو چھوڑا دادا نے حصہ لیا جائے باپ مردہ سے، چھوڑا چچا نے
حصہ لیا جائے باپ مردہ سے یہ سب آیت کے خلاف ہوگا۔

(۳) آیت فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوَاهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ (اگر میت
کے ولد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوں تو ماں کے لیے ⅓ ہے) اب اگر مُردوں کو زندہ تصور
کیا جائے گا تو ولد نہ ہونے کی صورت سوائے اس کے کوئی باقی نہ رہے گی کہ اس کے اولاد ہی
نہ ہوئی ہو ورنہ ماں اس حصہ سے محروم ہوگی کیونکہ مردہ زندہ تصور کی جائے گی پھر آیت کے خلاف ہوگا

(۴) اسی طرح اولاد نہ ہونے میں بیوی کو ¼ اور شوہر کو ½ اسی وقت ملیگا جب بالکل ہی نہ
ہو۔ ورنہ مردہ اولاد تو زندہ مانی ہوگی۔

(۵) زندہ بیٹے کی اولاد کو نہ دینا اور مردہ بیٹے کی اولاد کو دینا جب کہ دادا سے سب کا
علاقہ برابر ہے کیا ظلم اور ناانصافی نہیں، زندہ بیٹا کل ضائع کردے یا کسی اجنبی کو دیدے
یا وقف یا رہن کردے تو زندہ کے بیٹے تو بھیک مانگتے پھریں اور مردہ کے بیٹے رئیس بنے

بیٹھے رہیں تو کیا یہ ظلم نہ ہوگا کیا ان کا قصور یہی نہیں کہ ان کا باپ زندہ تھا اگر مر چکا ہوتا تو ان کو بھی دادا کا ترکہ اسی تعلق سے مل سکتا جس سے ان کے مردہ چچا کے بیٹوں کو ملا۔

(۶) آیت وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ (اور اس کے ذمہ کہ جس کے لیے بچہ جنا گیا ہے بچوں کی ماؤں کا رزق ہے) بتاتی ہے کہ جس کے لیے بچہ ہے وہ باپ ہے یعنی نسب باپ سے ہے ماں سے نہیں ہے یہاں علی الاب (باپ کے ذمہ) یا علی الوالد (والد کے ذمہ) یا علی ازواجھن (ان کے شوہروں کے ذمہ) نہیں فرمایا تو معلوم ہوا نسب باپ سے ہے اولاد بیٹے کی ہی اولاد شمار ہوگی بیٹی کی نہیں۔ عرب کہتا ہے۔

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا — بنوھن ابناء الرجال الاباعد

ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور بیٹیوں کے بیٹے تو دور کے لوگوں کے بیٹے

دیوانِ علیؓ کے پہلے قصیدے کا شعر ہے

وانما امہات الناس اوعیۃ — مستودعات وللانساب اٰباء

لوگوں کی مائیں تو امانت کا ظرف ہیں اور نسب کے لیے صرف باپ ہیں۔

لیکن اس بل میں نواسے اور بھانجے کو بھی اولاد یا ولد میں داخل کر کے وارث بنایا گیا ہے عربیت کے بھی خلاف ہے اور قرآنی اشارات کے بھی خلاف۔

(۷) آپ کہتے ہیں کہ قانونِ شریعت میں ایسی کوئی صریح بندش نہیں مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن شریف میں پوتے بھتیجے بھانجے نواسے کا کہیں صریح ذکر ہی نہیں ہم تو قرآنی مجازاً اشارات اور اجماع و احادیث سے تقسیم حصص کر لیں گے جو لوگ صریح چاہتے ہیں وہ کیا کریں گے اور پھر "قانونِ شریعت" کا مفہوم خدا جانے کیا قرار دیا گیا ہے جبکہ دلالت قرآن اور حدیث شریف و اجماع سے ثابت ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتا اور بھائی کے ہوتے بھتیجے

وارث نہیں تو کیا ان کی شریعت مسلمانوں کی شریعت سے الگ ہے۔

(۸) اگر زید کے ایک بیٹی ایک دوسری بیٹی سے نواسا اور ایک بھائی ہے

زید ۳

بیٹی	نواسا	بھائی
۱	۱	۱

تو اس بل کے موافق بیٹی کو $\frac{1}{3}$ نواسے کو بیٹی کو زندہ تصور کر کے پھر اس کو مار کر اس کے حصہ کا $\frac{1}{3}$ اور بھائی کو $\frac{1}{3}$ ملے گا، لیکن قرآن مجید فرماتا ہے وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ کہ اگر ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف دیا جائے یہاں بجائے $\frac{1}{2}$ نصف کے $\frac{1}{3}$ تہائی قرآن شریف کے خلاف ملے گا۔

(۹) عمر ۹

دو بہن	بھانجی	چچا
۴	۲	۳

اگر عمر کے دو بہن ایک بھانجی ایک چچا ہے تو اس بل کی رو سے دونوں بہنوں کو $\frac{4}{9}$ بھانجی $\frac{2}{9}$ چچا کو $\frac{3}{9}$ ملے گا۔ اور قرآن شریف کا ارشاد ہے وَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ (اگر بہنیں دو ہوں تو ان کے لیے ترکہ کا دو تہائی ہے) یعنی اس صورت میں $\frac{6}{9}$ ملنا چاہیے یہاں قرآن کے خلاف $\frac{4}{9}$ ملتا ہے۔

(۱۰) ہندہ ۳

بھائی	بھانجا
۲	۱

ہندہ کا انتقال ہوا ایک بھائی ایک بھانجا چھوڑا اس بل سے بھائی کو $\frac{2}{3}$ اور بھانجے کو $\frac{1}{3}$ ملتا ہے اور قرآن شریف میں ہے وَھُوَ یَرِثُھَا اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ (اور بھائی کل کا وارث ہے اگر بہن کی اولاد نہ ہو) یہاں بھی قرآن شریف کے خلاف

بجائے کل کے بھائی کا حصّہ $\frac{2}{3}$ ہوا۔

(۱۱) ۳ خالد

بہن	بھتیجی	چچا زاد بھائی
۱	۲	محروم

خالد نے ایک بہن، ایک بھتیجی ایک چچا زاد بھائی چھوڑا نواس بل سے بہن $\frac{1}{3}$ اور بھتیجی کو $\frac{2}{3}$ ملے گا اور چچا زاد بھائی محروم رہے گا۔ اور قرآن شریف میں ہے نِصْفُ مَا تَرَكَ (بہن کو لاولد بھائی کے ترکہ سے نصف ہے) تو یہاں قرآن کے خلاف بہن کو بجائے نصف کے $\frac{1}{3}$ ملا۔

(۱۲) ۴ زینب

شوہر	نواسہ	بھتیجا
۱	۲	۱

زینب مرگئی، شوہر اور ایک نواسا، ایک بھتیجا چھوڑ گئی نواس بل سے شوہر چوتھائی $\frac{1}{4}$ اور نواسے کو نصف اور بھتیجے کو $\frac{1}{4}$ ملے گا مگر قرآن شریف میں وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ (اور تمہارے لیے نصف بیویوں کے ترکہ سے اگر ان کے ولد نہ ہو) اور نواسا ولد نہیں ہے تو یہاں قرآن کے خلاف شوہر کو بجائے نصف کے $\frac{1}{4}$ ملا۔

(۱۳) ۹ رشید

تین بیٹیاں	پوتی	پوتی	پوتی
۳	۲	۲	۲

رشید مرگیا ہے تین بیٹیاں ایک پوتی ایک بیٹے کی ایک دوسرے کی ایک تیسرے کی چھوڑتا ہے نواس بل کی وجہ سے ہر بیٹی کو $\frac{1}{9}$ تینوں بیٹیوں کو $\frac{3}{9}$ اور ہر پوتی کو $\frac{2}{9}$ ملیں گے اور قرآن شریف فرماتا ہے فَإِنْ كُنَّ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا

ترکہ کا (اگر بیٹیاں دو یا زیادہ ہوں تو ان کے لیے ترکہ کا ۲/۳ ثلث ہے) اور یہاں بجائے ۶/۹ کے ۳/۹ مل رہا ہے۔ یہ قرآن کے خلاف ہے کہ دو ثلث کی جگہ ایک ثلث ہے۔

(۱۴) ۱۸ عبداللہ

والدہ	بہن	بھتیجی
۳	۵	۱۰

عبداللہ کا انتقال ہوا، والدہ بہن بھتیجی باقی رہے نواس بل سے والدہ کو ۳/۱۸، بہن کو ۵/۱۸، بھتیجی کو ۱۰/۱۸ ملتا ہے اور قرآن مجید آیت مذکورہ ۳ اور آیت مذکورہ ۵ سے والدہ کو ۶/۱۸ اور بہن کو ۹/۱۸ دیتا ہے، یہ بھی کھلی مخالفت ہے۔

(۱۵) ۳ عبدالرحمٰن

بیٹی	پوتی	بہن
۱	۲	محروم

عبدالرحمٰن مرتا ہے ایک بیٹی ایک پوتی ایک بہن چھوڑ جاتا ہے۔ اس بل کی رو سے بیٹی کو ۱/۳ اور پوتی کو ۲/۳ ملتا ہے اور حدیث شریف میں ہے جو صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۷ پر ہے، ایک صحابی ہزیل بن شرجیل کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری رض سے سوال کیا گیا ایک بیٹی ایک پوتی ایک بہن کا حصۂ میراث کیا ہے آپ نے جواب دے کر یہ فرمایا کہ ابن مسعود رض کے پاس جاؤ حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے کہا میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ بیٹی کے لیے نصف پوتی کے لیے ۱/۶ دو تہائی پورا کرنے کے لیے باقی بہن کا ہے اب دیکھیے کہ یہ بل حدیث صحیح کے مخالف ہے، بیٹی کو بجائے نصف کے ۱/۳ اور پوتی کو بجائے ۱/۶ کے ۲/۳ اور بہن کو محروم کرتا ہے، اور اس حدیث کے بھی مخالف جس میں ارشاد ہے بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنا دو۔

(۱۶) اگر کسی کا ایک بیٹا العیاذ باللہ مسلمان نہ رہا ہو اولاد مسلمان ہو اور دوسرا بیٹا مسلمان ہو دونوں مر جائیں پوتے ہی پوتے دونوں کی اولاد موجود ہو تو لازم آتا ہے کہ دادا کے انتقال کے وقت پہلے بیٹے کی اولاد محروم کی جائے کیونکہ دونوں کو زندہ تصور کیا جائے گا، کافر وارث نہیں ہو سکتا اس کی اولاد کو حصہ کیا مل سکے گا، اب وہ یتیم پوتے کس کس کو روئیں گے، ان پر کس کا ظلم ہو گا، ان کی بیکسی و بے بسی پر کون ترس کھائے گا اسے آپ سوچا کیجیے۔ قصور باپ کا سزا بیٹوں کو۔ کرے کوئی بھرے کوئی۔

یہ چند باتیں عرض کر دی گئی ہیں جو ان شاء اللہ کافی ہوں گی ورنہ خود دل کی ایسی ایسی خرابیوں پر پوری کتاب بن سکتی ہے کہ نہ یہ عقل کے موافق ہے نہ نقل کے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خدا اور رسول کی اطاعت اور دین و اہل دین کی عظمت و محبت عطا فرمائیں، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلہ گنبد لاہور

جمادی الاخری ۱۳۸۳ھ

پوتے کی میراث

حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی مدظلہم

مفتی جامعہ اشرفیہ ـــــــ لاہور

ناشر

ایم ۔ ثناء اللہ خان ۔ ۲۶ ۔ ریلوے روڈ ۔ لاہور